اللہ تعالیٰ کی عشق و محبت پیدا کرنے والا عارفانہ کلام

کشکولِ مجذوب

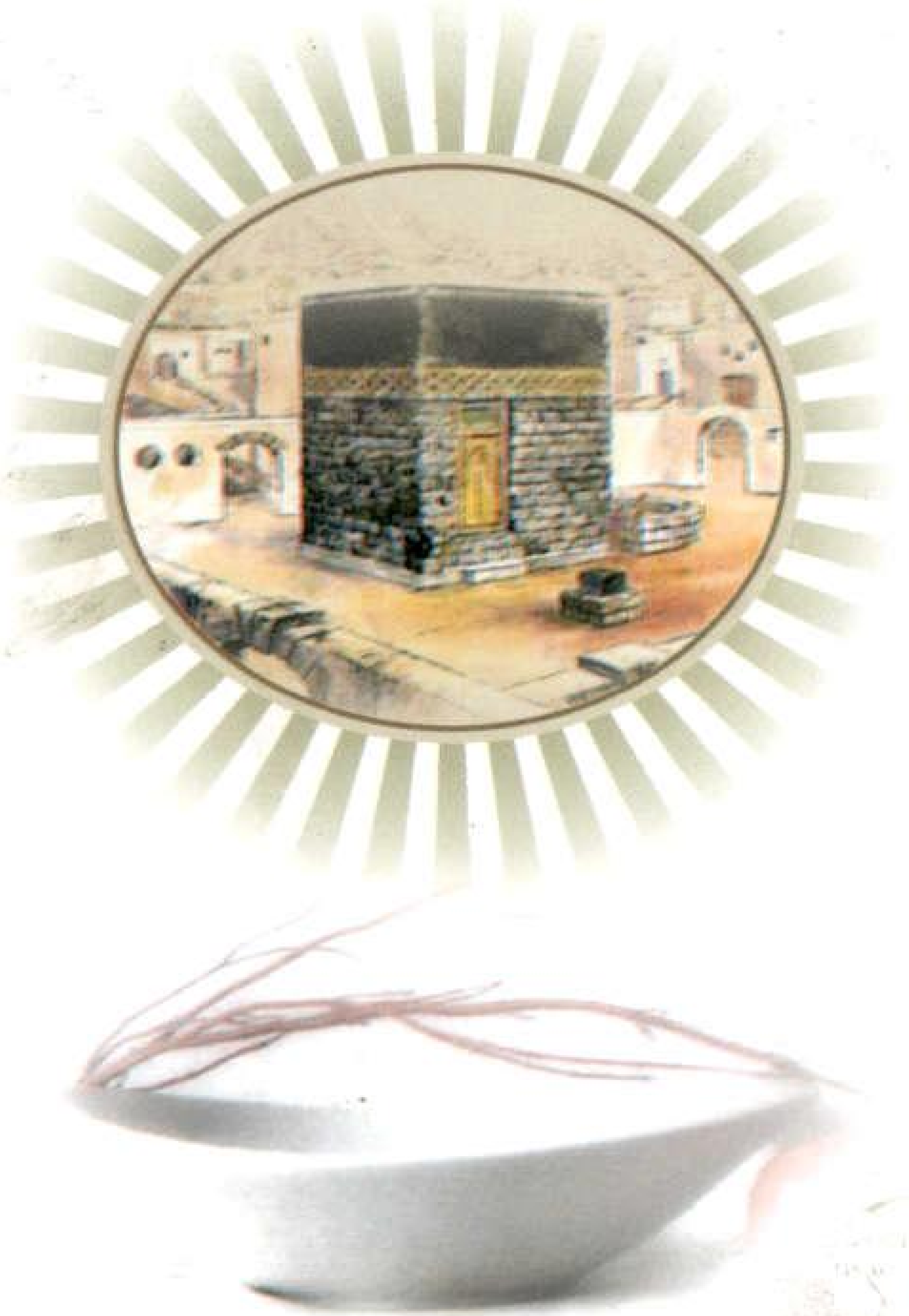

حافظ عصر

خواجہ عزیز الحسن مجذوب ؒ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشکولِ مجذوب

الله

کشکول مجذوب

۳ تا ۴

اللہ تعالیٰ کی عشق و محبت پیدا کرنے والا عارفانہ کلام

کشکولِ مجذوبؒ

مع اضافہ

اصلی گھر مع درس عبرت ⊙ پیغام بیداری ⊙ مسلم کی بیداری
مسٹر اور ملا کی نوک جھونک ⊙ نفیر غیب ⊙ مکاتیب مجذوب و جمیل
اسلامی سہرا ⊙ فغان بیوہ

حافظ عصر

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ

خلیفہ ارشد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

مرتب

حضرت مولانا ظہور الحسن کسولوی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 4540513-4519240
Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

کشکولِ مجذوبؒ

تاریخ اشاعت.................. ذی الحج ۱۴۳۰ھ
ناشر.......................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.....................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر
قیصر احمد خان
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان
ادارہ اسلامیات.........انارکلی........لاہور — دارالاشاعت.......اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور — ادارۃ الانور.........نیوٹاؤن..........کراچی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار .... لاہور — مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً امابعد. حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ ہردلعزیز حضرت خواجہ عزیزالحسن مجذوب رحمہ اللہ کے عارفانہ کلام کا دیوان بنام ''کشکول مجذوب'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس کا مطالعہ اہل معرفت کی حقیقی محبت ومعرفت کو دوچند کرتا ہے۔ آج نصف صدی گزرنے کے باوجود حضرت رحمہ اللہ کا یہ کلام برابر پڑھا اور سنا جارہا ہے۔ خطباء، مبلغین، صوفیائے کرام اور عوام الناس اپنی مجالس میں حضرت کے اشعار سنا کر سامعین کے دلوں میں محبت الٰہی اور فکر آخرت کی چنگاری بھڑکاتے ہیں۔ خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں۔ خاص طور پر اصلی گھر اور مراقبۂ موت بہت مقبول ہیں۔ اللہ پاک حضرت کے کلام کو ان کیلئے صدقات جاریہ بنائے اور باقیات الصالحات کے طور پر ان کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

ادارہ کی طرف سے مطبوعہ ''کشکول مجذوب'' کا یہ جدید ترین ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام کے عاشق اور خاص ترنم میں پڑھنے والوں میں حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ جنہیں خود خواجہ صاحب کی مجالست وصحبت کا موقع ملا۔ آپ پڑھے ہوئے مترنم اشعار پر خود خواجہ صاحب نے بھی تعریفی اشعار لکھے اس کتاب کے شروع میں حضرت کے تفصیلی دیباچہ خواجہ صاحب سے تعلق ومحبت کی واضح علامت ہے۔ اس کتاب کے سابقہ ایڈیشنوں میں کئی حضرات نے اشعار کی تصحیح کے سلسلہ میں معاونت فرمائی۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

زیرنظر جدید ایڈیشن کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کے ذوق شعری کا کثیر حصہ پانے والے آپ کے فرزندارجمند جناب محترم المقام فہیم الحسن تھانوی صاحب نے محنت بسیار سے ازاول تا آخر اس کی تصحیح فرمائی جس پر حلقہ مجذوب کے تمام افراد اور اراکین ادارہ ان کے بے حد مشکور ہیں اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں آمین

ادارہ کی حتی المقدور کوشش وتصحیح در تصحیح کے بعد بھی آپ اس میں کسی قسم کی اغلاط پائیں تو ادارہ کو مطلع فرما کر اس کار خیر میں شمولیت اختیار فرمائیں اللہ پاک حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے اس عارفانہ کلام سے ہم سب کو پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں آمین

وصلی اللہ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین

والسلام محمد اسحٰق عفی عنہ

حمد

ظاہر مطیع وباطن ذِکر مدام تیرا　　زِندہ رہوں الٰہی ہو کر تمام تیرا
بگڑے نظامِ دین کو میرے بھی ٹھیک کردے　　ہر دوسرا میں کیا کیا ہے انتظام تیرا
باطن میں میرے یارب بس جائے یاد تیری　　ہر دم رہے حضوری دل ہو مقام تیرا
مونس ہو میری جاں کی فکر مدام تیری　　ہمدم ہو میرے دل کا فکرِ دوام تیرا
دل کو لگی رہے دھن لیل ونہار تیری　　مذکور ہو زباں پر ہر صبح وشام تیرا
مورد رہے یہ ہر دم تیری تجلیوں کا　　ہوجائے قلب میرا بیت الحرام تیرا
سینہ میں ہو منقش یارب کتاب تیری　　جاری رہے زباں پر ہر دم کلام تیرا
ہے خوبی دو عالم اِک حسن خاتمہ پر　　کرنا سر اس مہم کا ادنیٰ ہے کام تیرا
رگ رگ میں مرتے دم ہو صدق یقیں کے باعث　　تیرے نبی کی وقعت اور احترام تیرا
اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں شامل　　جن پر عذاب ہوگا یا رب حرام تیرا
محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل　　تیرے نبی کے ہاتھوں کوثر کا جام تیرا

دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب تو ہی تو ہے
ہو پختہ کارِ وحدت مجذوب خام تیرا

حضرت سیدی و مرشدی مولانا الحاج محمد شریف صاحب نور اللہ مرقدہٗ
(خلیفہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)
نے حضرت مجدد تھانویؒ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں تعلیم کے لیے لکھا
حضرت خواجہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا۔

(عکسِ تحریر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

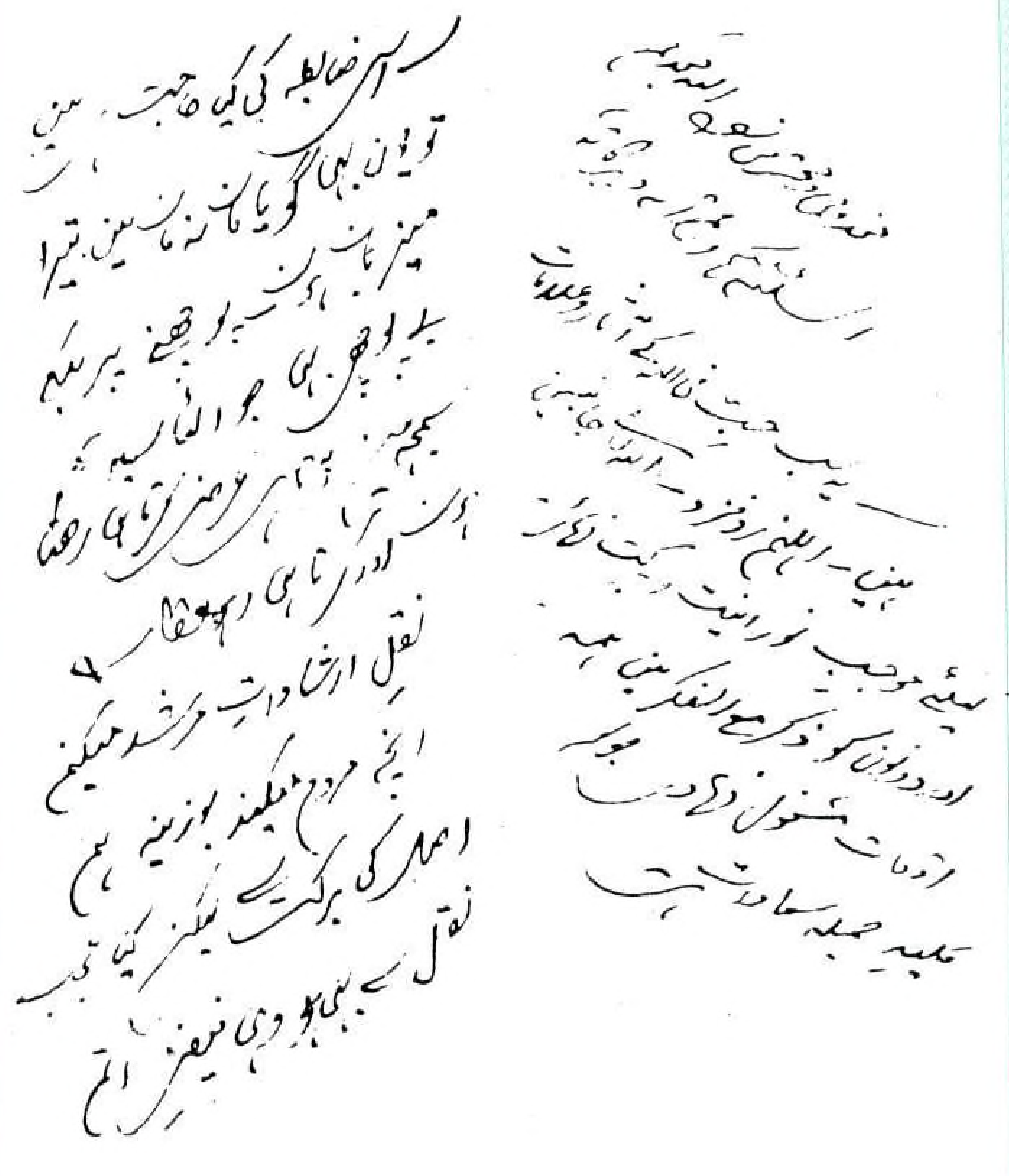

فہرست مضامین

حمد	۶
عکس تحریر حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ	۷
تفصیلی فہرست	۸
تعارف حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ.... مولانا نجم الحسن رحمہ اللہ کے قلم سے	۱۵
کلام مجذوب ملقب بہ پیامِ محبت	۳۷
کشکول مجذوب مکمل۔ از مولانا ظہور الحسن صاحب رحمہ اللہ	۳۸
پیش لفظ، از انعام الرحمٰن تھانوی رحمہ اللہ	۳۹
نذر عقیدت (نظم) ایضاً	۴۸
عرض حال یا دل کے آنسو، از مولانا شبیر علی صاحبؒ	۵۰
قطعہ تاریخ بروفات مجذوب از جناب محمد مصطفٰی خانصاحب مداح احمق پھپھوندی	۵۱
قطعہ تاریخ بروفات خواجہ صاحب از قاضی مکرم صاحبؒ	۵۲
قطعہ تاریخ بروفات مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	۵۳
مجذوب (مضمون) جناب شوکت تھانویؒ	۵۳
''قدر مجذوب'' مولوی نجم احسن صاحب پرتاب گڑھی	۵۴
ظاہر مطیع و باطن ذاکر مدام تیرا۔	۶۴
مجھ پہ لطف فراواں میں تو اس قابل نہ تھا...لئے جاؤں گا عمر بھر نام تیرا	۶۵
نزد رگ جاں حضور ہیں	۶۵
نہیں میرا کوئی حامی خداوند سوا تیرے	۶۶
نعت.....بس! اب تو ایک یہی میرا کام ہو جائے	۶۷
اتنا ہوا قریب کہ وہ دور ہو گیا	۶۸

کشکول مجذوب

ہو نعت بشر کیا کوئی شایان محمد	۶۹
اضطرار مدینہ۔ مبارک ہوائے بیقرار مدینہ	۷۳
بہار مدینہ۔ ہو طے جلد اے رہگذار مدینہ	۷۴
یادگار مدینہ، کہاں ہند میں وہ بہار مدینہ	۷۵
غزلیں (الف)	۷۷
اب ہائے کوئی تار گریباں نہیں رہا... فکر ایں و آں نے جب مجھ کو پریشان کر دیا	۷۸
نہ سمجھا عمر بھر کوئی کہ میں بھی تیرا بسمل تھا	۷۹
کسی سے سیکھ لے بلبل سراپا داستان رہنا... تیری بلا سے کچھ بھی ہو تو داد کھائے جا	۸۰
تین غزلیں کسی کا جور نہانی عیاں نہیں ہوتا	۸۲
وہ غفلت کیش جب پرسان حال دردمنداں تھا	۸۳
ہر چیز میں عکس رخ زیبا نظر آیا... رحم کھا کر وہ کبھی جلوہ دکھا بھی دے گا	۸۶
وہ راز ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا	۸۷
زلف کو رخ پہ ترے جھومتے اے جاں دیکھا	۸۸
راسخ تصور رخ دلدار ہو گیا	۸۹
جلا ہی دے گا طفل اشک دامان نظر اپنا	۹۰
ہمیں مہر سلیمانی ہے یہ داغ جگر اپنا... کچھ نہ پوچھو کیا ہوا کیونکر ہوا	۹۱
ہمیشہ ہوں میں مست ساغر نہ مینا.... وہ مست ناز آتا ہے ذرا ہوشیار ہو جانا	۹۲
جب تک اس پیک نفس میں دم رہا	۹۲
اِدھر دیکھ لینا اُدھر دیکھ لینا.... دو غزلیں۔ دل وارفتگاں بدلا سر دیوانگان بدلا	۹۳
جلوہ فرماں دیر تک دلبر رہا	۹۵
جو آنا ہے او آج کل کرنے والے.... ضبط الفت نے جو بسمل نہ سنبھالا ہوتا	۹۷
ہر طرف سر گھما کے دیکھ لیا.... (ت).... ۵ غزلیں۔ سنبھل کر ذرا تیز گام محبت	۹۷
(ر).... دو غزلیں۔ چمکنے لگا سر بسر نور ہو کر	۱۰۱

جب سے بیٹھا ہوں میں راضی بہ مشیت ہو کر	۱۰۲
عزیز آشنا سب سے بیزار ہو کر.....توبہ تو کر رہا ہوں میں توڑ کے جام وشیشہ	۱۰۳
(ز)..... پڑتی ہے وقت جور جبیں پر شکن ہنوز	۱۰۳
(ف).....قلب وجگر ہیں داغدار اک اسطرف اک اسطرف.....(ل)	۱۰۴
رہنے دو چپ مجھے نہ سنو ماجرائے دل	۱۰۴
تم جس کو دیکھ لو وہ نہ پہلو میں پائے دل	۱۰۵
سوئے جناں بھی آنکھ اٹھاتا ہے بار دل...آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل	۱۰۶
رات دن اک ہجوم طالبان درد دل	۱۰۶
(م) برسائیں گے جب خود دل وخون جگر ہم	۱۰۷
(ن).....تو ہی سوچ اے فکر عالی وصف قامت کیا کریں	۱۰۹
تین غزلیں۔بس اب ایک ہی آشنا چاہتا ہوں	۱۱۰
دو غزلیں ۔ بیان ادنیٰ سا فیض بیعت پیر مغاں کر دوں	۱۱۳
کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں	۱۱۳
عندلیب بوستان راز ہوں.....ہم نحیفوں سے گریز آپکو درکار نہیں	۱۱۵
طعنہ اقربا نہیں یا غم دلربا نہیں	۱۱۶
دو غزلیں.....نہ شوکت لے کے آیا ہوں نہ عظمت لے کے آیا ہوں	۱۱۸
دو غزلیں.....پہنچاؤں جہاں میں نے بدل دی ہیں فضائیں	۱۱۸
دو غزلیں محفل میں تیری سب کے ارماں نکل رہے ہیں	۱۱۹
خدا کا شکر ہے بیشک بڑی تقدیر رکھتے ہیں	۱۲۰
چار غزلیں۔گھٹا ہے برق ہے ساقی ہے مے ہے یار نہیں	۱۲۱
نہ سمجھو کہ بہر طوب گا رہے ہیں	۱۲۳
دل وصل میں بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں.....دو غزلیں	۱۲۴
سودا چمن کو ہے میرے گل کا بہار میں	۱۲۴

گردش میں تخیل کا اثر دیکھ رہے ہیں...نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں	۱۲۶
پانچ غزلیں...شبِ فرقت کی تاریکی کو ہم یوں دور کرتے ہیں	۱۲۷
جو ابتداء کبھی کہتی تھی انتہاء ہوں میں...اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں	۱۳۰
اشارے ہوئے ہیں نظارے ہوئے ہیں	۱۳۱
کسے دیکھ کر آج ہم آ رہے ہیں.....جو چپ بیٹھوں تو اک کوہ گراں معلوم ہوتا ہوں	۱۳۲
پس پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں	۱۳۳
یوں رکے گا اے فلک یہ نالہ پیہم نہیں...آ کے میرے سوگ میں ظالم نے گھنڈت ڈال دی	۱۳۴
(و).....تسکین دل ہے چارہ دردِ جگر ہے تو	۱۳۵
نہیں گو تابِ نظارہ مگر دل کی یہی ضد ہے.....اب آرزوئے دل ہے کہ آنکھوں کو بچھاؤں	۱۳۶
رشک کیوں گردِ چمن دیکھ کے دیوانہ ہو...چھپ کے خلوت میں تصور کی وہ آئے تو کہا	۱۳۶
یہ کیا ہے ترے ہوتے افسردہ ہے میخانہ	۱۳۷
پھرے بحر در بحر کب تک الٰہی.....ادا ہو مہربانی کا تری کیا مہرباں بدلہ	۱۳۸
(ی).....یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی	۱۳۸
کوئی دیکھے تو یہ راہِ طلب میں آرزو میری.....وہ نزع میں مجبوریاں مقدر کی	۱۳۹
ہوائیں آنے لگیں اب تو کوئے دلبر کی	۱۴۰
یاد بھی ہے وصل کی وہ بات فرمائی ہوئی.....تین غزلیں...کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی	۱۴۱
ملو تم یہ ہے مہربانی تمہاری......کیا جانے کس انداز سے ظالم نے نظر کی	۱۴۳
چار غزلیں...کب رات ہو کب ان سے ہوں.....خلوت میں پھر بہم	۱۵۰
(ے).....کسی کی یاد ہی میں زندگی اپنی گزرتی ہے	۱۵۰
شعروں میں ہم کو درسِ فنا و بقا دیئے	۱۵۱
گھر کیا ایسا تصور میں تری تصویر نے...تیرے قدموں سے چھڑانا حشر نے چاہا بہت	۱۵۲
دو غزلیں.....مجذوب کو لے آؤ محفل میں جولانا ہے	۱۵۳
عبث کہتا ہے چارہ گر.....یہاں تک تھا یہاں تک ہے	۱۵۴

نہ دل کا تذکرہ تم میرے روبرو کرتے	۱۵۵
بس ایک بجلی سی پہلے کوندی....پھر اس کے آگے خبر نہیں	۱۵۶
دل میں جو ہو کہ باغ و بہاراں سے کھیلئے	۱۵۸
بیٹھا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے ...زبان حال ملی عشق کے بیاں کے لئے	۱۵۹
کروں میں ہائے کب تک ضبط....اے ظالم ترے ڈر سے	۱۶۱
سکون دشمن تلاطم آشنا دل ہوتا جاتا ہے	۱۶۲
جو تیری یاد فرقت میں مری دمساز بن جائے...دو غزلیں	۱۶۳
اے خدا پیدا نہ کرتا آب اور گل سے مجھے	۱۶۴
آئے تھے کہنے حال دل بیٹھے ہیں لب سیئے ہوئے	۱۶۶
دو غزلیں....میرے در پہ تو عبث اے گردش ایام ہے	۱۶۶
قیامت خیز میرا نعرہ مستانہ ہوتا ہے	۱۶۸
حسن کے راز کو پوچھے کوئی حیرانوں سے	۱۷۰
بیکسی ہی سے حصول مدعا ہونے کو ہے	۱۷۱
آتا ہے مجھے حکم سزا اور بھی کچھ ہے	۱۷۲
تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے....جی اٹھے مردے تری آواز سے	۱۷۳
لڑکپن میں ہم عشق کا کھیل کھیلے	۱۷۳
ٹکڑے ٹکڑے ترے ہاتھوں سے مرا دل ہو جائے	۱۷۴
جذب دل سے آرزوئے دل عجب مشکل میں ہے	۱۷۵
کوئی محرم نہیں سب حال مرا راز میں ہے.... پابند محبت کبھی آزاد نہیں ہے	۱۷۸
نور دیکھا اس کا ہر سو پھر بھی وہ مستور ہے	۱۷۹
حجاب اوروں کو دنیائے دنی معلوم ہوتی ہے۔	۱۷۹
وہ جلوہ تو ہر سو عیاں ہو رہا ہے....تین غزلیں	۱۸۱
میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے	۱۸۲

جوہم ترک علائق کر کے کوئے یار میں آئے ...حضرت دل کر لیا اپنا نہیں	۱۸۴
نہ آپ جانب مست دیکھیں گے.....جہاں میں ہر سو ہے اس کا جلوہ	۱۸۵
کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے.....گم گشتہ حیرت بھی کوئی مجھ سا نہیں ہے	۱۸۵
جئے یہاں کیلئے یا مرے وہاں کیلئے	۱۸۵
اب کہوں کب تک دعا یہ کروہ کر میرے لئے	۱۸۷
شوخ رفتاری کا اپنی دیکھ تو مڑ کر اثر...ہم تو ہونے دیں نہ واقف راز سے	۱۸۷
جو آ جاؤ خلوت میں تم اکیلے	۱۸۸
(نظمیں)	۱۸۹
تضمین بر اشعار شفق عماد پوری....تمنائے مجذوب بہ لقائے محبوب	۱۹۰
مدحت شیخ.....نذر شیخ	۱۹۲
پنشن	۱۹۳
تنبیہ غافل از مجذوب عاقل	۱۹۴
سوال و جواب صوفی و مجذوب.....حیات بعد الممات محات مجذوب	۱۹۷
حیات مجذوب	۱۹۹
حقیقت نفس	۲۰۰
طریقہ اصلاح	۲۰۱
فریب خواب ہستی	۲۰۲
اشعار متعلقہ تکیہ	۲۰۳
قند پارسی (فارسی کلام)	۲۰۵
قطعات	۲۰۶
دعائے طالبین	۲۰۷
دعوۃ السالکین	۲۰۸
تمکین بعد التلوین سفر تھانہ بھون۔ واپسی از تھانہ بھون	۲۱۱

اشک ہائے عقیدت	۲۱۵
مرثیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۶
مرثیہ بروفات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ	۲۱۷
حقائق وبصائر	۲۲۳
قطعات، تعلیمات اشرفیہ منظوم.... قطعات	۲۲۴
نئی روشنی	۲۵۳
شکار کاٹھ	۲۵۴
برسات کی آمد	۲۵۵
تہذیب نو	۲۵۷
دلیرانہ نظم	۲۵۹
نعرہ جانباز	۲۶۱
وہ اشعار جو بعد وفات حضرت تھانویؒ	۲۶۲
حضرت مجذوبؒ کے اکثر ورد زبان رہے تاریخ تدوین کشکول، از مولانا جمیل احمد صاحب	۲۶۴
تاریخ طبع اول کشکول، از مولانا اسعد اللہ	۲۶۴
صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور.... قطعہ تاریخ طبع ثانی کلام مجذوب	۲۶۴
از ظہیر الاسلام ظہیر اسعدی کاتب	۲۶۴
دیوان ہذا، مولانا ''ظہور الحسن صاحب''	۲۶۴
اصلی گھر	۲۶۵
اسلامی نظم	۳۰۱
ترانہ مسلم	۳۰۳
مسٹر اور ملا کی نوک جھونک	۳۰۷
مسلم کی بیداری	۳۷۵
نفیر غیب	۳۸۷
مکاتیب مجذوب جمیل	۴۰۵
اسلامی سہرا	۴۱۶
فغان بیوہ	۴۲۵

دیباچہ

یہ دیباچہ ''ذکر مجذوب'' میں طبع ہوا تھا۔ اب حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی مدظلہٗ نے اس میں مزید اضافہ فرمایا ہے۔ چونکہ اس دیباچہ میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا کافی تعارف آ گیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو کشکول کے شروع میں لگا دیا جائے۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ کا تعارف

حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی مدظلہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد حمد وصلوٰۃ کے عرض ہے کہ یہ مختصر تذکرہ حضرت الحاج خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ خاص حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا مکرمی جناب پروفیسر احمد سعید صاحب کے اصرار پر معرض تحریر میں آ رہا ہے۔ زیادہ تر ذاتی تاثرات کا مجموعہ ہے کیونکہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگانہ شان کی معرفت تو انہی حضرات کو ہے جو خود اس مقام پر فائز اور دولت سے بہرہ ور ہیں۔ یہ تذکرہ تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

نقل ارشادات مرشد میکنم　　آنچہ مردم میکند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب　　نقل سے بھی ہو وہی فیض اَتم

کا مصداق ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ کی جو سوانح حیات (اور اصل دراصل کتاب تصوف وسلوک) تین جلدوں میں تحریر فرمائی ہے اس کی آخری جلد کے آخری حصہ میں انہوں نے اپنے ذاتی حالات قلم بند فرمائے ہیں۔ نیز اسی سوانح کے حصہ دوم میں حضرت شیخ قدس سرہ سے تعلق کا تذکرہ بہ تفصیل اپنے قلم مبارک سے فرمایا ہے۔

اسی عاجز نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس وقت سے دیکھا جب عمر کے ابتدائی دور میں تھا یعنی ۷۔۸ سال کی عمر میں تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں جو حضرات مستقل قیام پذیر تھے یا کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے ان کی صورتیں بچپن کے انہی ایام سے حافظہ میں نقش ہیں۔ ان میں شاید سرفہرست حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت مبارکہ ہے۔ قد لمبا، کشیدہ، رنگ بے حد صاف، گورا، ڈاڑھی بالکل سفید، گھنی اور سیدھی، جسم دبلا پتلا، چھریرا اور پھرتیلا، ناک نقشہ باریک، پرکشش

اور جاذب نظر لباس، وضع قطع اس طرح کہ کلیوں کا کرتہ، شرعی پاجامہ اور پانچ کلیا چکن یا ململ کی ٹوپی، طبیعت میں بے حد نفاست، نزاکت، صفائی اور سادگی، گرمی کے موسم میں عام طور پر اعلیٰ قسم کی چکن کے کرتے زیب تن فرماتے، نیچے آستین دار بنیان پہنتے اور کہنی سے اوپر تک بانہیں اس باریک کرتے سے مرمریں انداز میں جھلکتیں، سردی کے موسم میں انگرکھا یا شیروانی اور سر پر بظاہر جلدی میں بے توجہی سے باندھی ہوئی پگڑی مگر خداداد کشش اور حسن میں کمی کیا ہوتی کئی گنا زیادہ ہو جاتی تھی، چہرے پر اس قدر نورانیت اور شخصیت میں ایسی جاذبیت اور کشش تھی کہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بلا شبہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نازل ہوا ہے اور زمین پر بے تکلف چل پھر رہا ہے، مزاج مبارک نہایت شگفتہ، چہرہ ہنس مکھ، طبیعت میں ہمہ وقت تازگی، جولانی، چستی، آنکھوں میں چمک اور معصومیت، باتوں میں مٹھاس، زبان ٹکسالی اور شیریں، اختر شیرانی نے تو کسی موقع پر چاند کی مدح سرائی کی تھی کہ:

مہتاب ہے یا نور کی خوابیدہ پری ہے — الماس کی مورت ہے کہ مندر میں دھری ہے
مرمر کی صراحی مئے سیمیں سے بھری ہے — اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے سہارے

(مگر خواجہ صاحب ''خوابیدہ پری'' نہیں، بیدار فرشتہ۔ الماس کی مورت نہیں بلکہ الماس کا جیتا جاگتا مجسمہ اور مرمر کی وہ صراحی تھے جو'' مئے سیمیں'' سے نہیں بلکہ '' مئے عشق و محبت حقیقی'' سے لبریز تھی۔ بس یہ سمجھئے کہ ایک شمع تھی جس کے گرد پروانوں کا ہجوم رہتا تھا۔

ان کی شاعری عام شاعری نہ تھی۔ وہ عام شعراء سے ہٹ کر اپنی طرز کے، اپنے انداز کے، اپنی قسم کے، اپنی شان کے نرالے اور بے مثال شاعر تھے۔ ان جیسا شاعر نہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد۔

چنانچہ جس نے بھی ایک مرتبہ ان کی زبان سے ان کا کلام سن لیا وہ نہ صرف ان کے کلام کا عاشق اور گرویدہ ہو گیا بلکہ ان کی ذات سے بھی اس کو گہری وابستگی اور عقیدت ہو گئی۔ بڑے بڑے شعراء، سخن شناس اور اہل ذوق حضرات ان کے حلقۂ محبین میں تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ پاک و ہند کا کوئی بین الملکی (آل انڈیا) مشاعرہ نامکمل اور ادھورا سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت نہ ہوتی اور اپنا کلام پیش نہ کرتے۔

ہر شخص اپنے مذاق اور مزاج کے مطابق ان کے کلام سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتا تھا۔ عارفین ان کے کلام کو نظر معرفت سے دیکھتے اور معرفت کی بلندیوں پر پائے کے شعراء اور اصحاب ذوق ان کے کلام میں فن شعر کی باریکیوں اور نزاکتوں کو دیکھ کر سر دھنتے اور اہل ذوق ان کے کلام میں حسن ذوق کی چاشنی پا کر لطف اندوز ہوتے۔

چنانچہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کامل اپنے وقت کے مجدد اور حکیم الامت اور اپنے زمانے کے رئیس العارفین، رئیس الاتقیاء حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ بھی ان کے کلام عارفانہ سے محظوظ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ

''خواجہ صاحب کا کلام حال ہی حال ہے، قال کا نام نہیں کیونکہ قال میں یہ اثر ہونا ناممکن ہے۔''

ایک دفعہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب! آپ کا ایک شعر مجھے اتنا پسند ہے کہ میرے پاس اگر ایک لاکھ روپیہ ہوتا (جو بلا مبالغہ آج کے ایک کروڑ روپے کے برابر تھا) تو میں آپ کو اس شعر کے انعام کے طور پر دے دیتا۔ جب یہ شعر میری زبان پر آتا ہے تو میں اس کو کم سے کم تین دفعہ تو ضرور پڑھتا ہوں۔

کیوں نہ ہو؟ وہ تو اعلیٰ درجے کے صاحب حال، صاحب ذوق اور خود اعلیٰ درجے کا شاعرانہ مذاق رکھتے تھے۔ اس لیے اس شعر کا ان پر جو اثر ہوتا ہوگا ہم بے ذوق اس کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔

شعر یہ ہے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی   اب تو آجا اب تو خَلوت ہوگئی

غور فرمائیے کہ اس شعر کا صحیح لطف وہی شخص اُٹھا سکتا ہے جس نے خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ساری دنیا کو چھوڑ دیا ہو اور محبوب حقیقی کی طلب میں سب کچھ نگاہوں سے گرادیا ہو۔ جیسا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب   تب کہیں جا کے تیرے دل میں جگہ پائی ہے

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

دے چکا ہوں دونوں عالم مے کشو   یہ گراں مے تم سے کیا لی جائے گی

غرض! حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شہادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ حضرت خواجہ صاحب کے کلام کے لیے بڑی سند ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پسندیدہ شعر کے ہم مضمون کئی شعر دیگر شعراء کے اس وقت ذہن میں آرہے ہیں لیکن ان سے ایک شعر جو اُردو کے بلند پایہ شاعر جناب جگر مرادآبادی کا ہے پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا:

آجاؤ کہ اب خلوت غم خلوت غم ہے   اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے

غرض یہ کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ایک طرف عارفانہ شان لیے ہوئے ہے تو دوسری طرف ادبیت و شعریت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ روانی اور بے ساختگی کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء کے مجمع میں ہمیشہ وہ مرکز بنے رہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود دوسرے ہم عصر اور قدیم شعراء کے اچھے کلام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑی ستائش کے ساتھ نقل فرماتے۔

ایک مرتبہ تھانہ بھون میں ہمارے گھر کے مردانے میں تشریف رکھتے تھے، کرسی پر پاؤں دراز کیے، ہاتھ میں تسبیح لیے کچھ گنگنا رہے تھے، فرمانے لگے کہ شوکت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر مجھے بہت ہی پسند ہے:

ہر انسان فرض انسانی سے غافل ہوتا جاتا ہے   زمانہ آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

اشعار ترنم سے پڑھتے تھے، آواز میں بلا کا سوز، غضب کی تاثیر اور بے پناہ کشش تھی، اپنا کلام سنانے کا انداز بھی ایسا نرالا، بے ساختہ اور جاذب تھا کہ جو اپنی نظیر آپ ہے، گھنٹوں مسلسل کلام سناتے رہتے اور

سامعین سے داد لیتے رہتے اور جوش میں آکر مزید سناتے رہتے' نہ تھکتے تھے نہ آواز میں تغیر پیدا ہوتا نہ ہمت میں کمی ہوتی نہ محفل کی دلچسپی میں۔ خود سامعین دیوانہ وار اسی طرح گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ عام طور پر یہ مجالس اس وقت ختم ہوتیں جب نماز کا یا کھانے کا وقت آجاتا۔ شعر کوئی دفعہ اپنے خاص انداز میں ترنم کے ساتھ دُہرایا اور فرمایا کہ میں نے بھی اس ردیف وقافیہ میں غزل کہی ہے۔ چند اشعار سنائے:

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے
بہ مقدار جنوں مجذوب عاقل ہوتا جاتا ہے کہ ہوش اپنا تو زائل' ان کا حاصل ہوتا جاتا ہے
قدم مجذوب کے ہٹتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں رفیق اِک اِک جدا منزل بہ منزل ہوتا جاتا ہے

ایک مرتبہ اپنا یہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے اور محظوظ ہو ہو کر بار بار دُہرا رہے تھے:

زیست کیا ہے ابتدائے درد دل موت کیا ہے انتہائے درد دل

ماموں شبیر علی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے' بولے کہ غالب نے بھی اس مضمون کو ادا کیا ہے۔ استفسار فرمایا کہ کیسے؟ ماموں صاحب نے شعر پڑھا:

قید حیات و بند و غم اصل میں ......الخ

سن کر پھڑک اُٹھے' تڑپ گئے اور بولے کہ غضب کر دیا' واقعی استاد استاد ہی ہے' میرا شعر پھیکا پڑ گیا۔ اسی طرح کوئی شخص ترنم سے اگر شعر پڑھتا تو اس کو بھی بہت پسند فرماتے اور بڑے ذوق و شوق سے سنتے رہتے۔ وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی۔ چنانچہ میرے ایک بہنوئی جناب کاظم صاحب فاروقی تھانوی جو شعر وسخن کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں انہوں نے ایک مرتبہ خواجہ صاحب کے اشعار اپنے انداز میں ترنم سے پڑھ کر سنائے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے حد محظوظ ہوئے اور بار بار فرمائش کرتے رہے اور دیر تک ان سے اپنا کلام سنتے رہے۔ میرے یہ بہنوئی انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور سگریٹ کے بھی عادی ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ ان کے سامنے سگریٹ پینے کے لیے احتراماً اجازت چاہی اور معذرت کے انداز میں فرمایا کہ صاحب مجھے اس کی عادت ہے اس لیے مجبور ہوں ورنہ آپ کے سامنے گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے اجازت دے دی اور فرمایا کہ بس آپ پئیں مگر ہمیں نہ دیں اور یہ شعر فرمایا:

نہ لوں گا میں سگریٹ' وہ دیں جتنا چاہیں کہ میں کھینچتا ہوں دھواں دھار آہیں

اسی سلسلے کی ایک طویل کڑی یہ بھی ہے اور دراصل اس تحریر کا محرک یہی کڑی ہے کیونکہ دیگر حالات اور اشعار تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدون بھی ہیں اور نیز متعدد حضرات کی زبان پر جاری وساری بھی۔ مگر ان کی زندگی کا یہ گوشہ جس کا تعلق اس عاجز کے خاندان سے ہے صرف اس خاندان کے چند لوگوں کے گوشہ یاد میں محفوظ ہے۔ اس میں سے بھی کئی حضرات اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اگر کچھ عرصہ مزید گزر گیا تو شاید اس داستان کا سنانے والا بھی کوئی نہ رہے۔

اس لیے جی چاہتا ہے کہ یہ واقعات ذرا تفصیل سے قلم بند کردیئے جائیں تا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات خصوصاً اور اہل ذوق حضرات عموماً اس سے محظوظ ہوں کہ:

نوشتہ بماندسیہ بر سفید نویسندہ را نیست فردا اُمید

اور

یکون الخط فی القرطاس دھرا وکاتبہ رمیم فی التراب

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی سوانح مرتب کرنے کی لگن میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ملازمت سے تین سال کی رخصت لی اور مستقل تھانہ بھون میں قیام فرمایا۔ یہ تین سال کا عرصہ خصوصیت سے ایسا ہے کہ اس عاجز کو ہر طرح سے ان کا قرب و تعلق رہا اور ان کی شفقتوں اور توجہات سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ اس وقت احقر کی عمر ۱۳۔۱۴ سال کے لگ بھگ تھی جس ماحول میں زندگی گزری وہ اس قدر محتاط تھا کہ اس عمر میں مجھے زندگی کی ضروریات تک کا علم نہ تھا اس لیے قدرتی طور پر طبیعت میں بے حد شرم' حجاب' جھجک اور عجز و انکسار تھا (جس کو آج کل کی اصطلاح میں احساس کمتری کہیئے) اسی زمانہ میں میرے سب سے بڑے بھائی جناب حافظ سید شمس الحسن صاحب تھانوی مدت فیوضہم کی شادی خانہ آبادی حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی مرحومہ کے ساتھ ہونا قرار پائی۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہم ماموں صاحبؒ موصوف کی ہی زیر تربیت رہے اور ایک ہی جگہ اس طرح کہ گھر اگرچہ الگ الگ تھے مگر عملاً متحد ہی تھے۔ یعنی ایک مردانہ حصہ درمیان میں تھا اور اس کے دونوں طرف دو زنانے مکان تھے۔ ایک میں ہم رہتے تھے اور ایک میں ماموں صاحب۔ مردانہ مکان مشترک تھا اور دونوں گھروں سے اس میں راستہ تھا۔ یہ شادی ماہ نومبر ۱۹۳۵ء شعبان ۱۳۵۴ھ میں ہوئی۔ والدہ صاحبہ مدظلہا نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ شمس الحسن سلمہ کی شادی ہو رہی ہے اس کے لیے سہرا لکھ دیجئے۔ خواجہ صاحبؒ نے اس پر خاص توجہ نہ فرمائی اور جواب میں کہلا دیا کہ میں سوانح کی ترتیب میں اس قدر مصروف ہوں کہ اس کام کا وقت نکالنا بہت مشکل ہے' وقت گزرتا گیا۔ جب شادی کی تاریخیں قریب آ گئیں تو والدہ صاحبہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان کی اہلیہ سے کہہ آئیں کہ شادی کے موقع پر سہرا نہ ملا تو آپ سے لڑائی ہو جائے گی۔ چنانچہ شادی سے کچھ روز یعنی تقریباً دو چار روز قبل حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف توجہ فرمائی اور شادی کے دن ایک بڑے گتے پر خوش خط کاتب سے لکھوا کر ''اسلامی سہرا'' پیش کیا۔

مجھے یاد ہے کہ صبح ہی صبح لے کر تشریف لائے اور مردانے میں دری پر بیٹھ کر چند حضرات کی موجودگی میں پورا سہرا خود پڑھ کر سنایا۔ اسی انداز میں اور اسی ترنم میں جوان کا طرۂ امتیاز تھا اور جو ابھی تک کانوں میں اسی طرح گونج رہا ہے کہ جیسے سامنے بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ ہر ہر شعر پر سامعین جھوم

اُٹھتے اور بار بار پڑھا جاتا۔ یہ سہرا ادب اور شعریت کے لحاظ سے اس قدر بلند ہے کہ اس کے لیے درمیان میں ایک واقعے کا نقل کرنا مناسب ہوگا جو میں نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی سے اس وقت سنا جب یہ محفل سونی ہو چکی تھی یعنی بھائی صاحب مدظلہ کی اہلیہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا' یعنی ہمارا گھر اور وطن دونوں ویران ہو چکے تھے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کا وصال بھی ہو چکا تھا اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری دفعہ تھانہ بھون تشریف لائے ہوئے تھے اور احقر ان کے ساتھ ساتھ رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک روز دوپہر کے کھانے پر ذکر فرمایا کہ للت پور میں آل انڈیا مشاعرہ تھا' میں بھی مدعو تھا مگر میں نے انکار لکھ بھیجا۔ اس طرف سے اصرار ہوتا رہا' مگر میں نے انکار ہی کیا۔ اتفاق یہ کہ عین مشاعرے کے دن مجھے کسی کام سے للت پور جانا پڑا۔ مشاعرہ رات کے وقت تھا اور پشاور سے لے کر کلکتہ اور ممبئی تک کے چوٹی کے شعراء مدعو تھے۔ اس لیے دل چاہے کہ مشاعرہ میں جا کر شعراء کا کلام سنوں چنانچہ پہنچ گیا۔ دیکھا کہ بہت بڑا پنڈال ہے جو حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ سٹیج پر بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں' بڑے بڑے نامور شعراء اپنے کلام کے جوہر دکھانے کو حاضر ہیں' میں بھی مجمع میں چھپ کر پیچھے بیٹھ گیا۔ مشاعرہ شروع ہوا' صدارت کسی بہت بڑے ہندو شاعر کی تھی۔ میں شعراء کا کلام سنتا رہا اور محظوظ ہوتا رہا۔ مجھے کسی نے پہچان لیا اور سٹیج پر چٹ بھیج دی کہ مجمع میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب موجود ہیں۔ کوئی صاحب غزل پڑھ رہے تھے کہ یکایک ان کو روک کر صدر مشاعرہ نے اعلان کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ خواجہ صاحب اس مجمع میں تشریف رکھتے ہیں لہٰذا ان سے درخواست ہے کہ وہ سٹیج پر تشریف لے آئیں۔ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ یہ سن کر مجھے بہت پریشانی ہوئی اور میں حیران تھا کہ اب کیا کروں؟ کیونکہ بہت عام حالت میں تھا' کپڑے بھی میلے اور مشاعرے کی شرکت کی تیاری بھی کچھ نہیں۔ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ آواز آئی صاحب تشریف لے آئیے کیونکہ مشاعرے کی کارروائی اس وقت تک شروع ہی نہ ہوگی جب تک آپ سٹیج پر تشریف نہ لائیں گے۔ اگر دیر فرمائیں گے تو پھر ہم خود آپ کو تلاش کرلیں گے۔ فرماتے تھے کہ چاروناچار مجھے جانا پڑا' جیسے ہی اُٹھا سارے مجمع میں تالیاں اور نعرے گونجنے لگے' سٹیج پر پہنچا' سب کھڑے ہوگئے اور بہت خوش ہوئے جو صاحب غزل پڑھ رہے تھے اب انہوں نے اپنی غزل پوری کی اور اس کے بعد مجھ سے غزل کی فرمائش ہوئی۔ میں نے کہا طرحی مشاعرہ ہے اور میں نے اس پر کوئی غزل نہیں کہی' اس لیے مجھے معاف رکھا جائے' مگر میرا کوئی عذر نہ سنا گیا اور باتفاق یہ مطالبہ ہوا کہ آپ تمام پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں' اپنی کوئی بھی غزل سنا دیجئے۔ غرض میں نے اپنی ایک مرصع غزل سنائی۔ ہر ہر شعر پر بے حد داد ملی اور بار بار پڑھوایا گیا۔ شعراء نے تو اپنے کو پیٹ لیا اور کہا کہ خواجہ صاحبؒ! یہی الفاظ اور تراکیب ہم باندھتے ہیں تو شعر آسمان

سے اونچا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غزل کے چند شعر نقل کرنے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے جو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنے ہوئے حافظے میں رہ گئے ہیں۔

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں — تیرے بغیر زندگی موت ہے' زندگی نہیں
میکشو! یہ تو میکشی رندی ہے میکشی نہیں — آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں
بیٹھا ہوں میں جھکائے سر نیچی کئے ہوئے نظر — بزم میں سب سہی مگر' وہ جو نہیں کوئی نہیں
شیشہ ہے جام ہے نہ خم' اصل تو رونقیں ہیں گم — لاکھ سجا رہے ہو تم' بزم ابھی سجی نہیں
دل ہے اُمید و بیم میں' کشمکش عظیم میں — بیٹھے ہوئے حریم میں' ہاں ہے کبھی' کبھی نہیں
ٹھہرے گا دل تھمیں گے اشک' آہ مگر ابھی نہیں — غم ہے یہ دل لگی نہیں' رونا ہے یہ ہنسی نہیں

بہر حال مشاعرہ ختم ہوا اور اب رات کے ڈیڑھ دو بجے تھے کہ سب شعراء مل بیٹھے۔ لکھنؤ کے ایک بہت بڑے شاعر (جن کا نام خواجہ صاحب نے لیا تھا لیکن میں بھول گیا) اور پورے ہندوستان میں سہرا کہنے میں استاد مانے جاتے ہیں اور کوئی ان سے مقابلے میں سہرا نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے خواجہ صاحب سے کچھ حریفانہ چشمک کے انداز میں خود اعتمادی کے ناز کے ساتھ کہا کہ ''سنا ہے کہ خواجہ صاحبؒ! آپ نے سہرا لکھا ہے'' خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صاحب! میں کیا سہرا لکھ سکتا ہوں۔ بس یہ سمجھئے کہ تک بندی کی ہے' بولے کہ سنایئے۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ اس فن کے متفقہ استاد ہیں' آپ کے سامنے اپنا سہرا سنانا دعوے کی صورت ہے اور مجھے دعوے ہے نہیں اس لیے بے ادبی سے معاف کیا جاؤں تو عین نوازش ہو مگر وہ نہیں مانے اور سب نے اصرار کیا اس لیے سنانا پڑا۔ خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ وہ صاحب جو اس فن کے استاد ہیں' ہر ہر شعر پر تڑپ گئے اور ایک ایک شعر کو چار چار پانچ پانچ دفعہ اور بعض کو دس دس دفعہ سنا۔ شعر سن سن کر اُچھل پڑتے تھے اور اپنے آپ کو پیٹ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ غضب کر دیا' کہاں سے لائے یہ تشبیہیں اور کیسے ترتیب دیا' ان مضامین کو۔ بقیہ رات اسی میں گزر گئی اور سہرا مکمل نہ ہوا۔

اس نرالے سہرے کے چند اشعار نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ ذہن میں ہے کہ نوشہ کا نام ''شمس'' یعنی آفتاب ہے اور وہ عالم دین' حافظ' قاری' وضع قطع میں متشرع اور جوان صالح ہے' پھولوں کا سہرا بنا کر باندھنا خلاف شرع ہے۔ اس لیے ایک عالم باعمل سہرا کیسے باندھ سکتا ہے۔ لہٰذا شاعر کا تخیل یہ ہے کہ چونکہ فضل و ہنر اور علم کی دولت سے مالا مال ہے اس لیے سہروں سے بڑھ کر ہے۔ اب اسی تخیل کو ذہن میں رکھئے کہ نوشہ کے سر پر رسمی اور غیر شرعی سہرا نہیں ہے مگر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے حقیقی اور معنوی سہرے باندھے ہیں کہ جس سے ظاہری سہرے کی نہ کوئی ضرورت رہتی ہے نہ حقیقت۔

تجھے ہرگز نہیں درکار اے شمس الحسن سہرا — تجھے ہے خود ترا فضل و ہنر اور علم و فن سہرا
کوئی سہرا نہیں پھر بھی ڈھکا بیٹھا ہے سہروں سے — کہ شمس حسن تو ہے' تیری ہے ہر ہر کرن سہرا
ہر ایک جانب سے ایک بارش تار نظر تجھ پر — تیرے سر باندھتی ہے انجمن کی انجمن سہرا
تجھے حاجت ہی کیا ان عارضی پھولوں کے سہرے کی — کہ تو وہ گلبدن ہے جس کا ہے سارا بدن سہرا

فضیلت کا عمامہ تجھ سے کرتا ہے یہ سرگوشی — کہ میں ہوں تاج سر، میں ہوں ترا اے جانِ من سہرا
کلام اللہ جب پڑھتا ہے منہ سے پھول جھڑتے ہیں — خوش الحانی کا تیرے سر ہے اے شیریں دہن سہرا
سمایا جاتا ہے دل میں، کھبا جاتا ہے نظروں میں — یہ لطف آتا کہاں، رُخ پر جو ہوتا جانِ من سہرا
دکھاتی ہے غضب کا بانکپن یہ سادگی تیری — بھلا کوئی دکھا سکتا ہے ایسا بانکپن سہرا
برت سکتا ہے رسم کفر کیوں کر مولوی ہو کر — میرا نوشاہ کیوں باندھے ترا اے برہمن سہرا
یہ وہ سہرا نہیں جو بعد شادی کے اُتر جائے — رہے گا پاس یہ تا عمر، مثل جان و تن سہرا
وہ یوم کامرانی ہے کہ ہوتا آج اگر تو بھی — بجائے تیشہ تیرے سر پر ہوتا کوہکن سہرا
خوشی ہے ہر کہ ومہ کہ خوش ہو ہو کے گاتے ہیں — ادھر تو بلبل و قمری، ادھر زاغ و زغن سہرا

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سہرے میں اپنے شیخ کا (جو اس صدی کے مجدد بھی تھے) ذکر فرمایا ہے اور ان کی اس شان کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

صدی بھی چودھویں اور چودھویں کا چاند ہے تو بھی — ادھر اس صدی کا ہے شہ تھانہ بھون سہرا
بفیض مولوی معنوی تھانوی میں نے — بحمداللہ کہا ہے، در خور تھانہ بھون سہرا
ابھی تک سب سے تھے ممتاز سہرے ذوق وغالب کے — مگر آج ان پہ بھی مجذوب کا ہے خندہ زن سہرا

غرض یہ کہ ذکر ہو رہا تھا کہ عین شادی کے روز خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہرا لکھ کر دے گئے۔ راقم کو چونکہ انہی کے انداز میں پڑھنے کی خوب مشق تھی اس لیے یہ سہرا گھر میں اور اس کے بعد جگہ جگہ مجھ ہی سے سنا جاتا۔ چند روز بعد رفتہ رفتہ اس امر کی اطلاع حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہوگئی کہ یہ لڑکا سہرا انہی طرز و انداز میں پڑھتا ہے۔ چنانچہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سننے کی خواہش ظاہر فرمائی مگر حجاب شرم اور ندامت کی وجہ سے کسی طرح ان کے سامنے زبان ہی نہ کھلتی تھی۔ آخر کئی روز کے بار بار اصرار و تکرار سے زبان کھلی اور با دل نخواستہ دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتے ڈرتے سہرا سنانا شروع کیا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بے حد قدردانی فرمائی اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد تقریباً روزانہ بلکہ دن میں کئی کئی بار یہ مشغلہ رہا کرتا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر پر تشریف لے آتے اور بڑے بھائی صاحبان اور یہ عاجز سب مردانے میں بیٹھ جاتے اور سہرا پڑھا اور سنا جاتا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جستہ جستہ پڑھتے رہتے اور مجھ سے بھی سنتے رہتے، کہیں کہیں طرزِ ادا اور لب و لہجے میں اصلاح بھی فرماتے۔ ۴۰،۵۰ شعر تھے سہرے کے۔ اگرچہ روزانہ یا ہر مجلس میں تو سب کے سب نہ پڑھے جاتے مگر بہرحال اس کی وجہ سے محفل شعر و سخن خوب گرم رہتی اور اس تقریب سے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا کلام سناتے رہتے۔ سہرا سنانے پر ایک شعر بھی فرمایا:

کچھ اس انداز سے گاتا ہے نجم الحسن سہرا — کہ سننے لگتا ہے سن کے مرا ہر موئے بن سہرا

ایک روز فرمانے لگے کہ آپ صرف سہرا ہی سنا سکتے ہیں یا دوسرے بحر کے اشعار بھی پڑھ لیتے ہیں؟ بھائی صاحب نے بتایا کہ یہ آپ کی ہر غزل کو آپ کے طرز سے پڑھ سکتا ہے اس پر تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس کے بعد سے ہر مجلس میں سہرے کے ساتھ اپنے اشعار بھی ذوق وشوق سے سنتے رہتے اور سارا وقت اسی میں ختم ہو

جاتا۔ ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے رہتے۔ سبحان اللہ: صاحب حال، صاحب ذوق، صاحب دل سبھی کچھ تھے۔
ایک روز ظہیر علی مرحوم (میرے ماموں زاد بھائی) نے ایک غزل سنانے کی خواہش ظاہر کی کہ:

جی اُٹھے مردے تری آواز سے

اس فرمائش پر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا تعجب ہوا کہ اس غزل کا ان کو کیسے علم ہوا؟ مگر ہمارے تو سارے گھرانے کو ان کے اشعار نوک زبان تھے اور سب ہی ان کے کلام کے دلدادہ تھے۔ سہرا لکھنے کے بعد خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مبارکبادی بھی لکھی جس میں نوشہ کو خطاب فرمایا:

اے نوشہ تجھے شادی مبارک ہو مبارک ہو — یہ قید غم سے آزادی مبارک ہو مبارک ہو
دُلہن لاتی ہے کتنا ساز و سامان شکر کر نوشہ — ترے گھر آئی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو
وہ ڈولے سے جب اُتری گھر کا گھر سب جگمگا اُٹھا — تری تقدیر چمکا دی مبارک ہو مبارک ہو
جو ماموں، خسر بھی، مشفق بھی، محسن بھی — تجھے ایسے کی دامادی مبارک ہو مبارک ہو

اس مبارک بادی کے بعد غالباً اٹھارہ شعر تھے جس میں زیادہ تر دُلہن کو سراہا ہے۔ کچھ روز بعد فرمایا کہ صاحب کہیں خدانخواستہ دُلہن کے دل میں عجب پیدا نہ ہو جائے اس لیے دُلہن کو مخاطب کر کے فرمایا:

شکر کر تو بھی تری قسمت بھی جاگ اُٹھی — کہ سید سے ہوئی شادی مبارک ہو مبارک ہو
بڑی عزت تو یہ پائی کہ عالم کے گھر آئی — جو ہوگا خلق کا ہادی مبارک ہو مبارک ہو
نسب دونوں کا ہے عالی وہ سید ہے تو فاروقی — وہ شہزادہ ہے تو شہزادی مبارک ہو مبارک ہو
غم کا نہیں عادی طبیعت اس کی ہے سادی — رہے گی خوب آزادی مبارک ہو مبارک ہو
تجھی کو مل گیا شوہر حلیم ایسا سلیم ایسا — سبھی ہیں ورنہ فریادی مبارک ہو مبارک ہو
تصور میں بھی جو تیرے نہ آتی تھی وہ خالق نے — تیرے پہلو میں بٹھلا دی مبارک ہو مبارک ہو
ہوا بھی جس حیا والی کی پانا غیر ممکن تھا — وہ حق نے گھر میں پہنچا دی مبارک ہو مبارک ہو
غم دوری نے ڈورے پیچ میں ڈالے بہت لیکن — بالآخر ہوگئی شادی مبارک ہو مبارک ہو
بہت درپے رہا پیر فلک لیکن بعون اللہ — چلی اس کی نہ اُستادی مبارک، ہو مبارک ہو
خدا کی یہ بھی رحمت ہے کہ اک مجذوب کے منہ سے — دُعا دونوں کو دلوا دی مبارک ہو مبارک ہو

کچھ روز تک اس مبارک بادی کا خوب چرچا رہا۔ سہرا لکھا گیا تھا والدہ کی فرمائش پر۔ اس لیے والدہ صاحبہ نے شادی کے کچھ روز بعد ایک سینی میں امرتیاں لگا کر خواجہ صاحبؒ کے گھر بھیج دیں۔ دوسرے روز خواجہ صاحبؒ ایک کاغذ پر یہ قطعہ تحریر فرما کر دے گئے:

سینی بھری جو گھر میرے بھیجیں امرتیاں — اتنی خوشی ہوئی کہ کروں اس کا کیا بیاں
میرے حقیر سہرے کی یہ قدر دانیاں — کہتا ہوا پھرتا ہوں گھر گھر یہاں وہاں
مجھ کو صلے میں سونے کے کنگن عطا ہوئے — اور ایک دو نہیں کئی درجن عطا ہوئے

ایک روز صبح صبح تشریف لائے۔ نماز فجر کے بعد کا وقت تھا اور ہم سب بھائی سیر کو نکلے ہوئے تھے۔ اس لیے انتظار میں باہر تشریف فرما رہے۔ سخت سردی کا موسم تھا، رضائی اوڑھے کرسی پر سہرا

گنگناتے رہے۔ ماموں شبیر علی صاحب کے مکان سے نوکرانی کسی کام سے باہر آئی تو دیکھا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں اور اشعار گنگنا رہے ہیں۔ اندر جا کر بتایا تو ممانی صاحبہ نے ایک سینی میں ناشتہ لگا کر ان کے لیے بھیجا۔ خواجہ صاحب نے ناشتہ کیا ہم لوگوں کو لوٹنے میں دیر ہوئی اس لیے ناشتہ کر کے نا اُمید ہو کر واپس تشریف لے گئے اور دس بجے کے قریب دوبارہ تشریف لائے۔ ہم سب حاضر ہوئے اور حسب معمول محفل شعر وسخن شروع ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کاغذ پر دو شعر لکھے ہوئے عنایت فرمائے کہ یہ مولوی شبیر علی صاحب کے گھر بھجوایئے:

دُلہن کے دَر پہ سہرا میں نے اس انداز سے گایا　　　کہ فوراً گھر سے مجھ کو پُرتکلف ناشتہ آیا
مزے لے لے کھاتا ہوں' دُعائیں دیتا جاتا ہوں　　　خدا کا شکر ہے' محنت کا ثمرہ میں نے بھر پایا

سردی کا موسم تو تھا ہی' ایک روز رات کو ہم سب جمع تھے۔ سہرا سنایا جا رہا تھا' چائے نوشی ہو رہی تھی کہ ممانی صاحبہ موصوفہ نے دہکتی ہوئی انگیٹھی ہاتھ سینکنے کے لیے بھیج دی تا کہ سردی میں کمی ہو۔ خواجہ صاحبؒ بہت محظوظ ہوئے اور بڑی قدر فرمائی اور یہ شعر کہے:

انگیٹھی تم نے انگاروں بھری کیوں ہائے بھجوادی　　　دہکتی آگ سینے کے مرے اُف اور بھڑکا دی
کیا تھا کم بڑی مشکل سے جوش اشعار پڑھنے کا　　　میں ٹھنڈا پڑ گیا تھا پھر طبیعت مری گرما دی

اگلے روز تشریف لائے تو انگیٹھی کے یہ شعر کئی بار سنے اور فرمایا کہ صاحب انگیٹھی کے شعر بہت اچھے ہو گئے۔

ایک روز چائے پیش کی اس کی پیالیاں بہت پسند فرمائیں اور برابر تعریف بھی فرماتے رہے اور اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے بھی رہے۔ اگلے روز ان پیالیوں کے حسن پر بھی شعر فرمائے:

پیالی چائے کی اُف اُف ہیں یہ کیسی حسیں دیکھو　　　حسیں ہیں اور پھر اس پر ہیں کیسی نازنیں دیکھو
بہت مجذوب کی ہیں جاذبِ حسن وجمال آنکھیں　　　نہ رکھ لے جائے آنکھوں ہی میں یہ انکو کہیں دیکھو

ایک روز چائے پر علاوہ متفرق چیزوں کے میاں ظہیر علی مرحوم (میرے ماموں زاد بھائی) نے ایک پلیٹ میں مصنوعی پھل جو مٹی کے بنے ہوتے ہیں اور رنگ و روغن اس طرح کیا جاتا ہے کہ بالکل اصلی ہی معلوم ہوتے ہیں' بھی لا رکھے۔ رات کا وقت ہونے کے باوجود خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا اور دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے۔ ایک ایک چیز کو بار بار اُٹھا کر دیکھتے اور تعریف فرماتے۔ اگلے روز اس پر بھی دو شعر فرمائے:

ذرا چشم حقیقت بیں سے تو دیکھو ظہیر ان کو　　　جو تم لائے ہو' سیب' اخروٹ اور بادام مصنوعی
نہ سمجھو ان کو یہ سبق آموز عبرت ہیں　　　اسی صورت سے اس دنیا کا ہے ہر کام مصنوعی

ظہیر علی مرحوم نے ہوائی بندوق سے خواجہ صاحبؒ کے سامنے ایک فاختہ پر نشانہ باندھا اور نشانہ بالکل صحیح لگا۔ فاختہ گری اور ذبح کر لی گئی۔ اس پر بھی ایک شعر فرمایا:

ظہیر ایسا شکاری ہے کہ دم میں فاختہ ماری　　　بڑی پھرتی سے ماری اور بہت بے ساختہ ماری

ظہیر علی مرحوم کے چھوٹے بھائی مشیر علی سلمہ جو اس وقت ڈیڑھ دو سال کی عمر کے غیر معمولی صحت مند اور فربہ تھے۔ اکثر کسی کی گود میں آتے اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے کھیلتے۔ ان پر بھی ایک شعر فرمایا کہ:

ترے گال کیا ہیں ڈبل روٹیاں ہیں — نہیں کوئی ہڈی فقط بوٹیاں ہیں

میرے بڑے بہنوئی محمد کاظم صاحب فاروقی (جن کا ذکر پہلے بھی آیا ہے) کی بڑی بچی' اس وقت چار پانچ سال کی تھی' طبیعت کی بہت ہی سنجیدہ اور شرمیلی' کبھی کبھی باہر آ جاتی تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو گود میں بٹھا لیتے اور بہت محبت اور شفقت فرماتے اور ایک روز فرمایا کہ یہ ہماری بیٹی ہے۔ ماشاء اللہ بہت ہی سنجیدہ اور بہت خوبیوں کی بچی ہے۔ پوچھا اس کا نام کیا ہے۔ بھائی صاحب نے بتایا کہ ''نجمہ خورشید نگین'' سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ یہ نام شعر میں لانا کٹھن ہے مگر دوسرے روز یہ دو شعر لکھ کر لائے:

بیٹی ہے مری نجمہ خورشید نگیں ایسی — دیکھی نہ حسیں ایسی' دیکھی نہ متیں ایسی
اس شان کی لڑکی کو تو اسکی ضرورت ہے — نکلے نہ کبھی باہر' ہو پردہ نشیں ایسی

اس بچی نے ایک روز پان کی تھالی لا کر پیش کی۔ پان کے بیڑے بنے ہوئے تھے اور چاندی کے ورق میں لپٹے ہوئے۔ بچی کے ہاتھوں میں مہندی بھی لگی ہوئی تھی' لا کر شرماتے شرماتے ہوئے اس نے پیش کیے۔ خواجہ صاحبؒ نے پان کی تھالی لے کر رکھ لی اور اس کو گود میں بٹھا لیا اور شفقت سے باتیں کرتے رہے۔ پھر پان تناول فرمایا اور بہت ہی قدر کے ساتھ اس کی تعریف فرماتے رہے۔ بعد میں اس پر بھی دو شعر ہوئے:

یہ چاندی کا ورق لپٹا ہوا مجھ کو جو پان آیا — تو گویا پاس بڈھے کے بن ٹھن کے جوان آیا
دیا دستِ حنائی سے جو نجمہ نے تو میں سمجھا — کہ مجھ کو نقرئی پان اور زریں پان دان آیا

بھائی شمس الحسن صاحب مدظلہ نے ایک روز خواجہ صاحبؒ کی دعوت کی اور کئی قسم کے پر تکلف کھانے پکوائے۔ کھانے کے بعد مجلس شعر و سخن دیر تک رہی۔ اس دعوت کے بعد یہ شعر فرمائے:

خبر کیا تھی مجھے نوشہ! کہ اِک سہرے کے لکھنے سے — میرے پیچھے ہی پڑ جائے گا سارا خاندان ایسا
کرو گے خون کیا مجذوب کا تم لوگ مل جل کر — کہ لائے خوان ایسا' پان ایسا' پان دان ایسا

اسی طرح یہ وقت ''ہر روز' روزِ عید اور ہر شب' شب برأت'' کی طرح گزرتا رہا۔ تقریباً ہر روز کا معمول بنا ہوا ہے کہ گھر پر یا پھر اس طرح کہ بعد عصر سیر کے لیے قصبے سے باہر نکل کر اور راستے میں بھی اور وہاں پہنچ کر بھی کسی جگہ بیٹھ کر محفل شعر و سخن گرم رہتی جس میں زیادہ تر ایسا ہوتا کہ خواجہ صاحبؒ مجھ سے اپنا کلام سنتے اور محظوظ ہوتے۔

ایک روز اسی طرح ہم سب باہر نکلے اور ایک جگہ پہنچ کر ایک پانی کے کھال پر جو پل بنا ہوا تھا اس کی دو طرفہ منڈیروں پر آمنے سامنے سب بیٹھ گئے۔ اتفاق سے میرے سامنے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سامنے میں تھا۔ اس زمانے میں خواجہ صاحب کی ایک غزل بہت پڑھی اور سنی جا رہی تھی۔ یہ وہی غزل تھی جس کی فرمائش ابتداء ظہیر علی مرحوم نے کی تھی۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے اسی کی فرمائش کی اور احقر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

تو ہے مطرب میں ترا ساز ہوں　　　　تو زبان ہے میں تری آواز ہوں

یہ شعر بہت پسند کیا گیا اور بار بار پہلے یہی سنا گیا۔غزل جس کی فرمائش کی گئی تھی چند شعر یاد ہیں:

جی اُٹھے مردے تری آواز سے　　　　پھر ذرا مطرب اسی انداز سے
اہل محفل فرش محفل ہوگئے　　　　بزم میں آئے وہ کس انداز سے
اِک نظر میں آشیاں گم کردہ کو　　　　بھانپ لیں ہم ہیئت پرواز سے
آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا　　　　ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے
آشنا اچھا ہے یا نا آشنا　　　　پوچھئے یہ آشنائے راز سے

اس غزل میں ایک شعر مزاحیہ فرمایا:

میں ہوں لانبے قد کا وہ ہیں پستہ قد　　　　جوڑ سارس کا ملا ہے تاز سے

یہ وقت اپنی پوری رعنائی اور پر کشش رونقوں کے ساتھ سراپا بہار کی طرح گزرتا چلا گیا اور پورے ڈیڑھ سال بعد ظہیر علی مرحوم صرف تین چار روز بستر علالت پر رہ کر ہم سب کو داغ مفارقت دے گیا اور اس کے ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد اس کی بہن بھی چند روز بیمار رہ کر داغِ مفارقت دے گئیں۔ دونوں گھروں میں ان دونوں جواں سال اموات سے جو کچھ گزری اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے کجا یہ کہ اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا جاسکے۔ سارے ہی قصبہ میں ایک سناٹا سا چھا گیا اور ساری فضا سوگوار ہوگئی۔ آنسوؤں کا نہ تھمنے والا سیلاب اور غم کا نہ رُکنے والا طوفان تھا اور ہم تھے۔ چاند اور ستارے بھی بے نور نظر آتے تھے اور بڑے پر کشش، پُر بہار اور پُر رونق مناظر بھی خزاں کا اور ویرانے کا منظر پیش کرتے تھے:

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے　　　　چاند تاروں میں روشنی کم ہے

اور

دل گلستان تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار　　　　یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہوگیا

اور

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اُداس ہیں　　　　تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس عظیم پریشانی اور مصیبت کے وقت بحمد اللہ ایمان کی دولت کی قدر ہوئی کہ یہی ڈھارس بنا رہا اور خالق حقیقی سے رشتہ قائم رہا جس کی وجہ سے ان مصیبتوں کے ساتھ ساتھ دل میں ایک خاموش سکون' اطمینان اور تسلی موجود تھی۔ اس حادثے کی وجہ سے زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ چنانچہ مجالس شعر و سخن کی جگہ مجالس تعزیت اور مجالس حزن و ملال رہ گئیں اور گزشتہ رونقیں اور مجلسیں ختم ہوگئیں۔ اس کے بعد قریب دنوں ہی میں خواجہ صاحبؒ اپنی تین سال کی رخصت گزار کر واپس تشریف لے گئے' دونوں بڑے بھائی صاحبان تعلیم کی تکمیل کرہی چکے تھے' اس لیے روزگار کے سلسلہ میں وطن سے باہر چلے گئے۔ چند سال بعد مجھے بھی بعد تکمیل باہر جانا پڑا اور اس طرح ہم تینوں بھائی لاہور پہنچ گئے۔ وہاں سے ایک دفعہ ایک سلسلہ میں بڑے بھائی صاحب نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا جس

کا چند روز کے بعد جواب آیا۔ آخر میں تحریر تھا کہ ''آپ لوگ کہاں چلے گئے؟ بہر حال ہر کجا باش با خدا باش'' اس کے بعد دعا و سلام کے بعد ختم فرمایا اور نام کی جگہ یہ شعر تحریر فرمایا:

وہی آپ کا ہوں غلام محبت　　　　کہ مجذوب ہے جس کا نام محبت

مجھے لاہور آئے ہوئے ایک ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا تھا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات ہوگئی۔ اس کی خبر ہم لوگوں کو لاہور ہی میں ملی اور ہم تینوں فوری طور پر تھانہ بھون روانہ ہوگئے' وہاں پہنچے تو خزاں کا عالم تھا' چمن اُجڑ چکا تھا اور ہر طرف اُداسی اور ویرانی نے ڈیرے جمار کھے تھے' ہر شخص غمزدہ' اُداس' دلگیر اور بجھا ہوا تھا اور ساری فضا غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں تھے جواب ریٹائر ہو چکے تھے اور حضرت قدس سرہ کی طویل علالت کی وجہ سے عرصہ سے وہیں قیام فرما تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ کئی سال بعد ملے اور اس حال میں کہ دل وجگر غم سے لبریز اور روح رنج والم سے مضمحل۔ بس ہر وقت اسی آفتاب ہدایت اور مرکز خلائق کی باتیں تھیں اور انہی کا تذکرہ تھا۔ اب شعر وشاعری کا موضوع بھی یہی تھا۔ ایک روز کھانے پر فرمایا کہ:

کہاں یہ خوش رنگ تیلیاں اور کہاں وہ بدرنگ خشک تنکے　　مگر قفس پھر اُف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے
فنا اسے کر سکے بھلا یہ اجل کی بھی دسترس کہاں ہے　　وہ غیر منفک جو ایک ربطِ خفی میرے ان کے درمیاں ہے

اور اسی قسم کے اشعار سناتے رہے۔ اس زمانے میں ان کی حالت چند سال کی حالت سے بالکل مختلف تھی۔ بس ایک بے چینی اور بے قراری سی پائی جاتی تھی' ہر وقت یہی ذکر رہا کرتا تھا۔ حضرت اقدس کی ذات والا صفات' خانقاہ اور ان بزرگوں کے واقعات وتذکرے جو خانقاہ سے وابستہ ہیں۔ حضرت قدس سرہ جس جگہ خانقاہ میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے وہ ایک سہ دری تھی' اس سہ دری چشمہ فیض کے وہ سوتے جاری تھے جنہوں نے چار دانگ عالم کو سیراب کیا۔ خواجہ صاحبؒ اس سہ دری کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس سہ دری اشرف فردوسِ مکاں میں　　　جب آئے زیارت کو تو با چشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستان خدا سے　　　خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

دراصل یہ شعر انہوں نے اپنی ایک پرانی غزل میں نئے اضافہ فرمائے۔ فرماتے تھے کہ جب میں نے اپنا مکان بنوایا تو ایک کمرہ خاص اپنے لیے رکھا ہے اور اس کا نام ''کاشانہ مجذوب'' رکھا ہے۔ اس کمرہ پر یہ قطعہ لکھوا کر لگاؤں گا:

کاشانہ مجذوب ہے منزل گہ مستاں　　　جو کوئی یہاں آئے سمجھ سوچ کر آئے
فرزانہ جسے بننا ہو جائے وہ کہیں اور　　　دیوانہ جسے بننا ہو بس وہ اِدھر آئے
سو بار بگڑنا جسے منظور ہو اپنا　　　وہ آئے یہاں اور بچشم دلبر آئے

اور فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے ایک مرید کی والدہ نے شکایت کی کہ آپ نے میرے لڑکے کو بگاڑ دیا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھئی! ہم تو بگاڑتے ہیں جس کو سو دفعہ بگڑنا منظور ہو وہ ہمارے پاس آئے اور جس کو سنورنا ہو وہ کہیں اور چلا جائے۔

ایک روز بڑے سوز و گداز سے یہ شعر پڑھے:

ڈھونڈتا ہے دل وہی کہ بہ آفریں ماحول پھر — وہ بہاریں ہیں کہاں جو آہ کے خانے میں تھیں
مستیاں ہر سو برستی تھیں دَر و دیوار سے — اور وہاں کیفیتیں سوخم کی پیانے میں تھیں

ایک روز صبح ناشتے کے بعد حاضر ہوا اور ایک قطعہ سنایا:

محوِ یادِ یار ہیں اوقات آج کل — ڈوبے ہوئے ہیں کیف میں دن رات آج کل
فیضِ یقیں سے قلب ہے محوِ مشاہدہ — وسواس ان دنوں ہیں نہ شبہات آج کل

کیف لے لے کر دیر تک اسی قطعے کو سناتے رہے اور پھر اسی سلسلہ میں اور قطعات سنائے:

مجذوب کو کہاں تھا یہ احساسِ زندگی — کچھ ہوش میں ہے کیا ترا دیوانہ آج کل
وحشت ہے گھر سے انس ہے صحرا سے ان دنوں — یکساں نہیں ہیں خانہ و ویرانہ آج کل

....

ساری فضائے دہر ہے مستانہ آج کل — دورِ فلک ہے گردشِ مے خانہ آج کل
ہر شے میں کیف ہے، جو طبیعت میں کیف ہے — سارا جہاں نظر میں ہے مے خانہ آج کل

....

فطرت ہے مست روح مستانہ آج کل — شیشہ ہے قلب، دیدہ ہے پیمانہ آج کل
درراںِ خوں میں کیف ہے دورِ شراب کا — مجذوب اپنا آپ ہے میخانہ آج کل

....

مسجد بھی ہے نگاہ میں مے خانہ آج کل — تسبیح بھی ہے گردشِ پیمانہ آج کل
اللہ رے جوشِ مستی مجذوب ان دنوں — دیوانہ ہو رہا ہے یہ مستانہ آج کل

....

انوار سے دل ہے پری خانہ آج کل — صد شمع دَر بغل ہے یہ پروانہ آج کل
جاذبِ ہزار حسن ہو اُٹھتی نہیں نظر — مجذوب ہر حسیں سے ہے بیگانہ آج کل

....

یہ قطعات دراصل خواجہ صاحب کے اپنے حال اور کیف کی ترجمانی تھے۔ وہ عرفان و مشاہدہ کے جس مقام پر تھے، یہ اسی کی ترجمانی تھی۔ اسی سلسلے کی کڑی کے چند اور قطعات یاد آتے ہیں:

تم سا کوئی ہمدم کوئی دم ساز نہیں ہے — ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے — معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

....

اب اور کچھ ہے میرے دن رات کا عالم — ہر وقت ہے اب ان سے مناجات کا عالم
اب دل میں شب و روز جو ہے ان کا تصور — فرقت میں بھی رہتا ہے ملاقات کا عالم

....

جلا کر دہ دہست دلدادہ ہوں میں مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
سنوارا ہے کس درجہ بگڑے ہوئے کو سیہ دل تھا یا اب پُرانوار ہوں میں

....

انہی قطعات کے سلسلے میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ قطعات بھی تحریر فرمائے جو اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور اصلاحِ نفس کے آسان طریقے ان میں درج ہیں۔ یہ قطعات بڑے ہی مؤثر، دلنشیں اور دل میں گھر کرنے والے ہیں۔ چند قطعے تحریر کرنا لابدی ہے تاکہ نمونہ از خروارے کا مصداق ہو۔

تجھ کو چلنا طریقِ عشق میں دشوار ہے تو ہی ہمت ہار ہے ہاں تو ہی ہمت ہار ہے
تو جو راہرو ہر قدم پر کھا رہا ہے ٹھوکریں لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

....

راہبر تو بس دکھا دیتا ہے راہ راہ چلنا راہرو کا کام ہے
تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر یہ ترا رہ رو خیال خام ہے

....

سوچ ماضی کو نہ مستقبل کو ٹھیک رکھ بس تو اپنے حال کو
کیا ہوا، کیا ہوگا اس غم میں نہ پڑ پاس لا اپنے نہ اس جنجال کو

....

رہِ عشق میں ہے تگ و دو ضروری کہ یوں تا بمنزل رسائی نہ ہوگی
پہنچنے میں گو ہوگی حد درجہ کلفت تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہوگی؟

....

مترس از بلائے کہ شب درمیان ست یہ کہہ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے
ارے کوچ گو صبح ہونے پہ ہوگا مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے

....

کسب دنیا تو کر، ہوس کم رکھ اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے پھر دھواں یہ چراغ اِک ذرا اس کی لو کو مدھم رکھ

....

طبیعت کی رو زور پر ہے تو رُک وگرنہ یہ حد سے گزر جائے گی
ہٹالے خیال اس سے کچھ دیر کو چڑھی ہے یہ ندی اُتر جائے گی

....

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے شاعر، عارف، صوفی، بزرگ اور خدا رسیدہ ہونے کے علاوہ بے حد متواضع، منکسر المزاج، حلیم الطبع، ہنس مکھ، خوش مزاج اور بے تکلف فطرت کے مالک تھے جس نے ایک دفعہ ان کی مجلس میں حاضری دی وہ عمر بھر کے لیے ان کا گرویدہ ہوگیا۔ ان کے دوستوں میں سے کسی نے ان کی بعض باتوں پر گرفت کی اور ان باتوں کو ان کی شان کیخلاف قرار دیا۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات ان چیزوں سے بلند و بالا تھی کہ وہ تصنع اور تکلف سے بظاہر پروقار اور پُر رعب رہیں۔ اس لیے ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ:

یہ قرب مبارک ہو تجھے صوفی صافی — مجذوب کو اِک دور کی نسبت بھی ہے کافی
اس رند کے حق میں یہ دعا کردے خدارا! — توفیق ندامت سے ہو غفلت کی تلافی
بخشے تجھے اللہ بلندی مراتب — مجھ کو ہو عطا میرے گناہوں کی معافی

ایک روز اپنی غزل سنا رہے تھے اس میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا:

غزل کے چند شعر یاد ہیں:

پس پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں — کوئی محفل ہو اس کو ہم تری محفل سمجھتے ہیں
سمجھتا ہے غلط لیلیٰ کو لیلےٰ قیس دیوانہ — نظر والے تو لیلیٰ ہی کو اک محمل سمجھتے ہیں
سمجھتا ہے گنہ رندی کو تو اے زاہد خود بیں — اور ایسے زہد کو ہم کفر میں شامل سمجھتے ہیں

حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کے بعد قیام تھانہ بھون کے زمانے میں دہلی میں آل انڈیا مشاعرہ ہوا۔ اس کے ناظم آزاد صاحب نے جو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بے تکلف دوست اور بلند پایہ شاعر تھے، مشاعرہ میں شرکت کے لیے دعوت نامہ بھیجا اور خصوصی خط تحریر کیا کہ ضرور آئیے۔ خواجہ صاحبؒ نے عذر لکھ بھیجا کہ اب طبیعت میں ان مجالس کی طرف نہ رغبت ہے اور نہ ہمت ہے وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے پھر اصرار کا خط لکھا کہ یہ مشاعرہ عام مشاعروں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس میں خصوصیت کے ساتھ صرف وہی شعراء حصہ لیں گے جن کا ذوق اور بلندی مسلمہ ہے۔ اس لیے آپ کی شرکت کے بغیر یہ نامکمل رہے گا اور آپ کو جن وجوہ سے کچھ ہچکچاہٹ اور تامل ہے وہ امور نہیں ہوں گے اس لیے آپ ضرور تشریف لائیے۔ خواجہ صاحب نے جواب میں یہ قطعہ لکھ بھیجا:

چھوڑ مینا و جام کی باتیں — اب ہوں پیری میں کام کی باتیں
دن کی باتوں کا اب یہ وقت نہیں — شام ہے اب ہوں شام کی باتیں

آزاد صاحب بھی شاعر تھے۔ انہوں نے جواب میں پھر اصرار کا ایک لمبا چوڑا خط لکھا اور اسی زمین میں ایک طویل نظم تحریر کی جس کی ایک جھلک یہ ہے:

کیوں ہوں مینا و جام کی باتیں — کیجئے آ کے کام کی باتیں
آئیے لوگ سننا چاہتے ہیں — ایک شیریں کلام کی باتیں
آپ بزم عوام میں آ کر — کیجئے اپنے مقام کی باتیں

مگر بہر حال خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے اس مشاعرے میں تشریف نہیں لے جا سکے۔

خواجہ صاحبؒ اپنا کلام سناتے اور سنتے رہے اور خواہش ظاہر فرمائی کہ میں اب واپس وطن جانے والا ہوں۔ اگر آپ (یعنی راقم) میرے ساتھ چلیں اور دو چار چھ مہینے میرے پاس رہیں تو میں اپنا دیوان آپ سے مرتب کرا کے آپ کو دے دوں، ورنہ یہ کام ہو نہیں سکے گا لیکن مجھے انہی

دنوں لاہور پہنچنا تھا اس لیے یہ کام نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ دیوان مرتب ہو جائے تو اس کا نام اس طرح رکھا جائے گا کہ پہلی سطر میں ''کلام مجذوب'' لکھا جائے پھر اس کے نیچے ''ملقب بہ'' خفی قلم سے لکھا جائے اور جلی قلم سے ''پیام محبت'' اور سب سے اوپر یہ شعر لکھا جائے:

کلام مجذوب والہانہ ہمیشہ دُہرائے گا زمانہ
کسی حسیں کا نہیں فسانہ یہ ایک عاشق کی داستان ہے

اور نیچے یہ شعر ہوگا:

جو مجذوب کا ہے کلام محبت
وہ دنیا کو ہے اِک پیام محبت

ایک روز شعر و سخن کی مجلس خاصی طویل ہوگئی اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ خواجہ صاحبؒ کے ساتھ بیٹھ کر پورے اہل مجلس کو وقت کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ اس روز بھی ایسا ہوا تو فرمایا کہ:

بڑے اُکتاؤ نہ تم مجذوب کی
پھر یہ سن پاؤ گے افسانہ کہاں
کر رہا فاش رازِ حسن و عشق
پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں

یہ قطعہ بار بار پڑھتے اور سنتے رہے اور پھر فرمایا:

یہ تپش یہ تفتہ جانی پھر کہاں
سن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں
پھر کہاں مجذوب کی یہ شورشیں
یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

ایک روز احقر کے ساتھ میرے ایک قریب عزیز جو عالم و فاضل ہیں۔ دوسرے حضرات کے ساتھ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے طرز میں ترنم سے پڑھ رہے تھے۔ احقر بھی اسی طرز میں پڑھنے کی کوشش کرتا کہ ان صاحب نے اپنے انداز سے بلا کے سوز و ترنم سے پڑھا جس کو سن کر سب بے حد محظوظ ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ تو والہانہ سن رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے ان سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کی مگر وہ صاحب کئی روز خواجہ صاحبؒ سے مصر تھے کہ آپ دہلی میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ خواجہ صاحبؒ انکار فرما رہے تھے۔ اب جب دوبارہ پڑھنے کی فرمائش ہوئی تو ان صاحب نے کہا کہ میں اس شرط پر پڑھوں گا کہ آپ دہلی چلنے کا وعدہ فرمائیں۔

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ وعدہ تو جب تک چلنے کا قصد نہ ہوگا نہ کروں گا۔ خواجہ صاحب کے بار بار اور بہت اصرار پر بھی انہوں نے نہ سنایا۔ آخر کار مجبور ہو کر پھر احقر سے فرمائش کی کہ اچھا صاحب! آپ ہی سنائیے۔ چنانچہ احقر نے سنایا مگر اس دفعہ ان صاحب کی طرز میں سنانے کی کوشش کی۔ اللہ اللہ! سن کر خواجہ صاحبؒ نے اس قدر قدر دانی فرمائی کہ احقر بھی حیران رہ گیا' پھر تو بار بار احقر سے سنتے رہے اور دیر تک محفل جمی رہی۔

یہ وقت بھی گزر گیا' احقر لاہور اور خواجہ صاحبؒ اپنے وطن چلے گئے۔ چند ماہ بعد پھر تھانہ بھون جانا ہوا تو دیکھا کہ خواجہ صاحب بھی خانقاہ میں تشریف فرما ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی' فرمانے لگے کہ اب جب سے پنشن ہوئی ہے بڑا آرام ہے:

جو پنشن ہوگئی ہے اب تو واہ کیا بات ہے اپنی   سحر اپنی ہے شام اپنی ہے دن اپنا ہے رات اپنی

معلوم ہوا ہے کہ خواجہ صاحبؒ عنقریب خانقاہ سے ایک سفر شروع فرمائیں گے جس کا مقصد اپنے پیر بھائیوں سے ملنا اور ملاقات کرنا ہوگا۔ احقر کا قیام چند روز تھا اس لیے کوشش یہی کرتا کہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزاروں۔ بالآخر وہ دن بھی آ پہنچا کہ جس روز مجھے ظہر کی نماز کے بعد گاڑی سے روانہ ہو جانا تھا۔ اس لیے میں نے خیال کیا کہ نماز کے بعد خدا جانے ملنا ہو سکے یا نہ ہو سکے اس لیے ناشتہ کر کے تقریباً آٹھ بجے صبح خانقاہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آج جانا ہے۔ رخصت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ دیگر حضرات بھی تشریف فرما تھے، مجھے اپنے بہت ہی نزدیک بٹھالیا اور اپنے اشعار، قطعات اور غزلیں سنتے رہے اور سناتے رہے۔ تقریباً گیارہ بجے اسی قطعے کو سننے کی فرمائش کی جس کا ذکر ابھی گزرا، احقر نے تعمیل کی، پھر فرمائش کی، پھر تعمیل کی، کبھی خود پڑھتے، کبھی مجھ سے پڑھواتے، قطعہ ان کے حسب حال تھے، اس لیے سن کر اور پڑھ کر کسی طرح ان کا جی نہ بھرتا تھا۔ فرمانے لگے کہ صاحب! اب تو دل چاہتا ہے کہ در و دیوار سے اللہ اللہ نکلے۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب یہ محفل برخاست ہوئی۔ جب میں اُٹھ کر آنے لگا تو چند نصیحتیں بڑے دل سوز انداز میں فرمائیں اور رخصت کیا۔ قطعہ جو زیادہ سنا گیا وہ یہ ہے:

مجھے دوست چھوڑ دیں سب، کوئی مہرباں نہ پوچھے   مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی   مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے، مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

اور احقر کی ان سے یہ آخری ملاقات تھی۔ احقر لاہور آ گیا اور وہ ایک آدھ روز کے بعد اپنے مجوزہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے امرتسر حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور چند روز قیام کے بعد بیمار ہوئے اور بیماری کی شدت کے باعث وطن واپس تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ، خواجہ صاحبؒ کا ذکر ہمیشہ اس انداز سے فرماتے کہ ان کو اپنا مقتدا سمجھتے ہوں۔ ان کے اشعار اپنے وعظ میں بڑے جوش و خروش سے نقل فرماتے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ جب امرتسر تشریف لائے اور بیمار پڑ گئے تو عبید اللہ عیادت کے لیے حاضر ہوا تو فرمایا کہ دیکھو لوگ میری طرف کیسے کھنچے آتے ہیں اور کتنا احترام کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ شبہ ہے کہ میں دیندار ہوں حالانکہ میں نے دینداروں کا محض بھیس بنا رکھا ہے۔ سو اگر اس میں حقیقت ہو اور واقع میں انسان دیندار بن جائے تو پھر اس کی کچھ ایسی قدر ہو۔ آخرت تو درست ہو ہی گی مگر دنیا میں بھی عزت و احترام دین ہی کے صدقے ملتا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ میں تھانہ بھون خانقاہ کے جس حجرے میں مقیم تھا اس کے دروازے پر ایک روز خواجہ صاحبؒ آئے اور چوکھٹ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے، باتیں کرنے لگے، میں نے کہا کہ خواجہ صاحبؒ! یہ شعر تو آپ نے جیسے میرے ہی لیے کہا ہے:

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال　　　بدعمل ، بدنفس، بدخو، بدخصال

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شعر تو میں نے اپنے ہی لیے کہا ہے اگر کوئی اپنے اوپر چپکائے تو چپکا تا پھرے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے مواعظ میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے جو اشعار پڑھا کرتے تھے ان میں زیادہ تر ''مراقبہ موت'' کے اشعار تھے۔ مثلاً:

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم　　　چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
سانس ہے اک راہرو ملک عدم　　　دفعتہً اِک روز یہ جائے گا تھم

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دارِ دنیا کی سجاوٹ پر نہ جا　　　نیکیوں سے اپنا اصلی گھر سجا
پھر وہاں بس چین کی بنسی بجا　　　اِنَّـهُ قَـدْ فَازَ فَوْزًا مَّنْ نَّجَا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخرت موت

بہر غفلت یہ تری ہستی نہیں　　　دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گزر دنیا ہے یہ بستی نہیں　　　جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخرت موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دنیا پہ تو پروانہ وار　　　گو تجھے جلنا پڑے انجام کار
اس پہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں ہشیار　　　کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

ایک دن مرنا ہے آخرموت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حیف دنیا کا تو ہو پروانہ تو!　　　اور کرے عقبٰی کی کچھ پرواہ نہ تو
اس پہ بنتا ہے بڑا فرزانہ تو　　　کس قدر ہے عقل سے بیگانہ تو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

خواجہ صاحب کا قول نقل فرماتے کہ سامنے دیوار ہے جو بے جان ہے جب سے بنی ہے اور جب تک قائم رہے گی اس میں کوئی گناہ کا تقاضا پیدا نہ ہوگا مگر اس دیوار کو خدائے عزوجل کے یہاں کوئی درجہ نہ ملے گا۔ درجات انسان کے لیے ہیں کہ اس میں گناہ کرنے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا مقابلہ کرتا

ہے اور اس مقابلے میں ہوتی ہے مشقت۔ بس اسی مشقت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے ہاں درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس لیے جب کبھی کسی گناہ کا تقاضا دل میں پیدا ہو تو انسان بھانپ جائے کہ اب لوٹ کا اور کمائی کا وقت ہے۔ یعنی اس گناہ سے بچے اور خدا تعالیٰ کے ہاں اپنے درجات بڑھائے۔

دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے ہے شوق و ضبط شوق میں دن رات کش مکش

خواجہ صاحبؒ کے حوالے سے حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک دفعہ لکھنؤ میں تھے، رمضان شریف کا مہینہ تھا چونکہ خواجہ صاحب انسپکٹر آف سکولز تھے اس لیے وہاں سے سربراہ محکمہ نے جو کہ ہندو تھا، میٹنگ رکھ لی اور وقت میٹنگ کا شام کا رکھا گیا۔ اس میں خواجہ صاحب کو بھی شرکت کرنا تھی اور بلا واضروری تھا۔ فرماتے تھے کہ میں پریشان ہوا اور شش و پنج میں پڑ گیا کہ اگر جاتا ہوں تو مغرب کی نماز باجماعت اور بعد کی نوافل وغیرہ جاتی ہیں۔ نہیں جاتا تو ملازمت کا معاملہ ہے۔ اسی پریشانی میں دن گزرا، آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ نماز پڑھ کر معمولات پورے کر کے ہی جاؤں گا۔ چنانچہ نہایت اطمینان سے سارے کاموں سے فارغ ہو کر پہنچا۔ راستہ میں طرح طرح کے خیالات تنگ کرتے رہے، وہاں جا کر دیکھا تو میٹنگ شروع تھی اور ایک صاحب تقریر کر رہے تھے۔ میرے پہنچنے پر سربراہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ اس لیے سب کو کھڑا ہونا پڑا اور کارروائی رُک گئی۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بتایا کہ اجلاس فلاں وقت شروع ہوا اور پہلے فلاں صاحب نے یہ یہ باتیں کیں۔ اس کے بعد فلاں صاحب نے یہ یہ کہا۔ اب یہ صاحب بول رہے ہیں، انہوں نے یہ کہا اور یہ کہا۔ پھر ان صاحب سے خطاب کر کے کہا کہ اب آپ آگے فرمائیے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحب کو ان کے شیخ نے سخت تنبیہ فرمائی اور خانقاہ سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔ خانقاہ سے نکل کر قصبے ہی میں کسی جگہ رہے اور معافی کے لیے خط و کتابت فرمائی۔ اس میں فرمایا:

جاؤں کہاں میں اے خدا! در کوئی دوسرا نہیں مجھ کو نکال بھی دیا تب بھی ہوں میں یہیں پڑا

جس زمانے میں سہرا لکھا گیا اور شادی کے بعد خواجہ صاحب کی خدمت میں سینی بھر کر امرتیاں بھیجی گئیں اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شکریے کے قطعے میں ان کو ''سونے کے کنگن'' سے تشبیہ دی۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ خانقاہ میں ایک صاحب الٰہ آباد کے مقیم تھے۔ عمر رسیدہ، زندہ دل، ظریف، خوش طبع اور صاحب ذوق۔ شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے اور اساتذہ کا کلام اپنی باتوں میں بے تکلف نقل فرماتے۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے فرمایا کہ میں نے مبارک بادی کا ایک شعر لکھا ہے اس لیے مجھے بھی کم از کم ایک امرتی ملنی چاہیے۔

مبارک بادی کا شعر ایک پرچے پر مجھے لکھ کر دیا:

یہ شادی سیدھی اور سادھی مبارک ہو مبارک ہو بحمد اللہ رہی محفوظ ہر اک رسم و بدعت سے

میں نے اس بات کو سرسری سمجھا مگر انہوں نے بار بار تقاضا فرمایا کہ بھئی میرے حصے کی امرتی لاؤ۔ چنانچہ ایک روز کسی سلسلے میں گھر میں کافی مقدار میں پیڑے آئے جو تقسیم کیے جا رہے تھے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور ایک پلیٹ میں پانچ پیڑے رکھ کر ان کو دے دیا۔ وہ لے کر خواجہ صاحبؒ کے پاس چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان کی اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس سلسلے میں کیا گفتگو چل رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحبؒ نے خواجہ صاحبؒ سے از راہِ ظرافت وحسن مذاق یہ کیا ہوگا کہ امرتیاں ملنے میں کچھ آپ کی خصوصیت نہیں بلکہ مجھے بھی مل سکتی ہیں اور خواجہ صاحبؒ نے اس کی تردید کی ہوگی۔

بہر حال یہ معاملہ ان دونوں بزرگوں کی بے تکلف زندگی اور حسن مذاق سے متعلق ہے۔ خدانخواستہ کسی قسم کی بدمزگی یا دلوں کی کدورت کا اس سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ ان شعری مناقشوں کے باوجود دونوں حضرات اسی طرح خلوص سے ملتے اور اُلفت ومحبت کا برتاؤ رکھتے تھے۔ معاشرت ان واقعات سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ تھی اور ہوتی بھی کیسے؟ دونوں بفضلہٖ تعالیٰ خدا رسیدہ بزرگ اور اللہ والے تھے۔

غرض یہ کہ اگلے روز ان بزرگ نے مجھے بطور شکریے کے دو شعر لکھ کر دیئے:

تقسیم کیا اچھی رہی انعام کی سرکارِ من — بھنگن کو تو کنگن ملے، بھنگی کو چاندی کے بٹن
صد آفریں تقسیم پر، صد مرحبا تجویز پر — خوش آپ کو دائم رکھے پروردگار ذوالمنن

یہ صاحب خانقاہ کے مدرسے میں روزانہ ڈیڑھ گھنٹے حساب اور املا لڑکوں کو سکھاتے تھے جس روز انہوں نے یہ قطعہ لکھ کر مجھے دیا، میں لے کر گھر جا رہا تھا کہ راستے میں خواجہ صاحبؒ مل گئے۔ پوچھا کہ آپ کو شیخ صاحب نے بطور شکریے کے کوئی قطعہ لکھ کر دیا ہے؟ میں نے جیب سے نکال کر پیش کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ میں آپ کو پھر دوں گا۔ چنانچہ اگلے روز واپس فرمایا جس پر بہت سے اشعار لکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے جو یاد رہ گئے پیش ہیں۔

ملے پانچ پیڑے جو یہ تم کو بھائی!
خبر بھی ہے تم نے سزا کیوں یہ پائی
مری طرح سونے کے کنگن نہ پائے
نہیں یہ بٹن ہڈیاں ہیں چبالو
بنو شیخ جی اپنے منہ سے نہ بھنگی
تمہیں ڈیڑھ گھنٹے کا ملتا ہی کیا ہے
کہاں آ کے بیٹھے ہو تم مدرسے میں
کوئی بزم شادی میں کہہ دے نہ تم کو
نہیں پانچ پیڑوں کا مطلب کہ کھالو

یہ ہیں پانچ جوتے نہ سمجھو مٹھائی
بھڑے تم جو مجذوب سے منہ کی کھائی
مرے منہ کو آئے تو جوتے ہی کھائے
کرو شکر آقا کا، دُم کو ہلالو
اچھل جائے گی اپنی پگڑی سنبھالو
کہ اتنے میں تو تم کئی گھر کمالو
قلم چھوڑ دو اپنا پنجر سنبھالو
یہ بھنگی ہے بھنگی، نکالو نکالو
اشارہ ہے پانچ پانچ اپنے سر میں لگالو

دونوں بزرگوں کی یہ نوک جھونک جو سراسر دوستانہ تھی۔ ایک عرصے تک چلتی رہی۔ ہوتا یہ تھا کہ شیخ صاحب ایک آدھ شعر کہہ دیتے اور خواجہ صاحب ایک دریائے رواں کی طرح اُمنڈ پڑتے اور شیخ صاحبؒ خاموشی، خندہ پیشانی اور مسکراہٹوں کے ساتھ اس محبانہ ہجو کو سنتے رہتے اور پھر دو چار روز کے بعد دو تین شعر موزوں کر دیتے۔ یہ تمام اشعار کسی جگہ بھی ضبط نہیں۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے متوسلین، احباب اور شائقین کی طرف سے یہ تقاضا شروع ہوا کہ ان کا کلام شائع کیا جائے اور اس کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کے صاحبزادگان سے عرض کیا جائے کہ وہ یہ کام خود کریں یا کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اسے کرنے کی لگن اور استعداد رکھتا ہو۔ کچھ عرصے کے بعد کسی ماہانہ رسالہ میں غالباً ''معارف'' میں یہ خوشخبری پڑھی کہ خواجہ صاحبؒ کا کلام مرتب کیا جا رہا ہے جو عنقریب شائع ہو کر ہدیہ ناظرین و شائقین ہوگا۔ اس کا دیباچہ یا پیش لفظ حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے لکھنے کی درخواست کی گئی تھی۔ علامہ موصوف نے خواجہ صاحب کی رحلت پر ''فراق مجذوب'' کے نام سے بھی تحریر جو پہلے ''معارف'' میں چھپی اور اب ''یادرفتگاں'' میں موجود ہے۔ اسی طرح شاہ معین الدین احمد ندوی نے ایک تفصیلی مضمون ''وادی ایمن'' کے نام سے معارف میں شائع فرمایا لیکن تادمِ تحریر یہ کام نہیں ہو سکا۔

خواجہ صاحب کا کچھ کلام تو ان کی حیات میں طبع ہوا جس میں رسالہ ''نمکدان ظرافت'، نفیر غیب، مراقبہ موت، دوازدہ اذکارِ عبرت، جذبات مجذوب، حصہ اول و دوم، فریاد مجذوب، فغان بیوہ'' وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہم نے ایک مجموعہ اس طرح مرتب فرمایا کہ جہاں جہاں سے ان کا کلام ملا اس کو جمع کر کے چھاپ دیا اور نام اس کا ''کشکول مجذوب'' رکھا۔ اس میں طبع شدہ کلام شائع نہیں کیا گیا۔

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادگان نے ان کی وفات کے بعد ان کا کلام کسی کو نہیں دیا بلکہ ان حضرات کا ارادہ خود ان کو شائع کرنے کا ہے۔ خدا کرے کہ یہ کام جلد پایہ تکمیل کو پہنچے۔

۞ ۞ ۞

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةٌ

مجموعۂ کلام

حافظ عصر حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب غوری رحمہ اللہ

کہ مصداق ہے اس شعر کا

کلامِ مجذوب والہانہ ہمیشہ دہرائے گا زمانہ
کسی حسیں کا نہیں فسانہ یہ ایک عاشق کی داستان ہے

کلامِ مجذوبؒ

ملقب بہ

پیامِ محبتؒ

جو مجذوب کا ہے کلامِ محبت
وہ دنیا کو ہے اک پیامِ محبت

کشکول مجذوبؒ

اللہ جل جلالہٗ

۳۷ ہ

کشکول مجذوب مکمل

حامداً و مصلیاً و بسملاً

معروض ہے کہ کشکول کی پہلی اشاعت جیسا کہ احقر نے اس کی تمہید میں ظاہر بھی کیا ہے۔ بہت ہی ناسازگار حالات میں ہوئی۔ اس وقت یہ غنیمت سمجھا گیا تھا کہ جس صورت سے بھی ہو ایک دفعہ شائع ہو جائے اور اشاعت کے بعد ان حضرات سے جن کے پاس حضرت مجذوبؒ کے کلام کا کوئی قلمی ذخیرہ ہو۔ استدعا بھی کی گئی ہے اپنا اپنا ذخیرہ روانہ فرمائیں اور اس میں جہاں ترمیم و اضافہ مناسب سمجھیں، براہ کرم مشورہ سے مطلع فرمائیں۔

چنانچہ بہت حضرات نے اس سلسلہ میں ہماری مدد فرمائی بالخصوص محترم مولانا نجم الحسن صاحب ''احسن'' پرتاب گڑھی ثم کراچوی نے جن کو حضرت مجذوبؒ مجذوب ثانی فرمایا کرتے تھے قدر مجذوب کے عنوان سے تبصرہ ارسال فرمایا جس کو کشکول کا جز بنایا جا رہا ہے۔ نیز مولوی نجم الحسن تھانوی ثم لاہوری نے مجذوب صاحب کی وصیت روانہ کی کہ میرا کلام چھاپا جائے تو اس کا نام کلام مجذوب رکھا جائے اور لوح کو اس طرح لکھا جائے۔ جیسے احقر نے اس وقت صفحہ اول پر لکھ دیا ہے۔

نیز محترم مولوی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی کے مرتبہ مجموعے مجذوب اور ان کا کلام کے ایسے حصہ کو جو سابق اشاعت میں نہ تھا اپنے اپنے موقع پر اس میں شامل کر لیا گیا اور اب کثیر ترمیمات و اضافات کے بعد موجودہ ایڈیشن ایسا مستقل مجموعہ بن گیا کہ یہ نشانہ بھی آسان نہیں کہ کہاں کہاں کیا کیا تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ بہر حال اب یہ مجموعہ بالکل نئی شان کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔ والسلام۔

بندہ ظہور الحسن غفرلہ

محرم الحرام ۸۳ھ

حامداً و مصلیاً ومسلمًا

پیش لفظ

چراغ زندہ میخواہی در شب زندہ داراں زن
کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود پیدا

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ (آپ کی ولادت ۱۶ شعبان ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۲ جون ۱۸۸۴ء بروز چہار شنبہ) صبح صادق کے وقت ہوئی۔ تاریخی نام مرغوب احمد ہے۔ ہمایوں کے عہد میں آپ کے اجداد میں کوئی بزرگ الٰہ داد بن خواجہ غوری تھے۔ اس لیے آپ کو اور آپ کے خاندان کو غوری کہا جاتا ہے۔ آباؤ اجداد کا وطن ریاست بھرت پور کا ایک قصبہ آصف آباد عرف ندبئی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بھی ان بارہ بستیوں میں سے ایک ہے جو سلطان شہاب الدین غوری نے بسائی تھیں۔ اس میں آپ کے محلّہ کا نام ''غوری پاڑہ'' آپ کے خاندان کی مناسبت سے ہے۔ آپ کے والد گرامی خواجہ عزیز اللہ صاحبؒ نے جو ایک قابل وکیل، معزز و باوضع بزرگ اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت تھے، اورئی ضلع جالوں بسلسلہ وکالت قیام فرمایا تھا۔ اس لیے خواجہ صاحب کا مولد و مسکن یہی مقام ہے۔ آپ شیوخ میں سے ہیں اور آپ کے خاندان کے افراد بڑے بڑے عہدوں پر معزز و سرفراز رہے ہیں۔ آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ انگریزی تعلیم کے زمانہ میں بھی اسلامی وضع قطع اور طریقہ کے پوری طرح پابند رہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی زمانہ میں عقیدت و تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ شعر بھی اسی زمانہ سے فرمانے لگے تھے۔ پہلے حسن تخلص (یہ تخلص آپ کی طبیعت کی مناسبت سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا) کرتے تھے اور بعد میں مجذوب کر لیا۔

آپ کا شمار ملک کے مشاہیر شعراء میں ہوتا تھا۔ آپ بڑے ادبی اجتماعات اور آل انڈیا مشاعروں میں مدعو کیے جاتے تھے۔ آپ نے بہت سے مشاعروں کی صدارت بھی فرمائی۔ آپ اولاً ڈپٹی کلکٹر رہے لیکن بعض شرعی مجبوریوں سے آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور ڈپٹی انسپکٹر تعلیم کے عہدہ پر تبادلہ کرا لیا۔ حکومت نے آپ کی بلند شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے اول خان صاحب (یہ تخلص آپ کی طبیعت کی مناسبت سے حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا تھا) حضرت مجذوب نے اس خطاب کی جو قدر کی اس پر ان کا شعر سنئے:

بہت ہی یہ ہوتے ہیں نادان صاحب بنایا ہے مجذوب کو خان صاحب

اور پھر ''خان بہادر'' کا خطاب دیا۔ آپ نے انسپکٹری کے عہدہ سے پنشن حاصل کی اور پھر زیادہ وقت آپ کا خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں گزرا۔ آپ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے شعروشاعری کے ساتھ ہمیشہ صلاح وتقویٰ کی زندگی گزاری۔ گلستان عالم میں ایک مدت تک نغمہ سرائی کے بعد ۲۷ شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۷/۱۷ گست ۱۹۴۴ء صبح ۸ بجے یہ بلبل چمنستان اشرفیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

آپ جس طرح علماء اور مشائخ کے طبقہ میں اپنے تدین وتقویٰ اور نیک نفسی کے لیے مشہور ومتعارف ہیں اسی طرح ہندو پاکستان کے شعروادب کے حلقوں میں بھی اپنی شاعرانہ معراج فکر کے باعث پورے طور پر معروف وروشناس ہیں۔ ارباب علم سلوک اور اصحاب شعروادب ان سے یکساں طور پر واقف ہیں اور وہ دونوں حلقوں میں مقبولیت وعقیدت مندی کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔

خواجہ صاحب عارف وصوفی تھے' ادیب شاعر تھے۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کو وہی درجہ حاصل تھا جو حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت امیر خسرو کو۔ ان سے ملنے والے ان کے خلوص ومحبت' بے نفسی اور عارفانہ کردار کے ہمیشہ معترف اور مداح رہے۔ ان کی ذات عرفان وآ گہی کا ایک عمدہ مرقع' اسلامی فکروعمل کا قابل قدر پیکر اور انسانی خلق ومروت اور صدق وراستی کا ایک بہترین نمونہ تھی۔ ان کی صورت وسیرت سے اللہ اور اللہ والوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ وہ صاحب تقویٰ ہونے کے ساتھ ''حسن کلام'' کی قابل قدر نعمت سے بھی فیضیاب وبہرہ اندوز تھے اور ان پر من جملہ دوسرے انعامات کے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک بڑا فضل تھا۔

قال السیوطی بسندہٖ فی الجامع الصغیر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الکلام الحسن احد الجمالین یکسوہ اللّٰہ الرجل الصالح.

اسی خوش گفتاری' راست فکری اور خدا ترسی کی برکت تھی کہ وہ بلا امتیاز مذہب وملت ہر انسان کے لیے مجذوب ہونے کے باوجود جاذب تھے۔ ہر ہر مجمع میں ان کی ہستی ایسی نمایاں ہوتی تھی کہ ہر شخص متوجہ ہونے پر مجبور ہوتا تھا۔ وہ بلند اخلاق ووسیع القلب تھے جس کے سبب ہر شخص گرویدہ متاثر ہوتا تھا۔ بڑے بڑے علماء اور معاصر شعراء بھی ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ وہ ''مرنجاں ومرنج'' کے زریں اصول پر عامل اور بے لوث پاکیزہ زندگی کے حامل تھے۔

دل گرمے نگاہِ پاک بینے جان بیتابے چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور حضرت کی تعلیم وتربیت فیوض وبرکات اور خود ان کے اتباع اور جذبہ اطاعت وانقیاد نے ان کو انسانیت کے ایک بہت رفیع اور اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا۔

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں　　خاک او گشتم و چندیں در جانم دادند

وہ میکدہ عرفان کے ایسے مے گسار تھے جن کو ساقی کی نظر التفات نے خوب خوب ہی نوازا تھا۔

محفل میں آج ظرف قدح خوار دیکھ کر　　ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا

خود بھی اس خم کدہ یقین کی شراب معرفت کا تذکرہ فرماتے ہیں:

شراب ارغواں کیا پی کہ میرا کل جہاں بدلا　　نظر آتا ہے اب رنگ زمین و آسمان بدلا

ایک ان ہی پر کیا منحصر یہ تو حضرت خواجہ صاحب ہیں جن کو گوناگوں خصوصیات ہیں۔ حضرت حکیم الامت کے پاس تو ہر بیٹھنے والا یہی کہتا نظر آتا ہے:

دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنادیا　　دنیائے درد، عالم حسرت، جہانِ داغ

....

عالم از نرگس تو بے مے و مینا سرشار　　چشم بددور عجب ساغر بے مل زدہ

یہی بادہ وحدت کی سرشاری و سرمستی اور پاکیزگی نفس کے مقدس جذبات تھے جنہوں نے ان کی شاعری میں اِک عجب روح پیدا کردی تھی اور وہ نغمہ وشعر کی کیف آفرینیوں کے وقت بھی بڑے بڑے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرتے تھے:

پتہ کی سناتا ہے مجذوب باتیں　　یہ بے خبریوں میں خبرداریاں ہیں

محبوب حقیقی کی یاد اور رضاء وخوشنودی نے ان کو دنیا ومافیہا سے مستغنی بنادیا تھا۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے　　مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے

شب وروز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی　　مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے، مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

وہ ایک ایسے عالم میں ہیں کہ کوئی چیز بھی ان کی توجہ کیلئے یادِ محبوب سے مانع نہیں ہوتی۔

آشنا بیٹھا ہو یا ناآشنا　　ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

اسی عالم کیف وسرخوشی میں کبھی وہ یہ فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے ان کی رفعت مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے　　ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے　　معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

تقدیس نفس کی ان زمزمہ پیرائیوں کے سبب ایک زمانہ میں ان کو رسالہ ''المفتی'' دیوبند میں ''حافظ عصر'' لکھا جاتا رہا۔ حقیقت میں یہ خطاب اور لقب ان کے لیے نہایت موزوں تھا۔ وہ واقعی ''حافظ عصر'' تھے۔ ان کے کلام جیسا سوز وگداز، جذب ومستی، کیف وسرور اور حقیقت وارادت ہے۔ وہ اُردو میں لسان الغیب کے متبع نظر آتے ہیں اور ان کے یہاں معرفت وحقیقت کے رموز اور حال وقال کے وہ بلند ترین مرقعے موجود ہیں جن سے ان کو اُردو میں ''حافظ'' کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حافظ سے ان کو گہری مناسبت ہے۔ خود ایک شعر میں فرماتے ہیں:

عندلیبِ بوستانِ راز ہوں　　　ہم نوائے بلبلِ شیراز ہوں

وہ بلبلِ شیراز کی ان ہم آہنگیوں اور نغمہ قدس کی لطیف ترنم ریزیوں کے ساتھ شاعری کی ہر صنف پر پوری طرح حاوی تھے حالانکہ عام طور پر ایسا کم ہوتا ہے کہ کوئی شاعر تمام اصناف سخن میں یکساں طریقہ پر عبور و قدرت رکھتا ہو اور اس کا سمند رفکر مضامین کی سخت و نرم وادیوں کو بسہولت طے کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو لیکن حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاعری کی تمام اصناف و انواع میں طبع آزمائی فرماتے تھے اور انتہائی کامیابی سے ہر ایک صنف میں رواں دواں نظر آتے تھے' وہ بڑی سخت اور سنگلاخ زمینوں کو روندتے چلے جاتے تھے اور ان کا اشہب فکر کسی سخت سے سخت جولانگاہ میں تگ و تاز سے نہیں رُکتا تھا' وہ جب کہنے پر آتے تو ایک بحرِ ذخار اُبل پڑتا جو دریا کی تہہ سے بڑے بڑے گراں بہا موتیوں کو دامنِ ساحل پر لا ڈالتا۔ خواجہ صاحبؒ نہایت طباع اور پُرگو تھے۔ کوئی ادنیٰ سا بھی محرک ہوتا ہو اس طرح شعر کہتے۔ گویا کسی دریا کا دھانہ کھول دیا گیا ہے۔

شور مرا نسیم بہاراں بہانہ ایست　　　ہر شاخِ گل جنون مرا تازیانہ ایست

اس کیفیت پر ان کا کلام پوری طرح شاہد عدل ہے اور گو اس قدر پرگوئی کے ساتھ رشتہ شعر و نظم میں ہر قسم کے موتیوں کا ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے مگر پھر بھی ان کا کلام مخصوص نوعیت کا حامل ہے اور اپنے اندر اِک خاص جذب و کشش رکھتا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں نقد و نظر کے معاملہ بلند ذوق سخن شناس ناظرین ہی پر چھوڑتے ہیں لیکن یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ ان کے خزانہ شاعری میں آبدار لآلی اس افزونی اور کثرت کے ساتھ ہیں کہ کم روشنی والے موتی بھی ان کی ضوبار تابش سے چمک اُٹھے ہیں۔

ان کی غزلوں میں سوز و گداز' جذب و شوق' کیف و مستی نظموں میں روانی' تسلسل محاکات' منظر کشی اور دوسرے اصناف سخن میں شاعری کے لطیف جو ہر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ بہت ہی عمدہ کہتے ہیں۔ ان کے کلام میں بلا کا درد و اثر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آتش کدہ خیال سے مسلسل بلند ہونے والے شعلے افسردہ قلب میں ایک آگ لگائے چلے جا رہے ہیں اور جیسے یہ کلام انہوں نے کسی خاص عالم میں تحریر کیا ہے اور وہی سماں پڑھنے والے کے دل و دماغ کو متاثر کر رہا ہے۔ گویا ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی مکمل و کامیاب شرح نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا　　　میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ان کا کلام جس پاکیزہ حقائق کا آئینہ دار ہے اس کے پیشِ نظر ان کو بلا خوف و تردید ''شاعر عرفانیات'' یا ''شاعر روحانیات'' کہنا چاہیے۔

خواجہ صاحب کے یہاں صرف عارفانہ غزلیں ہی نہیں بلکہ شاعری کی دوسری اصناف بھی ایک خاص جذبۂ عرفان کے ساتھ ہیں۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے یکسور ہنے کے باوجود انہوں نے ایک زمانہ میں ملک وقوم کے حالات سے متاثر ہو کر طویل نظمیں بھی کہیں ہیں جو بے حد مقبول ہوئیں۔ ان نظموں نے وقت کے عام خیالات میں ایک ہلچل ڈال دی اور عوام وخواص سے بے انتہا خراج تحسین وصول کیا۔ یہ سیاسی آویزشوں کا دور تھا اور ملک میں ایک بڑے پیمانے پر جماعتی کشمکش جاری تھی۔ اس وقت انہوں نے ملت خوابیدہ کو بیدار اور اسلامی شعور وفکر کی صحیح شاہراہ عمل سے آشنا کرنے کے لیے یہ نظمیں کہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ اپنے مخصوص طرزِ بیان کے لحاظ سے جس طرح غزل گوئی اور بزم کی شاعری میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اسی طرح وہ جولانگاہِ رزم میں بھی تیغ قلم کے جوہر دکھلانے اور زندگی کے مسائل وتعلیمات کو عمدہ اسلوب سے بیان کرنے میں پوری دستگاہ کے مالک ہیں۔

خواجہ صاحبؒ حسب موقع مزاحیہ کلام بھی فرماتے تھے اور وہ شاعری کی اس صنف پر بھی پوری طرح قادر تھے۔ جب کبھی ایسی صورت ہوتی اور وہ کسی محفل میں ظرافت کے انمول موتی بکھیر دیتے تو ان کے اچھوتے اور خندہ آفریں جواہر پاروں سے مجلس کشت زارِ زعفران بن جاتی تھی۔ ان کے کلام میں حقائق بصائر اور تعلیمات اشرفیہ کو بھی ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے قطعات میں تعلیمات ومسائل منضبط کر کے عمدگی فکر ونظر کی وہ اعلیٰ مثال قائم فرمائی ہے کہ "خیر الکلام ماقل و دل" اور "ان من الشعر لحکمة" کا صحیح مصداق سامنے آجاتا ہے۔ بشرطیکہ دل معارف آگاہ اور طبیعت حقائق آشنا ہو۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

شاعری کی ہر صنف میں کمال ومہارت کے ساتھ ان کے پڑھنے کا طرز نہایت والہانہ اور سرور انگیز تھا۔ وہ کیف کے ساتھ پڑھتے تھے اور جس وقت کلام سناتے تھے مجمع پر چھا جاتے تھے۔ اس موقع پر اس امر کا بیان بھی بے محل نہ ہوگا کہ خواجہ صاحبؒ نثر نگاری میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات "اشرف السوانح" ان کی ایک عمدہ اور بہترین تالیف ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا کے ملفوظات اور مواعظ بھی انہوں نے قلمبند فرمائے ہیں جو اپنے مخصوص طرزِ ضبط کی وجہ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اب ہم خواجہ صاحبؒ کے کلام سے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

۱؎ (یہاں اس کا بیان ناگزیر ہے کہ کلام سناتے وقت خود ان پر بھی کیف وارفتگی کی اِک عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ان سے واقف حضرات اس حالت سے آگاہ ہیں۔۱۲)

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام علم وحکمت کا خزینہ اور حقائق ومعارف کا بیش بہا گنجینہ ہے۔ زندگی کی تمام تعبیریں ان کے کلام میں موجود ہیں۔ حیات انسانی کا کوئی سا گوشہ نہیں ہے جس کے متعلق انہوں نے کوئی راہِ عمل نہ دکھائی ہو اور عشق ومحبت الٰہی کا جذبہ تو ان کے کلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ ہر موقع پر مالک حقیقی کی رضا وخوشنودی کے طالب اور مشتاق نظر آتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی		اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی

واقعی اس محبوب حقیقی کی لگن اور عشق صادق کی سچی تڑپ سے اہل دل حضرات کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ تمام تمناؤں سے اپنے سینہ کو خالی کرلیتے ہیں۔ صرف ایک اس کی تمنا کے لیے وہ سب آرزوؤں کو ختم کردیتے ہیں۔ صرف ایک اس کی آرزو کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ خود خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ:

یہ شعر حضرت اقدس کو اپنے حسب حال ہونے کی وجہ سے اس درجہ پسند تھا کہ ایک بار مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''اگر میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو میں ایک لاکھ روپیہ آپ کو اس شعر کا انعام دیتا'' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

''جب کبھی مجھ کو یہ شعر یاد آ جاتا ہے تو کم از کم تین بار پڑھے بغیر سیری نہیں ہوتی۔''

حضرت حکیم الامت ان کے اشعار کی ایک سلسلہ ملفوظ میں اس طرح تعریف فرماتے ہیں کہ:

''خواجہ صاحب تصوف کے دقائق وغوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں۔''

حضرت مولانا جیسے مجمع الفضائل جامع کمالات اور باذوق بزرگ کی یہ مدح وتوصیف خواجہ صاحب کے لیے حسن قبول کی ایک عمدہ اور بہترین سند ہے۔

وہ اپنے جذب ومستی میں کائنات کی ہر چیز پر نظر ڈالتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فکر لطیف بڑی خوبی سے حقائق اشیاء کا اندازہ کرتا ہے۔ وہ ربط وتعلق کی ایک خاص کیفیت کو کس خوبی سے بیان فرماتے ہیں:

بٹھاتے ہیں جو آنکھوں پہ سب اس سے خوشی کیا ہو		کسی کی طبع نازک پر گراں معلوم ہوتا ہوں

وہ نغمہ وشوق کی ترنم ریزیوں میں بھی انسان کو یوم آخرت کی ذمہ داریاں یاد دلانا چاہتے ہیں:

مترس از بلائے کہ شب درمیان است		یہ پڑھ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے
ارے کوچ گو صبح ہونے پہ ہوگا		مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے

دوسری عالمگیر جنگ کی تباہ کاریوں کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں:

یہ اُڑ اُڑ کر جو گرتے جارہے ہیں روز طیارے		مجھے تو یہ سزائے سرکشی معلوم ہوتی ہے

نفسیات پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ معارف وحقائق کے راز دار ہیں اور پھر کس خوبی سے ایک بہت ہی نفسیاتی حقیقت کا اظہار فرماتے ہیں:

ابھی میں راز داں ہونے سے کوسوں دور ہوں شاید		ابھی آثار سے میں راز داں معلوم ہوتا ہوں

ان کا کلام سراسر واردات ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں گویا مشیت ایزدی کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں۔ اس لیے خود ان کا منظوم قول ہے:

یہ حقائق یہ معانی، یہ روانی یہ اثر		شاعری تری ہے اے مجذوب یا الہام ہے

ان کی شاعری مشاہدہ ویقین کا پرتو ہے۔

جبھی کچھ میں کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں		کہ دل بھی مرا ہم زباں ہو رہا ہے

وہ عالی خیال اور بلند نظر ہیں اور ان کو بہارِ عالم کی نیرنگیاں بھی اپنی طرف مائل نہیں کرسکتیں۔

زہے نصیب کہ میری نظر بہ فیضِ جنوں فریب خوردہ رنگینی بہار نہیں

تجلی وورودِ محبوب کا کتنا عجیب نقشہ ہے:

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمع محفل کی پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

ان کے مخصوص رنگ کا بہت ہی بلند مطلع پڑھئے اور ان کی روح کو حقیقی داد پیش کیجئے:

اب بھی مجذوب جو محروم پذیرائی ہے کیا جنوں میں ابھی آمیزش دانائی ہے

رنگ تغزل میں ڈوبے ہوئے اور بعض دوسری خصوصیات کے حامل چند مطالع اور اشعار ملاحظہ فرمائیے:

بس اِک بجلی سی پہلے کوندی، پھر اسکے آگے خبر نہیں ہے اور اب جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے
جہاں میں ہر سو ہے اسکا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے وہ ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے
کیا کروں یارب کدھر جاؤں کشاکش دل میں ہے اِک کشش گرداب میں ہے اِک کشش ساحل میں ہے

....

اس کو ہر ذرہ ہے اِک دنیائے راز منکشف جس پر حقیقت ہوگئی

....

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

....

سنبھل کر ذرا تیز گام محبت مقام ادب ہے مقام محبت

....

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

....

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

....

یہ آج تصور میں مرے کون حسیں ہے ہر موئے شجر طور ہے دل عرش بریں ہے
وہ اُٹھ بھی گئے بزم سے کب کے مگر اب تک اللہ رے حیرت جو جہاں تھا وہ وہیں ہے
جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت ایک سینہ بہ سینہ ہے اِک خانہ بہ خانہ ہے

....

جو تری یادِ فرقت میں مری دمساز بن جائے تو مرے دل کی ہر دھڑکن تری آواز بن جائے

....

حقیقت میں تو میخانہ جبھی میخانہ ہوتا ہے ترے دستِ کرم میں جب کبھی پیمانہ ہوتا ہے
مگر اے محتسب تجھ کو بھی کچھ ذوق رندی کا جبھی آتا ہے تو جب رنگ پر میخانہ ہوتا ہے

....

ہائے ایسے میں ہے تو ساقی کہاں؟ کیا بھری برسات خالی جائے گی؟

....

یوں تو اس پیکرِ ہستی میں مرے کچھ بھی نہیں　　کوئی مطرب ہو تو ہر نغمہ مرے ساز میں ہے

....

کس کے آنے کی خبر نزع میں سن پائی ہے　　جان رگ رگ سے جو آنکھوں میں سمٹ آئی ہے

....

فصلِ گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں میں　　جب تڑپ اُٹھتی ہے بجلی یاد آ جاتا ہے دل
معرفت اتنی ہی کافی ہے طریقِ عشق میں　　یہ سمجھ میں آ گیا ہے وہ سمجھ سے دور ہے
حسنِ اخفاء اسے سمجھوں کہ کہوں حسنِ ادب　　راز داں ہو کے بھی دل جستجوئے راز میں ہے

موت ہر ذی روح کے لیے مقدر ہے اور کوئی اس کے آہنی پنجہ سے مامون نہیں رہ سکتا۔ **کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام** . عالم وماورائے عالم کی کون سی چیز ہے جس میں اختلاف نہیں کیا گیا لیکن موت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر دنیا کا ہر انسان اتفاق کرنے کے لیے مجبور ہو گیا ہے۔ متنبّی کہتا ہے:

تخالف الناس حتی لا اتفاق لھم　　الاعلی شجب والخلاف فی الشجب

اس سلسلہ میں اصحابِ شعر و ادب نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے اس ''لازمی انجام'' کو جس طریقہ پر بیان فرمایا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی　　کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

آزادی کی نعمت پر کس واقعیت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں:

کہاں یہ خوش رنگ سرخ تیلی کہاں وہ بدرنگ خشک تنکے　　مگر قفس پھر بھی اُف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے

حقائق و مسائل تصوف کے سلسلہ میں اہلِ سلوک کی اصطلاح سیر فی اللہ اور سیر الی اللہ کو سامنے رکھئے اور پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھئے:

قطعِ راہِ عشق اے راہرو کبھی ممکن نہیں　　اِک سفر ہے تا بمنزل اِک سفر منزل میں ہے

حضرت حافظ نے فرمایا تھا کہ:

بچشم عقل ببیں رہ گذر پر آشوب　　جہان و کار جہاں بے ثبات بے محل است

اور حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیا دو روزہ زندگی کا یہ قرینہ چاہیے　　مرنے والے کی طرح دنیا میں جینا چاہیے

ان کی حقیقت بینی اور فلسفیانہ اندازِ فکر قابلِ داد ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ کیا زاہد خشک تو چاہتا ہے　　کہ ہر شے سے دل کا خلو چاہتا ہے
عبث ہے عبث سعی ترکِ تمنا　　کہ دل فطرۃً آرزو چاہتا ہے

مگر وہ اس تمنا کا اِک خاص محور مقرر فرماتے ہیں اور وہ باری تعالیٰ کی رضا اور آرزو ہے:

حدیثِ شوق ہمیں بس کہ سوختم بے تو　　سخن یکے ست دگر ہا عبارت آرائی ست

پھر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تعلق مع اللہ ہی صالح فکر وعمل کی بنیاد اور انسانی درد و مصائب کا مداوا ہے اور اسی کی تلقین پر ان کا تمام کلام مشتمل ہے۔ وہ ظاہر میں عشق ومحبت اور دوسری ہر قسم کی شاعری فرماتے ہیں مگر اصل میں ان کے پیش نظر دعوت حق ہے وہ اپنے عارفانہ کلام سے خدائے قدوس کی محبت وعظمت کے زریں آثار قلوب میں جاگزیں کرنا چاہتے ہیں۔

اور جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر ہیں۔ اشعار کے اس انبار میں ایسے اور ان سے بھی زیادہ نامعلوم کتنے گراں بہا گوہر موجود ہیں جو دیدہ و دل کے لیے سامان سرور و انبساط مہیا کرتے ہیں۔ ناظرین مطالعہ کے بعد اس کا خود اندازہ فرمالیں گے۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام مختلف رسالوں' کتابوں اور بیاضوں سے فراہم کر کے ہدیہ ناظرین کیا جارہا ہے۔ اس میں غزلیں زائد اور نظمیں کم ہیں کیونکہ بعض طویل نظمیں ٹریکٹوں کی شکل میں الگ طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔

(مولانا ظہور الحسن صاحب نے کشکول کے آخر میں آپ کی نظمیں دیدی ہیں ۱۲)

ترتیب اور اس کے معیار کے بارے میں کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہر شخص کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ جو ترتیب ایک شخص کے معیار کے مطابق ہے وہ دوسرے کے فکر ونظر پر بھی پوری اترے۔ ادھر یہ بھی واقعہ ہے کہ کلام کی ترتیب نہایت عجلت میں ہوئی ہے مگر پھر بھی اس عجلت میں جس قدر اہتمام ممکن تھا اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی ہے بلکہ پوری سعی و کوشش کو کام میں لایا گیا ہے۔ اگرچہ ابتداء یہی پیش نظر تھا کہ حضرت خواجہ صاحب کا متفرق کلام اس وقت تو کسی نہ کسی صورت میں جمع ہو جائے کہ حوادثِ روزگار کی دستبرد اور غیر اطمینان بخش (یہ نہرو لیاقت معاہدہ سے پہلے کا ہنگامہ خیز دور تھا۔۱۲) حالات سے کوئی ایسا مانع پیش نہ آجائے جس کی وجہ سے اس کی نقل وتالیف کی بھی نوبت نہ آئے۔ (تا بہ ترتیب وحسن ترتیب چہ رسد)

کلام کی تدوین کے وقت یہ خیال ہوتا تھا کہ زیادہ طویل غزلوں میں سے بعض شعر کم کر دیئے جائیں اور حذف وانتخاب کے بعد یہ کلام منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو لیکن بعد میں اس راقم الحروف اور مولانا ظہور الحسن صاحب دونوں کی رائے تمام کلام ہی کو اس مجموعہ میں شامل رکھنے کی ہوئی۔ اس لیے تقریباً پورے اشعار بجنسہ باقی رکھے گئے۔ نظموں کے عنوانات میں بھی حتی الامکان جدت وترمیم یا حذف و اضافہ سے کام نہیں لیا گیا۔ البتہ حمد ونعت' غزلوں' نظموں وغیرہ کے ابواب کو از سر نو قائم کیا گیا ہے۔

اس کلام بلاغت کی اشاعت کے سلسلہ میں حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب زید مجدھم ارباب ذوق کے خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ جن کے طبعی تقاضوں اور پیہم کوششوں سے یہ کلام انتہائی عجلت کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ناظرین کے ہاتھوں پہنچ رہا ہے ورنہ اگر مولانا کے دل میں

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان منتشر جواہر ریزوں کے یکجائی صورت میں جلد سے جلد شائع کرنے کا اس قدر قوی اور مستحکم داعیہ نہ ہوتا تو معلوم نہیں اس کی طباعت میں کتنی تاخیر ہوتی اور اہل ذوق اس کے مطالعہ سے مستفیض بھی ہو سکتے یا نہیں۔

بہر حال حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام شعر وسخن میں عموماً اور صالح ادب میں خصوصاً اِک قابل قدر اضافہ ہے اور رموز وحقائق اور معارف وارادت کے جویندگان و طالبان کے لیے عرفانیات کا سرمایہ کیف افزا۔

حضرت مجذوب کے تذکرہ کا اثر ہے کہ ان معروضات میں باوجود کوشش کے اختصار نہیں رہ سکا اور ''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم'' کے بعد بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ:

برون ازحد تقریست شرح آرزو مندی

لیکن اس سے زیادہ گزارش کے لیے اس کتاب کا مختصر سا دامن متحمل نہیں' ناسپاسی ہوگی۔ اگر ان حضرات کا تذکرہ نہ کیا جائے جن کی مساعی جمیلہ اب یا کچھ پہلے کسی نہ کسی صورت میں اس مجموعہ کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوئیں۔ اس سلسلہ میں منجملہ دوسرے اصحاب کے جناب شیخ محمد یوسف صاحب سندیلوی مقیم سکھر' جناب حاجی لطافت علی صاحب ہماللت پوری اور جناب مولوی نجم الحسن صاحب تھانوی مقیم لاہور کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس تمام گزارش احوال کے بعد اپنی علمی تہی مائیگی' ادبی بے بضاعتی اور فکر ونظر کی کوتاہی کا پوری طرح اعتراف ہے۔

آخر میں اس کلام سے مستفید ہونے والے حضرات سے التماس ہے کہ وہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے رفع درجات کی اور حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب اس کمترین اور ان اصحاب کے لیے جنہوں نے اس سلسلہ میں کسی نہ کسی طور پر حصہ لیا ہے۔ فلاح دارین' حسن خاتمہ اور رحمت وغفران کی دُعا فرمائیں۔

احقر: انعام الرحمٰن غفرلہ تھانوی

(جامعہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۴ ذیقعد ۱۳۶۹ھ)

نذرِ عقیدت

اے حضرتِ ''عزیزِ حسن'' سالک سبیل
مدحت سرا ہے ترا ہر اِک فاضل جلیل

نغموں میں ترے زمزمہ قدس کی جھلک
افکار مثل موجہ تسنیم و سلسبیل

اس جذب و بےخودی میں یہ پرواز تابہ عرش
حاصل تری نگاہ کو ہے بال جبرئیل

نغمات سرخوشی میں یہ ''الہام وواردات''
اس طرزِ خاص میں ہیں بہت کم ترے مثل

دل میں ہے تیرے عشق خدا و رسولؐ کا
ہر شعر اس حقیقت روشن کی ہے دلیل

اِک ربطِ خاص ''حضرت اشرفؒ'' سے ہے تجھے
وہ جن کا طرزِ سنت احمد رہِ خلیل

اس طرح گرم تاز ترا اشہب قلم
صوفی کا طیِ ارض ہو جیسے دمِ رحیل

دریائے طبع ہے ترا مواج اس طرح
طغیانیوں میں جیسے رواں آب رو نیل

ذوق و شوق زمزمہ پیرائیاں تری
آگاہی و فراست مؤمن کی ہیں دلیل

تری حدیث حسن ادب اِک پیام زیست
تیرا کلام شوق اثر ہادی سبیل

لبریز بادہ ہائے محبت تری نگاہ
معمور برگ و باد تیرے فکر کا نخیل

اشعار میں روانی موج خرام ناز
تیری زبان و طرز بیاں دلکش و جمیل

آئینہ دا جلوہ عرفان لم یزل
تیرا کلام حسن حقائق کا ہے کفیل

شاعر بہت جہاں میں مگر تجھ سے نغمہ سنج
رمز آشنائے راہِ حقیقت بہت قلیل

مجذوب! ہوش حق میں ہے تو فخر سالکاں
قائل تری خرد کے ہیں دانشور و عقیل

ہے ضامن بیان معارف ترا سخن
شرح صفات و ذات کا ترا قلم کفیل

باوصف شیخ و عارف و صوفی و حق شناس
تو شاعر و ادیب ہے بے مثل و بے عدیل

ہر لفظ تیرا دعوتِ تبلیغ و انقلاب
تو شاہراہ اقدس کا ہے داعی و وکیل

عرفان و آگہی کا مرقع ترا کلام
شمع رہ حیات تری کاوشِ جمیل

انعام کی دُعا ہے کہ نازل ہو رات دن
تیری لحد پہ لطف و کرمؒ رحمتِ جلیل

(انعام تھانوی)

عرضِ حال یا دل کے آنسو

از: حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ زادت معالیہ

مندرجہ بالا عنوان سے موصوف کا ایک مضمون ''خاتمۃ السوانح'' میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ہے جس میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ ذیل کا اقتباس اسی سے ماخوذ ہے۔ (انعام الرحمٰن تھانوی)

۱۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو خواجہ صاحب مع دیگر احباب کے جالندھر اور امرتسر کے سفر کے لیے خانقاہ سے روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے پنجابی پیر بھائیوں سے ملاقات فرمائیں۔ خصوصاً مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد حسن دام ظلہم سے۔ کس کو خبر تھی کہ حضرت کا یہ سچا عاشق اس دفعہ خانقاہ سے آخری مرتبہ رخصت ہو رہا ہے۔ حضرت کی وفات کے بعد سے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال تھا۔ اس کو دیکھنے والوں نے دیکھا ہے۔ الفاظ میں اس کو بس اس طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

بیاد یار و دیار آں چناں بگریم زار　　　　کہ از جہاں رہ و رسم سفر بر اندازم
من از دیار حبیبم نہ از بلاد رقیب　　　　مہیمنا برفیقاں خود رساں بازم

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے اور شوق لقائے محبوب میں دربدر کو بکو پھرتے تھے۔ محبوب کا پیام یعنی حضرتؒ کے ملفوظات جوان کو از بر تھے ہر شخص کو سناتے پھرتے تھے۔ بقول ان ہی کے:

ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے　　　　آشنا بیٹھا ہو یا، ناآشنا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد خواجہ صاحب کو کہیں قرار نہ تھا۔ آج تھانہ بھون ہیں تو کل لکھنؤ ہیں اور پھر اعظم گڑھ ہیں تو معلوم ہوا کہ سیتاپور پہنچ گئے۔ غرض:

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب　　　　بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

پر پورا عمل تھا کہ حضرت کے بعد حضرت کے خلفاء اور خدام کے پاس جا جا کر غم کو ہلکا کرتے پھرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ سفر پنجاب بھی اختیار فرمایا تھا۔

۱۹ر جولائی ۱۹۴۴ء کو امرتسر میں بخار ہوا تھا اور سینہ میں درد ہوا۔ اول یونانی پھر ڈاکٹری علاج شروع ہوا، نمونیہ تجویز ہوا۔ ضعف کی کوئی انتہا نہ رہی، خدا خدا کر کے کچھ افاقہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے حق تیمارداری ادا کر دیا۔ غرض مرض میں اور ضعف میں

تخفیف ہوئی۔ افاقہ کلی نہ تھا کہ ۵ اگست ۱۹۴۴ء کو خواجہ صاحبؒ نے وطن واپسی کا قصد فرمایا۔ مولانا محمد حسن صاحب نے اپنے بھتیجے مولوی محمد عرفان صاحب کو ہمراہ کر دیا کہ راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ ۱۸ اگست ۱۹۴۴ء کو خواجہ صاحبؒ اپنے وطن ''اورئی'' پہنچ گئے .... کچھ تو راستہ کا تکان' کچھ مرض کا بقیہ پہلے سے موجود تھا ہی۔ ''اورئی'' پہنچ کر بخار بھی عود کر آیا اور سینہ کا درد بھی' وہاں بھی علاج ہوتا رہا۔ آخر ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء کو صبح ۸ بجے یہ چہکتا ہوا بلبل چمنستان اشرفی اور خسرو اشرفی اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر اپنے محبوب شیخ سے جا ملا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آج خاتمۃ السوانح پر نظر ثانی کے ساتھ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرض ووفات کو بھی اس تتمہ بصد حسرت ویاس بنا رہا ہوں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام حالات طفلی وجوانی کے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فیوض حاصل کرنے کے نسب وخاندان وغیرہ' غرض اپنے کل حالات بھی ...... اشرف السوانح میں ضمناً مفصل لکھ دیئے ہیں اسی لیے ان کے دُہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اشرف السوانح کا مطالعہ کرنے والا شیخ ومرید دونوں کے حالات یکجا دیکھ لے گا تو خاتمۃ السوانح میں ساتھ ہی خواجہ صاحب کی وفات کے حالات بھی معلوم کر لے گا۔

قطعہ تاریخ بر وفات

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نور اللہ مرقدہ

از: جناب محمد مصطفیٰ خان صاحب مداح (احمق) پھپوندی

''مجذوب'' کہ باوجودِ ثروت
۷۵۱
تھا رندِ الست و مردِ درویش

فردوس میں ان کے نام کے ساتھ
۶۱۲×۷۵۱
تحریر ہے سالک صفا کیش
۶۱۲ ۱۳۶۳ھ

قطعہ تاریخ بروفات

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب نور اللہ مرقدہ

از: جناب قاضی محمد مکرم صاحب مائل تھانوی پنشنر تحصیل دار ریاست بھوپال

آں عزیز یکہ حسن نامندو خواجش خوانند
رخت زیں سوئے کشیدہ بد یار محبوب

آہ از درد جدائی و غم فرقت او......
اختیار یکہ بدل بود و ہمہ شد مسلوب

آں چناں گم نہ شدہ یوسف مصرم یاراں
کش تدارک بتواں کرد باشک یعقوب

آنچہ پیش آمدہ پیش آمدہ بگذشت وگذشت
شکر داؤد بدست آرم و صبر ایوب

مرگ ماناست بداروئے کہ تلخ ست ومفید
ناگوارا بہ تکلف بہ حقیقت مرغوب

خود توئی پردہ حائل برخ حسن ازل
بگذر از خویش کہ ایں جلوہ نماند محجوب

فرخ آں راہروِ منزل مقصود کہ ...... او
سفر خویش بسر بردہ بحسن اسلوب

شاد آں بندہ کہ اور اطلبد صاحب او
خرم آں طالب فرخندہ کہ گردد مطلوب

رفتہ مجذوب بہ فردوس بریں و مائل
باہم آمیختہ فردوس برین و مجذوب

۶۱۲.....۷۵۱.....۱۳۶۳ھ

ولہٗ ایضاً

خواجہ حسن ہم پیوستہ باحق......
رضواں ربی مبذول حالش

آں دُرّ یکتا از سلک اشرف
نیساں نیارد زیں پس مثالش

اللہ اللہ مجذوب خوش گو
زور کلام و لطف مقالش

رفت او زبزم ولیکن نہ رفتہ
از قلب یاراں حزن و ملالش

ہر دل پریشاں از رحلت او
ہر دیدہ گریاں بر انتقالش

مبذول حالش رضوان ربی
''مجذوب الاشرف'' سال وصالش

۱۳۶۳ھ

قطعہ تاریخ وفات

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری نور اللہ مرقدہ

از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مقیم حال کراچی

مارا سرے بگلشن و سیر چمن نماند — در دل ہوائے گلبن و سر و سمن نماند
فریاد زیں خزاں کہ بہ بستان ما رسید — بودر گلے و برگ گلے در چمن نماند
صبر از ولم رمیدہ و دل از من حزیں — گفتار و زبان و زباں در دہن نماند
فریاد اے کریم زغم ہائے پے در پے — درجان خستہ طاقت رنج و محن نماند
دانی کہ زخم فرقت اشرف بما چہ کرد — زخم دگر رسید سرجان و تن نماند
یارب! بخواب مے شنوم یا حقیقت ست — ایں ناشنیدنی کہ عزیز الحسن نماند
آں یادگار اشرف ماہم زما برفت — گم کردہ ایم یوسف وہم پیرہن نماند
زیں زخمہائے تازہ کے بر زخمہا رسید — اشکے بچشم و قطرہ خوں در بدن نماند
جز نالہائے نیم شب و گریہ سحر — ہیچم انیس وحشتِ بیت الحزن نماند
جز یاس و حسرۃ وغم آہ و بکا مگر — چیزے بہ خانقاہ و بہ تھانہ بھون نماند
ہر روز بریگانہ اشرف چو سال بود — بعدش فزوں ز سال دم زیستن نماند
ایام سال فرقت اشرف فزودہ کو — سال وفات خواجہ عزیز الحسن نماند

۱۰۰۳ ۳۶۰ ۱۳۶۳ھ

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی وفات ۱۶ ر جب ۶۲ ۱۳ھ میں ہوئی اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۷ شعبان ۱۳۶۳ھ تقریباً ایک ہی سال کا فاصلہ درمیان میں رہا۔ ایک سال کے تین سو ساٹھ دن کا عدد شامل کر کے ''خواجہ عزیز الحسن نماند'' مادہ تاریخ ہو جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

مجذوب

از حضرت شوکت تھانوی رحمہ اللہ... خان بہادر خواجہ عزیز الحسن غوری!

نہ خان بہادر نظر آتے ہیں نہ گریجویٹ نہ انسپکٹر آف سکولز کوئی کہہ سکتا ہے نہ شاعر۔ صورت دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے اذان دے کر تشریف لا رہے ہیں۔ بڑی سی داڑھی، چوگوشیہ ٹوپی، لمبا سا کرتہ، اونچا سا پاجامہ، تسبیح کرتہ کی جیب میں اور ہاتھ تسبیح کے اوپر۔ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے، سود کی ڈگری دینے کے بجائے محکمہ تعلیمات میں منتقل ہو جانا پسند کیا۔ اب تک اسی محکمہ میں ہیں۔ (آج تو وہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مرتب)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب بہت ہی عمدہ کہتے ہیں اور نہایت کیف کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر کسی غزل میں اڑھائی سو اشعار سے کم نہیں کہتے اور پھر انتخاب نہیں کر سکتے، کہتے چلے جاتے ہیں اور پھر کہہ چکنے کے بعد سناتے چلے جاتے ہیں۔ اشعار کے ان انباروں میں اچھے برے سبھی قسم کے شعر ہوتے ہیں مگر اچھے زیادہ اور معمولی کم۔ (ملخصاً)

نوٹ: جناب شوکت تھانوی مرحوم کا یہ مضمون ''شیش محل'' سے ملخص کر کے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے شعراء کے متعلق مزاح کے طرز پر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں۔ اس تحریر میں بھی ان کا خاص رنگ جھلکتا ہے۔ (مرتب ۱۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قدرِ مجذوب

از: مولوی نجم احسن صاحب احسن پرتا بگڑھی رحمہ اللہ

کسی شاعر کے کلام کی اشاعت کے ساتھ یہ ضروری نہیں ہے کہ تقریظ یا تبصرہ بھی ساتھ ہی ساتھ جگہ پائے مگر ''خواجہ مجذوب'' کے کلام سے لطف اندوز ہونے کے لیے کم ازکم یہ ضروری ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ ان کو سمجھ لیں تا کہ یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ انہوں نے کیا کہا ہے اور کیوں!

صاحب کلام کی شخصیت درحقیقت اس ماحول کا پس منظر ہے جس سے کلام (بھی) متاثر ہے (اور صاحب کلام بھی)۔

عموماً شاعر اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے لیکن (ایک قسم کا) تو وہ (شاعر) ہوتا ہے جو گردوپیش کے موجودہ ممکنات بہ الفاظ دیگر موجود ومشہور اور ظاہر و باہر ماحول کو قبول کر لیتا ہے اور اسی طرح اس کا پیرو ہو جاتا ہے جیسے ایک بہنے والا دھارے کے ساتھ بہہ جائے۔

ان حالات میں شاعر صرف وقتی اور رآسانی حالات وکیفیات جذبات کا تصور ہوتا ہے۔ وقت کے رُخ کی ایک انداز خاص سے مورخی اس کا کام اور کارنامہ ہوتی ہے اور زیادہ دقیق نظر سے دیکھا جائے تو اس کا تفکر اور تصور سطحی اور کسی درجہ میں اضطراری ہوتا ہے وہ اپنا ماحول پیدا نہیں کرتا بلکہ جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس کا مملوک ومغلوب رہتا ہے۔ مجذوب کی شعریت کا تفکر اور تصور اس سطحیت اور عامیت سے فوق اور ممتاز ہے۔ عقل وحواس کی بیداری اور شعور واحساس کی حریت کامل کے ساتھ پہلے ذوق نے ایک ماحول اپنے لیے تجویز کیا پھر اس کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر مطلوبیت اور مرغوبیت کے درجہ کو پہنچایا اور بالآخر (دل) کو اس (ماحول) کی وہ دھن ہوگئی اور وہ لگن لگی کہ اپنے لیے ممتاز اور مخصوص ماحول پیدا کر کے اس پر جم گئے۔

یہ طرز وہی تھا جس کے لیے کہنے والے نے کہا:

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم — جنید و شبلی و عطار شد مست

پیش لفظ میں مجدد طریق معرفت ومفسر آئین محبت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (من بقر بائش) کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ ''خواجہ صاحب تصوف کے دقائق وغوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں۔''

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ سے زیادہ خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے

''اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست'' کا معاملہ تھا۔ مربی میں کیا ہے اور اس کے امکانات کیا ہیں۔ یہ خالص مربی کے علم کے دقائق ہیں۔ حضرت اقدس کو خود بھی مجذوب سے وہ تعلق تھا کہ حضرت والا ان کو اکثر ہمارے خواجہ صاحب کہہ کے یاد فرمایا کرتے تھے۔ لقب مجذوبؒ جو ماضی کے بعد حال اور مستقبل دونوں کا موضح اور ضامن ہوگیا۔ اسی مشرف اور اشرف بارگاہ سے عطا ہوا تھا اور سب سے زیادہ اس تعلق کے جمال اور مناسبت کے کمال کی آئینہ دار یہ خصوصیت ہے کہ سینکڑوں جلیل القدر اور متبحر علماء متقی اور پاک نفس عملاً اور محبّ و محبوب حساً علماء کرام کے ہوتے ہوئے ''اشرف السوانح'' کی تالیف اور ترتیب بلکہ ایک درجہ میں تصنیف کی بیش قدر اور گراں مایہ خدمت مجذوب ہی سے لی گئی۔ اگر مجذوب مزاج داں نہ ہوتے تو یہ کام ان سے کیوں لیا جاتا اور مزاج دانی دلیل ہے طریق دانی کی۔ اس سند کے بعد اس (راہِ سلوک) میں ان کے جان راہ ہونے میں شک کی گنجائش ہی کیا ہوسکتی ہے۔

چونکہ حضرت کے ارشاد گرامی میں لفظ سلوک آیا ہے لہٰذا مجذوب اور کلام مجذوب کی محرمی اور معرفت کے لیے ''تصوف'' سے روشناسی حاصل کرنا بھی ضروری ہوگیا۔

تصوف بے چارہ بھی اس درجہ بدنام اور اس قدر مجروح کیا گیا کہ عرف اور فہم عام میں اس کی ماہیت اور حقیقت ہی بدل گئی۔ عموماً شعراء نے اصطلاحات صوفیہ سے کلام میں گرمی حیات پیدا کرنے کی غرض سے فائدہ اُٹھایا حالانکہ محض شاعر کو اس حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی، نہ لگ سکتی تھی۔ بلا دقت فہم اور بغیر اجتہاد و فکر کے بے جانے بوجھے لکیر کے فقیر کی طرح شاعروں نے اُڑان کی لینا شروع کی اور اس حقیقت کو پس پشت ڈال دیا کہ یہ حال ہے۔ محض اور اکیلا قال، نہ اس کا حامل ہے نہ امین۔

محض حلقہ شعراء ہی میں نہیں بلکہ جو اپنے کو علمبر دارانِ تصوف کہتے ہیں اور کہلاتے ہیں اگر وہ متصوفین میں بھی نادان دوستی اور بے علمی سے اس دُرِ بے بہا کی بری گت بنی اور مثل ہوگئی۔ جیسے کسی اندھے کے سامنے کوئی حسین بے نقاب ہو۔ یہ موقع تفصیل کا طالب تو ہے مگر متحمل نہیں مگر طریق کی تصریح یوں کی جاسکتی ہے کہ حصول ایمان و اسلام بہ طریق احسان۔ احسان کی جو تعریف حدیث شریف میں آئی ہے ''ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ'' وہ عرفان کی جان، ایمان کی بنیان اور اسلام کی روح رواں ہے۔ سارے تصوف کی اور تفکرات کی بنیاد یہی گہر دانہ حسین اور جواہر پارہ جمیل ''کانک تراہ'' ہے جو محبت ہو جاتی ہے اس کے لیے امکان فنا ہے مگر جو محبت کی جائے اس کی منزل بقاء ہے۔ ہو جانے میں اضطرار ہے اور کیے جانے میں اختیار اور اختیار بھی ترقی کر کے صورۃً کیفیت اضطراری اپنے اندر سے ظاہر کرنے لگتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ استعداد تو ایک نعمت فطری ہے مگر استعداد صرف بناء ظہور ہے۔ ظہور بقاء اور بقائے ظہور کے لیے بہ اندازِ جمیل اور بہ اطوار حسین ترتیب ضروری ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان کی جو تعریف خود حضرت حق نے یوں فرمائی ہے ''والذین امنوا اشد حبا للّٰہ'' معلوم ہوا ایمان کی پہچان یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اسی کی ہو جس

نے محبت کی جنس گرامی کو مخلوق کے لیے مخلوق کیا اور فطرت بشری کو استعدادِ محبت سے مزین اور مہذب فرمایا۔

بہ الفاظِ دیگر ایمان (تسلیم) اور اسلام (اطاعت) طریق محبت میں پہلا قدم ہیں۔ اسی قدم میں فکر و شعور اور ذہنیت کا وہ ماحول بہ تدبیر و کوشش پیدا کیا جاتا ہے جس میں قصد و اختیار سے اس جذبہ محرک کو جسے صرف اپنے مقصد و اختیار کا ثمرہ سمجھا جاتا ہے' مٹانے کی دھن ہوتی ہے اور ساری طلب اسی کی ہوتی ہے کہ اپنے قصد و اختیار کی وسعتیں اس درجہ محدود اور فانی ہو جائیں کہ محبوب کی مرضی کے تابع ہو جائیں۔ بہ الفاظ دیگر اپنے کو بھلا کے انہیں کو یاد رکھا جائے اور انہیں اور صرف انہیں کی رضامندی مطلوب ہو۔ یہ وہ مقام ہے جو ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی کیونکہ طلب بہر حال طلب ہی ہے اور طلب ہی رہے گی۔ فرق صرف کیفیت رسوخ اور احساس و التذاذ کا ہے۔ ''احسان'' وہ اکسیر ہے جس سے یہ شفاء مطلوب حاصل ہونے کا امکان قوی ہے۔

عرفی اور رسمی تصوف میں انسان ڈوب جائے تو صرف سطحیات یعنی کیفیات اور احوال پر نظر ہوتی ہے اور وہ بھی بایں انداز کہ بظاہر کیفیات و احوال ہی کو مقاصد سمجھا جاتا ہے حالانکہ قولاً اگر محققین کے ارشادات سے سمجھا جائے اور حالاً اور حساً حالات و منازل محبت کی معرفت پیدا کی جائے تو یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ مقصود وہ اور صرف وہ یعنی ان کی رضا ہے باقی جو کچھ ہے وہ صرف وسائل رضا بے نتیجہ ہیں۔ چشم ظاہر کے سامنے موجودات کی ایک غیر محدود وسعت ہے۔ ''محبِ حقیقی'' نہ کہ محبِ لغوی گلستان سے بہار کی بہاروں کے متعلق قیاس آرائیاں کرتا ہے۔ یہ الفاظ حضرت مجذوب:

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم   دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

جب گلستان کو آئینہ بہار دیکھا جائے گا تو اس کی ساری رعنائیاں بھی کسی اور ہی کی رعنائیاں نظر آئیں گی۔

آتا ہے نظر حسن ہی جاتے ہیں جدھر ہم   کیا پھوڑ لیں آنکھیں ہی اب اے حسن نظر ہم

محبت کیا ہے؟ اس کا محل کون ہو سکتا ہے؟ اضطراری' طبعی' نفسیاتی اور نفسیاتی تاثرات سے جو تعلق ہوتا ہے یا جو محرکات ظہور میں آتے ہیں وہ محبت یا پرتو محبت نہیں۔ بقول جناب مجذوب:

یہ ہوا ثابت بوقت امتحانِ دردِ دل   دردِ دل سمجھے تھے جس کو تھا گمانِ دردِ دل

کیف محبت کے سراب کو خزینہ آب نہیں مانا جا سکتا۔ بھوک لگتی ہے تو بھوکا کھانے کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اس دوڑ اور اس طلب میں فرق کیا ہوا جس میں بجائے لذیذ غذا کے کسی حسین مطلوب کی طلب ہو اور اسی انداز اور بے صبری سے جیسے لذیذ غذا کی ہوتی ہے ایسی طلب میں فکر ہوتی ہے' حصول اور وصول کی اور اس حصول و وصول کی سعی میں وسائل کے حسن و قبح پر بھی نظر نہیں ہوتی۔ بس شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی۔ یہ صورت حال صرف گرسنگی اور تشنگی کی قسم کی محبت کی عام لغوی میں نظر آئے گی ورنہ محبت تام و حقیقی نام ہے ہوش و عقل اور شعور کے ساتھ ترک اختیار ترک وہم اور ترک فکر وصول کا۔

''سپر دم بتو جملہ خویش را''

ذوق شعری' فطری اصلی اور سلیم ذوق شعری اس آنِ حقیقت کو خوب (اور مزے لے لے کے خوب)

سمجھ سکتا ہے کہ خلقت ہوئی ہے۔ جمال الٰہیہ کے ناز تشریح کے اعتراف وتحمل کے لیے عام اور عرفی محبت کے لیے مقصود محبت، مجازی، مادی اور پیکری ہوتا ہے اور فکر اور کوشش ہوتی ہے۔ مقصود و مطلوب کو مفتوح کرنے کی، مگر مقصود مل گیا تو روح محبت مردہ ہو جاتی ہے ورنہ امتداد سے کمزور تو بہر حال ضرور ہو جائے گی۔

ناز تشریع کے محرمان اسرار کے یہاں مقصود غیر متناہی اور ''آتش عشق ہر روز تیز تر گردد'' کا عالم ہوتا ہے۔ یہاں کوشش ہوتی ہے استعمال اختیار حسب رضاء محبوب اور موافق و ماتحت مرضی مختار کی مقصود خود کو مفتوح و مغلوب کرتا ہے۔ بایں انداز کہ ترک اختیار پر کاربند ہونا فرض اولین ہے۔ محبت کے اس فرق امتیازی کو زبانِ مجذوب یوں ادا کرتی ہے:

اہل ظاہر نہیں سمجھے تجھے اے سادہ جمال — کوئی اس حسن کو پوچھے ہم ادادانوں سے

سچی بات یہی ہے کہ دقائق ادا تک رسائی صرف ادادانوں ہی کی ہو سکتی ہے۔ بتائیے مجذوب سے ادادانوں کے سوا یہ کون کہہ سکتا ہے۔

محبت، محبت، محبت، محبت — بڑا لطف دیتا ہے نام محبت
محبت کے بدلے محبت ستم ہے — نہ لے اُف نہ لے انتقام محبت

تصوف ایک نام ہے اصول محبت کے حالات اور حقوق کی ادائیگی کی اصلیت (پیدا کر کے) پیدا ہونے کا۔ اس عالم میں زندگی کہتے ہیں بندگی کو اور بندگی اسیرانہ نہیں عاشقانہ، بہ زبانِ احقر احسن:

انکا سا کچھ ہوئے بغیر ان کا ہو ہم نشیں کیوں — اے مرے عشق فتنہ گر تو بھی نہیں حسین کیوں

ان سے ربط پیدا کرنے اور پیدا ہونے کے لیے کچھ نہ کچھ ان کا سا ہونا ضروری ہے۔ ملکات فاضلہ اسی لیے ودیعت کیے گئے ہیں کہ اخلاق الٰہیہ کے رنگ میں مشہود ہوں اور ان سے حصول ربط کی سعی کرنے میں اس رنگ کا چڑھ جانا یقینی ہے اور جتنی ہی سعی میں کمی ہوگی اس رنگ میں کمی ہوگی۔

اے کے فضائے حسن خود ہو نہ گیا حسین کیوں — عشق ہی میں اگر مرے کوئی کمی کہیں نہیں

''طریق احسان'' حصول محبت کے لیے راس التدبیر بلکہ واحد تدبیر ہے۔ تصوف کی اصطلاح اختیار کی گئی۔ محض تشریح، تصریح اور توضیح کے لیے فہم کو قریب اور عمل کو اس کی طرف مائل کرنے کے لیے احسان کے ہر رُخ ہر کنایہ اور ہر صراحت کی بسیط تفصیل اس طرح کر دی گئی کہ ہر ادا آئینہ ہو جائے۔ بعض چیزیں تدبیر اور علاج کے درجہ میں خارج سے بعد میں ایسی شامل کی گئیں جو ابتداء میں نہ تھیں۔ ان میں خارجیت کے متعلق نافہمی نے بہت سے فرضی اور من گھڑت گھروندے بنا ڈالے اور بعض لوگوں نے ان محدثات پر اتنا زور دیا اور ان پر وہ وقت گنوایا کہ حاصلاً حقائق ان سے نہیں تو ان کی راہ پر چلنے والوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

بہر صورت ''گوہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است'' گرد آلود ہو جانے سے حسین چہرہ کے حسن میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا۔ حسن ہر آں اور ہر شان میں حسن ہی ہے اور حسن ہی رہے گا۔

بدعات کے حصار میں بھی اصل دین کی تابانیاں مخفی نہیں رہتیں۔ اس طرح باوجود زوائد حشویات اوراغلاطیات کے خود اصل دین اور تصوف کے محاسن اپنی جگہ قائم ہیں۔

شعریت یا شعر وسخن کا تعلق سلوک سے کیا ہے؟ یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک نکتہ اس سلسلہ میں بالکل بے پردہ سامنے ہے اور وہ یہ ہے کہ شعر میں حدود کی رعایت سے اگر حظوظ کی رعایت کی جائے تو کوئی عیب نہیں۔ "**والشعراء یتبعهم الغاوون** کے بعد **الا الذین آمنوا**" بھی ہے۔ دوسری چیز ذوق شعری کا محرک اور معین حصول آداب محبت ہوتا ہے جن فطرتوں کو قدرت سے ذوق شعری کی فراوانی' کیفاً' یا کماً یا کیف وکم دونوں کی بہتات کے ساتھ عطا ہوئی ہے ان میں حاصلی اور ثمراتی درجہ میں محبت کی استعداد ادادانی اور رمز شناسی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے اور حسن تدبیر اس دولت اس دولت بے بہا کو یہی نہیں کہ چار چاند لگادے بلکہ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے اور جمال وکمال کے سارے محاسن اس پر خود ہی نثار ہونے لگتے ہیں۔

اس راہ میں بے راہ وہی نظر آئیں گے جو سوء تدبیر یا نقص تربیت کے شکنجے میں پڑ گئے یا جنہوں نے آمد یا آورد کے فرق کو محسوس نہ کر کے اپنے امکانات سے زیادہ بلند پردازی شروع کردی۔ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اساسی طور پر جس طرح راکب روح کو راہ طے کر کے منزل پر پہنچنے کے لیے مرکب تن کی ضرورت ہے اسی طرح ذوق شعری بالفاظ دیگر امکانات واستعداد موسیقی ونغمہ بالکل اسی طرح جیسے آواز واسطہ سماعت سے ذوق تک پہنچتی ہے' نفس اور نفسیات کو چھیڑ کے روح اور روحانیت کو جنبش میں لاتی ہے۔ بقول سعدیؒ:

برگ درختان سبز و نظر ہوشیار　　　　ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

یہاں بھی معرفت کردگار کے دفتر ہونے کے لیے نظر کا ہوشیار ہونا ضرور ہے ورنہ ہر نظر میں وہ بصیرتیں کہاں۔

ایک بار خواجہ مجذوب کے ذکر جمیل کے سلسلہ میں ایک شناسا اعلیٰ عہدیدار نے جو تعلیم جدید کے ساتھ ماحول قدیم کے بھی آشنائے لذت ہیں اور یورپ' امریکہ اور ممالک عربیہ اور اسلامیہ کی سیاحت بھی کر چکے ہیں۔ راقم الحروف سے یوں اپنی رائے ظاہر کی کہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجذوب کو سنبھال لیا اور مرتب ومہذب فرمادیا ورنہ اس شخص کی استعدادیں نہ جانے اسے کس فضائے رقصاں میں گم کردیتیں۔ غالباً اسی طرح کے احساسات نے زبان مجذوب سے یوں حقیقت کو جہاں آشکار کردیا کہ:

مرا ساز ہستی ہے لبریز نغمہ　　　　میں اک مطرب خوشنوا چاہتا ہوں

ساز کے نغمے ہمیشہ زخمہ مطرب کے انتظار میں رہتے ہیں۔ مجذوب کا خزینۃ النغمات بہ صورت ذوق شعری چشم براہ تھا۔ تھانہ بھون کے مربی کے مضراب تربیت کا اگر نغمانیت اور شعریت' تربیت میں مقید ومحصور نہ کردی جاتی تو نہ جانے استعداد مجذوب پر کیا کیا بجلیاں گرتیں۔ مجذوب کو خود بھی اپنی اس شعلہ فطرتی کا احساس تھا اور اس کے ایک رُخ کو یوں فرماتے ہیں:

نکلتے ہیں نالے بھی منہ سے تو موزوں　　　　عبث شاعری چھوڑنا چاہتا ہوں

رحمت کی جو بارش ابر کرم سے ہوتی ہے اگر تالاب حوض اور نہروں میں اس کے پانی کو اکٹھا اور محفوظ نہ کر دیا جائے تو بنجر اور شورز میں جذب ہو کے رہ جائے اور بارش رحمت کی نافعیت اور افادیت ظہور ہی میں نہ آسکے۔ اسی طرح بصیرت ''حسن نظر'' حسن ذوق (جس کا ایک پرتو ذوق شعری بھی ہے) اگر تربیت سے محروم و مہجور رہیں اور بے محل اضاعت کا شکار ہو جائیں۔ اس قسم کی ہر استعداد اور شان کے تمامی امکانات اور میلانات کا ''ثمرہ محسوس'' ذوقِ محبت ہے۔

یہی ذوق محبت اگر حیوانیت کی طرف جھک جائے تو انسان کو ''اس کے جسم و روح کو'' اس کے میلانات و رجحانات کو اس کے استعداد و امکان کو اس کے کردار و اطوار کو بہترین نمونہ حیوانیت اور بدترین نظیر بربادی انسانیت بنا دے اور اگر روحانیت یعنی مطلوب بلندی انسانیت کی طرف پرواز کرے تو ''صاف اگر باشد ندانم چوں کند'' کا مضمون ہوگا۔

آپ جہاں بھی سنیں گے کہ ذوق سماع کا وجود ہے وہاں بنیادی چیز صرف یہی ہے کہ ذوق شعری میلان نغمائیت اور استعداد حسن پسندی کی ضیافیت طبع کی جاتی ہے۔ اگر غذا لطیف ہے تو نتائج لطیف ہوں گے اور اگر غذا کثیف ہے تو نتائج بھی کثیف اور اصل حاصل اس استعداد کا ذوق محبت ہے اور تصوف کی صورت میں اہل ذوق اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بس جو الجھی ہوئی اور مجمل تفسیر اس بنیادی پس منظر کی ہو سکے جس کے تاثرات نے مجذوب کی شعر نوازی کی صورت اختیار کی وہ سطور بالا میں کی گئی۔ اب ان معہودات فہمی و ذہنی کے ساتھ کلام مجذوب کو دیکھئے تو اس کی حقیقتیں آپ پر آشکار ہوں۔

مفسرین محبت نے آئین محبت کی تدوین کر کے اس کو ایک فن کی حیثیت کو پہنچا دیا اور درحقیقت یہی تصوف ہے۔ جو فطرتیں خالق فطرت کے تصور سے دور ہو کر یا اس کے اندازِ مقبول کی روشنی سے الگ ہو کر اس راہ میں چلیں۔ وہ کف دود اور مشت غبار ہی کہ بے حاصل حاصل تک پہنچ سکیں اور جن کی تربیت طریق الٰہیہ پر ہوئی وہ ترقی کرتی گئیں اور دقائق مقصودہ سے بہرہ اندوز ہوتی گئیں۔ مجذوب دو لفظوں میں ترجمان محبت تھے اور بس۔

تصوف کے اسرار و غوامض کو اشعار میں ادا کرنا یہی معنی رکھتا ہے کہ محبت کے ''ادادانوں'' میں ہیں اور (کسی درجہ میں) قابو یافتہ اور فہیم ''ادادانوں'' میں کیونکہ ''راہِ جمال'' کی ''شاہرہ جمیل'' کے ہر پیچ و خم اور نشیب و فراز سے جانی بوجھی واقفیت رکھتے ہیں اور یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ ''ہر چہ بروے می رسی بروئے مالیست'' اسی لیے تو کہتے ہیں:

بہت دور پہنچا ہے مجذوب پھر بھی ۔۔۔ بہت دور ابھی ہے مقامِ محبت

یہ سمجھنے کی بات ہے کہ مقام محبت تک پہنچنا مقام محبوب تک پہنچنا ہے۔ محبوب غیر متناہی ہے تو مقام محبت کی فضا بھی وہی ہے۔

''نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں''

اتنا اور سمجھ لینا چاہیے کہ غوامض اور دقائق تصوف کتابی چیز نہیں احساسی اور احوالی نوادر ہیں۔

اصطلاحات کتابی اور القابات عرفی احساس اور احوال کے محشر کیف کو ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ پھر بھی ماہرین نے فنی حیثیت سے کچھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جناب مجذوب نے کتابی اور عرفی رخ کے علاوہ احساسی اور احوالی اسرار بھی کچھ نہ کچھ فاش کر دیئے ہیں۔

ان کے کلام سے لذت اندوزی جب ہو سکتی ہے جب ان کو سمجھ لیا جاتا ہے اور پورا لطف تو اسی کو آ سکتا ہے جو خود اس شاہراہ پر گامزن ہو۔ اب صرف چند اشعار بلا خاص ارادہ انتخاب کے پیش کر کے ان کے متعلق چند اشارات کر دیئے جائیں اور اس نگارش مجذوبانہ کو ختم کر دیا جائے۔ یہ امر البتہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حضرت مجذوب غامض سے غامض اور دقیق سے دقیق سر کو اس سلامت امکانی اور سلامتی سے ادا کر جاتے ہیں کہ ہر ایک کے لیے ناممکن ہے اور اس کے سبب دو ہی ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ ایک تو زبان اور ادا پر قدرت، دوسرے اس نکتہ پر عبور کامل جسے وہ بیان فرما رہے ہیں۔ اپنی مجذوبیت میں بھی تصور اور گفتار کے اس ہوش کا ثبوت دیا ہے جو عام طور پر سالکین کو حاصل نہیں اور خصوصیت امتیازی مرہون منت ہے۔ حضرت شیخ کے فیضان تربیت کی قادر الکلامی کا تو یہ عالم تھا کہ جو بات کہنے کے قابل ان کے نزدیک ہو سکتی تھی اور کہنے پر آ گئے تو اس بے تکلفی اور بے ساختہ روانی سے ادا کر جاتے تھے کہ شاید و باید۔

اور بہر حال حدود سے باہر تو کبھی وہ ہوئے ہی نہیں۔ صفت تو یہ ہے کہ ظرافت کے میدان میں بھی سنجیدگی اور سبق آموز پر ہمیشہ نظر رہی اور عموماً ان کے تمامی اثرات فکر کا منشاء ایک اور صرف ایک اور یہ تھا:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذا رند و خم طرہ یارے گیرند

ملاحظہ فرمائیے اس شعر میں جذب و سلوک کے فرق اور شیخ کے حسن تربیت کو کس حسن و خوبی سے اور کس سادہ انداز میں ظاہر کیا ہے۔

محفل میں تیری سب کے ارمان نکل رہے ہیں سالک اُبل رہے ہیں مجذوب اُچھل رہے ہیں

ذرا اس شعر پر توجہ فرمائیے:

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

اس شعر کا مزہ تو وہی خوب لوٹ سکتا ہے جس نے خود انہیں پڑھتے سنا ہو۔

مگر بہر حال محبت کا معراج کمال وحدت طلب، وحدتِ رویت، وحدتِ شہود، وحدتِ وجود کیا ہے جو اس میں نہیں۔ پھر تاروں اور مہر کی مثال سے تاروں کا اکتسابِ نورِ مہر سے واضح کر کے مہر کے سامنے ان کا مانند بلکہ بے وجود ہو جانا۔ عارف کا مظاہر اور ممکنات کے حجابات اُٹھا کے اسی کو جلوہ گر دیکھنا۔ سبحان اللہ ایک شعر ہے:

لاکھ اُٹھا اب کہیں اُٹھتا ہے یہ مجذوب کا سر سجدہ مچلا ہے ترے در پہ جبیں ناز میں ہے

جبیں کو صاحب ناز اس حسن سے دکھا دینا شاعر محض کا کام نہیں۔ ایک تو سجدہ ہی مقصود عبد و بندگی ہونا پھر اس مقصد کے حصول و مقام پر جبین ساجد اور احساسِ سجود کا ناز اور تمنا و قصد مداومت۔ اللہ اللہ

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب تب کہیں جا کے ترے دل میں جگہ پائی ہے

ماسوا کو عموماً اور کبر و حب جاہ کو خصوصاً آگ لگائے بغیر منظور و مقبول ہونا ممکن نہیں کیوں نہ مجذوب کے حسن ادا کی داد دیجئے۔ دیکھئے! ایک معنی کر کے اپنے کلام، طرز کلام اور بنا کلام پر بہترین مفسرانہ تبصرہ وہ خود ہی کرتے ہیں:

قدر مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو　　　شہرہ عام تو اِک قسم کی رسوائی ہے

طالب کی معراج کا مقام سجدہ باحضور ہے فرماتے ہیں:

تصور عرش پر ہے وقف سجدہ ہے جبیں میری　　　مرا اب پوچھنا کیا آسماں میرا زمیں میری

تصور عرش پر ہے "**کانک تراہ**" کی تصویر پیش نہیں کرتا تو کیا ہے "**الا لیعبدون**" کی شان وقف سجدہ ہے، جبیں میری سے ظاہر ہوتی ہے اور دوسرا مصرع "**سخر لکم مافی السموات والارض**" کا پرتو ہے۔

کلام مجذوب ایک دفتر ہے معرفت طریق اور ادادائی رموز محبت کا کوئی کہاں تک نمونہ پیش کرے گا۔

ایک غزل کے چند اشعار بلا انتخاب خاص سن لیجئے اور بس مگر اس مطلع کے بعد:

لڑکپن میں ہم عشق کا کھیل کھیلے　　　وہ تتلا کے کہنا الے لے، الے لے

حیرت اور حیرت کا اثر اور راہِ اور راہِ عشق میں اسرار غوامض کے لحاظ سے ہمیشہ مبتدی رہنا کیا خوب واضح کیا ہے۔ طور ہو کر دور ہو کر والی غزل کے چند شعر بے ساختہ یاد پڑ گئے۔ ذرا انہیں بھی دیکھئے:

سردار ہو کر سر طور ہو کر　　　ترے پاس آئے بڑی دور ہو کر

سردار اور سر طور میں احوال و کیفیات کی طرف اشارہ ہے۔ اس دقیقہ کے ساتھ کہ احوال و کیفیات مشعل راہ اور نشان طریق ہوں تو ہوں خود ان سے بہر صورت بعید ہیں اور ان تک پہنچنا اور کچھ ہے اور احوال و کیفیات اور چیزیں:

نہ ترساؤ ہر گام پر دور ہو کر　　　کوئی ہار بیٹھے نہ مجبور ہو کر

راہِ محبت میں یوں بھی ہوتا ہے اور اس لیے اس حسن وطلب کی ضرور داد دیجئے جو ''ترساؤ'' میں ہے اپنی مجبوریوں کا اظہار ''کوئی ہار بیٹھے'' میں صاف صاف ہے اور دونوں مصرعوں میں اس کو بالکل کھول دیا کہ وصول صرف ان کے کرم پر منحصر ہے تو بقول مجذوب:

''وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں''

قیام حدود عشق کی تصویر کیا خوب کھینچی ہے اس شعر میں:

حدیں عشق کی کر رہے ہیں وہ قائم　　　کبھی پاس ہو کر کبھی دور ہو کر

اور پھر تسلی کا پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ درمیان میں ایک اور مطلع یاد آ گیا:

چمکنے لگا سر بسر نور ہو کر　　　میں جل جانے والا نہیں طور ہو کر

سماوات وارض کے ساتھ جبل نے بھی حمل امانت سے انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا بمقابلہ طور انسان کا تفوق ظاہر ہے۔ دوسرا اشارہ جو اس میں ہے وہ یہ کہ تجلیات وانوار کا ورود جب ہوگا تو ان کی برکات سے مصفی و مزین اور مہذب ہو جائے گا اور جہاں یہ صورت ظاہر نہ ہو سمجھ لینا چاہیے کہ تجلیات نہیں صرف گمان ہے۔

تن یاسمین پر لباس مصفی　　　وہ آئے ہیں نور علی نور ہو کر

شیخ کی تعریف میں اس شعر کو سمجھ لیجئے یا نعت میں مانئے۔ ہر جگہ صادق، یاسمین میں رنگینی

نہیں ہوتی' سفید سادگی ہوتی ہے اس سے کنایہ ہے۔ جلوہ بے رنگ کی طرف اور نور علی نور تو اللہ نور السموات والارض کے بعد ارشاد الٰہی ہے:

یہ کس کی محبت میں مرنے چلا ہوں　　چلی آ رہی ہے قضا حور ہو کر

موت مؤمن کا تحفہ ہے اور مؤمن کی صفت اشد حباللہ ہے۔ خواجہ حافظ نے بھی فرمایا ہے:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا در میکدہ شادان وغزل خواں بروم

حکایت لذیذ ہے اور اندیشہ ہے کہ طبیعت اسے دراز تر نہ کر دے۔ لہٰذا ان شعروں پر گزارش ختم کی جاتی ہے۔

جب عشق میں ہو حسن خداداد کا عالم　　تب آئے نظر حسن خداداد کا عالم
احسن یہ خداداد بصیرت نے دکھایا　　مجذوب میں ہے حسن خداداد کا عالم

بطور ضمیمہ یہ امر بھی واضح کر دینا ہے کہ معاصرین میں بھی حضرت مجذوب کی حیثیت شاعرانہ کا پایہ بلند تھا اور مشاہیر تو ان کے کلام سے بے حد لذت اندوز ہوا کرتے تھے۔ جناب ہر گوبند دیال صاحب نشتر پریذیڈنٹ بار ایسوسی ایشن اورئی کے ذریعے سے جو حضرت مجذوب کے طالب علمی کے رفقاء میں ہیں۔ استاد مسلم الثبوت جناب سیماب اکبر بادی مرحوم کا وہ قطعہ تاریخ جو انہوں نے جناب مجذوب کی وفات پر لکھا تھا۔ احقر تک پہنچا:

آں عزیز احسن امیر و فقیر　　سید و صوفی و عزیز قلوب
بست و ہفتم زماہِ شعبان رسعت　　مہر شد صبح پنج شنبہ غروب
شرفے یافت در ریاض جناں　　کہ زاشر فعلی ہدہ منسوب
شاعر خوش بیان و شیوہ کلام　　شعراء بود نغمہ مرغوب
نشتر از ہجر او جراحت یافت　　ہمچو یوسف ز صدمہ یعقوب
سال رحلت بگفتم اے سیماب　　صاحب کشف سالک مجذوب

۱۰۱　　۴۰۰　　۱۱۱　　۷۵۱

۱۳۶۳ھ

اس قطعہ میں شیوہ کلام عمومی حیثیت سے اور نغمہ مرغوب بہ رعایت اسم تاریخی جناب مجذوب اور نیز بہ لحاظ معنویت دونوں ٹکڑے خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں اور مصرعہ تاریخ بھی خوب ہے۔

۱۷ اگست ۱۹۴۴ء کو حضرت مجذوب جنت الفردوس کو راہی ہوئے۔ بستر علالت سے ۱۵ اگست ۱۹۴۴ء کو جو محبت نامہ انہوں نے اس ناچیز کو رقم فرمایا۔ بہ دست نفیس وہ ۱۸ اگست ۱۹۴۴ء کو موصول ہوا۔ ان کے صف قدسیاں میں شامل ہونے کے ایک دن بعد اس نامہ محبت کے چند الفاظ پر اس ژولیدہ نگاری کو ختم کیا جاتا ہے۔ بہر حال

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار　　لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دعائے صحت فرمائیں۔ بظاہر ان شاءاللہ کوئی خاص تردد کی بات معلوم نہیں ہوتی۔

والغیب عنداللہ والخیر ما اراد اللہ رقم زدہ　　''احقر نجم احسن'' احسن

حمد

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

ظاہر مطیع و باطن ذاکر مدام تیرا   زندہ رہوں الٰہی ہو کر تمام تیرا
بگڑے نظامِ دیں کو میرے بھی ٹھیک کر دے   ہر دو سرا میں کیا کیا ہے انتظام تیرا
زنہار ہو نہ شیطاں عاجز یہ تیرے غالب   بندہ نہ ہو نفس کا ہرگز غلام تیرا
یہ بدلگام و بدرگ نفسِ شریر و سرکش   اے شہسوارِ خوباں ہو جائے رام تیرا
چھوڑوں نہ زندگی بھر پابندیٔ شریعت   ہو مثلِ زلفِ دلبر مرغوب دام تیرا
دوری میں شاہِ خوباں ابتر ہے حال بے حد   ہو جائے منکشف ہاں اب قربِ تام تیرا
زورِ کشش سے تیرے کر جائے قطع دم میں   راہِ دراز تیری یہ سست گام تیرا
پردہ خودی کا اُٹھ کر کھل جائے رازِ وحدت   ہو مستِ جامِ اُلفت یہ تشنہ کام تیرا
باطن میں میرے یارب بس جائے یاد تیری   ہر دم رہے حضوریٔ دل ہو مقام تیرا
مونس ہو میری جاں کی فکرِ مدام تیری   ہمدم ہو میرے دل کا فکرِ دوام تیرا
دل کو لگی رہے دھن، لیل و نہار تیری   مذکور ہو زباں پر ہر صبح و شام تیرا
مورد رہے یہ ہر دم تیری تجلیوں کا   ہو جائے قلب میرا بیت الحرام تیرا
سینہ میں ہو منقش یارب کتاب تیری   جاری رہے زباں پہ ہر دم کلام تیرا
ہے اب تو یہ تمنا اس طرح عمر گزرے   ہر وقت تیرا دھندا ہر وقت کام تیرا

دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب تو ہی تو ہو
ہر پختہ کارِ وحدت مجذوبِ خام تیرا

دنیا سے اس طرح ہو رخصت غلام تیرا   ہو دل میں یاد تیری ہو لب پہ نام تیرا
ہر ماسوا سے غافل شوقِ لقا میں تیرے   ہو جان و دل سے حاضر سن کر پیام تیرا
ہے خوبیٔ دو عالم اک حسنِ خاتمہ پر   کرنا سرا اس مہم کا ادنیٰ ہے کام تیرا
رگ رگ میں مرتے دم ہو صدقِ یقیں کے باعث   تیرے نبیؐ کی وقعت اور احترام تیرا
منکر نکیر آکر دے جائیں یہ بشارت   تجھ کو رہے مبارک حسنِ ختام تیرا
رحمت سے بخش دینا میرے گناہ سارے   روزِ جزا نہ دیکھوں میں انتقام تیرا

ہوں ارذلِ خلائق اشرف کا واسطہ ہو — شافع ہو جو نبیؐ ہے خیر الانام تیرا
اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی اِن میں شامل — جن پر عذاب یارب ہوگا حرام تیرا
اَوروں کے آگے رُسوا کرنا نہ مُجھ کو مَولے — آگے ترے خجل ہے عاصی غلام تیرا
دینا جگہ مجھے بھی بندوں میں خاص اپنے — جب منعقد ہو یارب دربار عام تیرا
محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل — تیرے نبی کے ہاتھوں کوثر کا جام تیرا
جنت میں چشمِ حیرت ہو شاد کام میری — جلوہ رہے میسّر اس کو مدام تیرا
ہو جملہ انبیاءؑ پر اصحابؓ و اَولیاءؒ پر — دائم صلوٰۃ تیری پیہم سلام تیرا

دونوں جہاں کا دُکھڑا مجذُوب رو چکا ہے
اب آگے فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

مُجھ پہ یہ لُطفِ فراواں میں تو اِس قابل نہ تھا — تیری اِس رحمت کے قرباں میں تو اِس قابل نہ تھا
یہ تہی دستِ ازل بھی تیرے دَر سے اے کریم — لے چلا ہے بھر کے داماں میں تو اِس قابل نہ تھا

ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الوریٰ
شیخ بھی ہے قطبِ دوراں میں تو اِس قابل نہ تھا

لئے جاؤں گا عُمر بھر نام تیرا — ہے سُننا نہ سُننا شہا کام تیرا
مَیں ہوں ساری دُنیا کے جھگڑوں سے یکسو — یہ ہے جذبِ اُلفت ہے انعام تیرا
یہ خواری مری موجبِ صد شرف ہے — مَیں رُسوا ہُوں تیرا میں بدنام تیرا

مُرادوں بھری ہے مری نامرادی
وہ ہے کامراں جو ہے ناکام تیرا

اپنی طرف سے نزدِ رگِ جاں حضور ہیں — غافل ہمیں ہیں قرب سے ہم خُود ہی دُور ہیں
رکھیں ذرا خیال حُضوری کا گر تو پھر — آنکھوں کا نُور آپ ہیں دل کا سُرور ہیں

--------☆--------

نہیں میرا کوئی حامی خداوند سوا تیرے
سناؤں کس کو میں حالِ پراگندہ سوا تیرے

پھنسا ہے مرغِ دل بے طرح میرا بندِ عصیاں میں
چھڑا دے کون کس سے یہ کھلے پھندا سوا تیرے

رگ و ریشہ ہے میرے قلب کا آلودۂ عصیاں
کسی سے ہو سکے کیا پاک یہ گندہ سوا تیرے

زمیں کیا، آسماں کیا، کوہ کیا، گلزار و صحرا کیا
سبھی ہو جائینگے اک دن پراگندہ سوا تیرے

ظہورِ کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ برپا ہے عالم میں
نہیں موجود کوئی چیز پائندہ سوا تیرے

نگینِ دل سے مٹ جائے نشانِ عالمِ فانی
کسی شئے کا نہ نقش اس میں ہے کندہ سوا تیرے

نہ ہو مطلب کسی سے یاد تیری میری ہمدم ہو
نہ کوئی کام ہو مجھ کو نہ کچھ دھندہ سوا تیرے

گناہ جتنے ہی ہوں لیکن بتا سکتا ہوں ہاں اپنا
کرم ہیں میرے جرموں سے خداوندا سوا تیرے

حسنؔ[1] اوپر ترے فریاد لایا نفسِ سرکش کی
مدد چاہے بھلا کس سے ترا بندہ سوا تیرے

☆

۱؎ : حسنؔ خواجہ صاحب کا پہلا تخلص ہے۔ ۱۲

نعت

گروہِ رازدانِ طلسمِ فطرت پہ نہیں مخفی
یہ سب ہنگامۂ دُنیا خبر ہے مُبتدا گم ہو

◎

بس اَب تو ایک میرا کام ہو جائے
اِسی پہ اَب مجھے حاصل دَوام ہو جائے

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں
تمام عُمر اِسی میں تمام ہو جائے

◎

اتنا ہُوا قریب کہ وہ دُور ہوگیا
اتنا ہوا عیاں کہ وہ مستور ہوگیا

پردہ کیا ہے دُور تو کیا دُور ہوگیا
وہ آپ اپنے نُور میں مستور ہوگیا

سارا بدن حضور کا جب نُور ہوگیا
پھر دُور کیا ہے سایہ اگر دور ہوگیا

وہ نورِ حق جو قبر میں مستُور ہوگیا
ہر ذرۂ زمین، لحد طُور ہوگیا

حضرت کا جس مقام پہ مذکور ہوگیا
ہر سو ملائکہ سے وہ معمُور ہوگیا

دشمن بھی مان لینے پہ مجبور ہوگیا
بے اختیار خم سرِ مغرور ہوگیا

آیا جو سامنے وہی مسحُور ہوگیا
زنّارِ کفر توڑ کے ذوالنّور ہوگیا

سُوئے مدینہ جانے کا مقدور ہوگیا
سامانِ راحتِ دلِ رنجور ہوگیا

جس کا خُدا کو بخشنا منظُور ہوگیا
اُس کو مدینہ جانے کا مقدور ہوگیا

جس دم تصوّرِ رُخِ پُر نور ہوگیا
سینہ تمام نُور سے معمُور ہوگیا

خطّہ عرب کا نُور سے معمور ہوگیا
سارا اندھیرا کُفر کا کافُور ہوگیا

مشقِ تصوّرِ رُخِ پر نُور جب بڑھی
مَیں سر سے لے کے تابقدم نُور ہوگیا

کیا فیض تھا کہ پڑگئی جس پر بھی اِک نظر
رشکِ جُنید و شبلی و منصُور ہوگیا

ماہِ عرب کہ مہرِ جہاں تاب تھے حضور
عالم تمام نُور سے معمور ہوگیا

ہر قول و فعل حضرت محبوب کبریا
تا حشر خلق کے لئے دستور ہوگیا

یا جان لینے آیا تھا قاتل حضور کی
یا اپنی جان دینا بھی منظُور ہوگیا

ملتے ہی آنکھ دشمنِ جاں بھی تھا جاں نثار
پہلا ہی وار آپ کا بھرپور ہوگیا

موتی بکھیرے مَیں نے مزارِ حضُور پر
ہر قطرہ اشک کا درِّ منثُور ہوگیا

زیرِ علم حضور کے آ کر جو لے پناہ
مغلُوب بھی مظفّر و منصور ہوگیا

شغلِ درود بھی ہے عجب شغلِ خوشگوار
جتنا تھا رنج و غم وہ سب دُور ہوگیا

کیا حد ہے فیضِ شافعِ محشر تو دیکھئے
مجھ سا گنہگار بھی مغفُور ہوگیا

گو تھے اُویس دُور مگر ہوگئے قریب
بوجہل تھا قریب مگر دُور ہوگیا

کیفِ نگاہِ ساقی کوثر نہ پُوچھئے
آیا جو سامنے وہی مخمور ہوگیا

اِک دم نظر جو گنبدِ خضرا پہ جا پڑی
سارا سفر کا رنج و تعب دُور ہوگیا

سب نعت ہی ہے جسکی بھی تعریف کیجئے — صلِّ علیٰ جو کہنے کا دستور ہوگیا
مجذوب کی معاف نہیں ہرزہ گوئیاں — ایک شعر بھی جو نعت کا منظور ہوگیا
اب بعد نعت ہرزہ سرائی کا مُنہ نہیں — مجذوب شعر کہنے سے معذور ہوگیا

اے خضرِ راہ لے خبر اے جذب کر مدد
مجذوب قافلہ سے بہت دُور ہوگیا

دیگر

ہو نعت بشر کیا کوئی شایانِ محمّد — ہے جبکہ خدا خود ہی ثناخوانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قرُبانِ محمّد

اللہ رے جولان گہِ عرفانِ محمّد — ہے ہر دو جہاں گوشۂ دامانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہے آیتِ حق نامِ خُدا شانِ محمّد — تفسیر اسی کی ہے یہ قرآنِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

درکار و سزاوار و مریضانِ محمّد — درمانِ مسیحا نہیں درمانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

تھمتے نہیں اشکِ غمِ ہجرانِ محمّد — رہتے ہیں سدا طالبِ دامانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہو جائے جو یہ عشق میں قربانِ محمّد — کہلائے مری جانِ حزیں جانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہیں لعل و جواہر لب و دندانِ محمّد — گویا ہے دہن پاک بدخشانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

رکھتا ہے ستوں چار یہ ایوانِ محمّد — وہ چار جو ہیں خاصۂ خاصانِ محمّد
مَیں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

یارب رہوں دن رات غزل خوانِ محمّدؐ — ہو جیسے حسن بھی ترا حسّانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

رفعت ہو بیاں کیا جسے کہتے بھی ہیں معراج — پائیں ترے ایوان کی ہے اے شانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

ہر سُنّتِ حضرت پہ چلیں سر کے بل اے دل — کر دے جو خُدا تجھ کو ادب دانِ محمّدؐ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

کیا بات ہے حضرت کی اطاعت کے شرف کی — شاہانِ دو عالم ہیں غلامانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

تخلیقِ دو عالم کے ہوئے آپ ہی باعث — دیکھے کوئی شان و سر و سامانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

ہے دعوتِ ہر جنّ و بشر تا بہ قیامت — عالم میں بچھا خوانِ پُر الوانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

ہر ایک نبی کا تھا جدا لونِ نبوّت — آخر یہ کھلا تھے وہ سب الوانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

جاں دینے کو تیار ہی رہتے تھے صحابہؓ — کافی تھا فقط جنبشِ مژگانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

ان مختلف الشّان بزرگوں نے دکھائی — نیرنگیِ گلہائے گلستانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

انکارِ نبی لازمِ انکارِ احد ہے — ایمانِ خُدا لازمِ ایمانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

سُن کہتی ہے کیا آیتِ قُل فاتّبعونی — محبوبِ خُدا تابعِ فرمانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

ہے طاعتِ حق صلِّ علےٰ طاعتِ احمد — کیا شان ہے کیا شان ہے کیا شانِ محمّدؐ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

دانائے عرب کا بھی ابوجہل پڑا نام — ہونا تھا یہی تھا بھی وہ نادانِ محمّد

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّدؐ

کفّارِ عرب ہوتے تھے نظروں میں مسخّر — شیروں کے شکاری تھے غزالانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہر چند وہ مخلوق بھی ہیں اور بشر بھی — خلقت سے نرالی ہے ہر اک آنِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

کیا زورِ شجاعت ہے کہ ایسوں کو کیا زیر — شیرانِ عرب اب ہیں غزالانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

کیا قوّتِ ایمان نے نحیفوں کو اُبھارا — ہوتے ہی وہ مومن ہوئے شیرانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

کیفیتِ نظم آئی ہمیں پڑھ کے احادیث — دیکھا ہے یہی نثر میں دیوانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

تا حدِ نظر جمع خریدار ہیں دیکھو — بازارِ قیامت ہے کہ دکّانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہیبت سے ہے ہر رستمِ کُفّارِ عرب بھی — مانندِ زناں دیکھ کے مردانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

مومن ہوا شیطان بھی جو تھا آپ کے ہمراہ — ہے قُدرتِ حق قوّتِ مردانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

صوفی گل و نسریں علما نہر رواں ہیں — واعظ ہیں اگر بلبلِ بستانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ابدال جو اُمّت میں ہیں اُڑتے ہیں ہوا پر — اس میں تو وہ گویا ہیں سلیمانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

پیشِ نظر اک گنجِ شہیداں سے دلوں کا — ترکاں کی کماندار ہیں چشمانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہو جاتا تھا ہنسنے سے اندھیرے میں اُجالا — تھے غیرتِ انجم دُرِ دندانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

اب کیا ہے کسی اور کے پہرے کی ضرورت — اللہ ہوا آپ نگہبانِ محمّد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمّد

ہو نور کا میداں کہ ہو ظلمت کا بیاباں   میں داخلِ جولاں گہِ چشمانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہم پر شہِ لولاک کے انعام ہیں کیا کیا   ہے مہر بھی اک ذرۂ احسانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

تحقیقِ صحابہؓ ہے یہ شاعر کا نہیں قول   ہے رشکِ قمر روئے درخشانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

سب دیکھتے ہیں بہرِ شفاعت سوئے حضرت   میدانِ قیامت ہوا میدانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

حکمت تو ہے اک حرفِ بیاضِ دلِ امی   ہے علم بھی اک طفلِ دبستانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہے صحبتِ اقدس میں عجب درسِ حقائق   بڑھ کر ہے ارسطو سے بھی دہقانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

سنتا ہوں نکیرین کراتے ہیں زیارت   نکلے گا مگر قبر میں ارمانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

خوبی مجھے مل جائے دو عالم کی الٰہی   حاصل مجھے ہو جائے ایقانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

جنت میں پہنچ جاؤں میں یارب اسی صورت   چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے دامانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہر ذکر پہ حضرت کے مزا دیتا ہے کہنا   میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

مجذوب اٹھے خوابِ زیارت سے الٰہی   سودا زدہ زلفِ پریشانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

یادِ مدینہ

اِضطرارِ مدینہ

مُبارک ہو اے بیقرارِ مدینہ
بلاوا ہے یہ اضطرارِ مدینہ

ہو طے جلد اے رہگذارِ مدینہ
بہت سخت ہے انتظارِ مدینہ

خواجہ صاحب کی بیوی اکثر ان سے شاعری کی وجہ سے ناراض رہتی تھیں۔ ایک دن اُنہوں نے مدینہ پر اشعار کہنے کی فرمائش کی تو بہت خوش ہوئے اور پھر کہا۔؎

الٰہی دکھا دے بہارِ مدینہ
کہ دِل ہے بہت بیقرارِ مدینہ

یہ دِل ہو اور انوار کی بارشیں ہوں
یہ آنکھیں ہوں اور جلوہ زارِ مدینہ

ہوائے مدینہ ہو بالوں کا شانہ
ہو آنکھوں کا سُرمہ غبارِ مدینہ

وہاں کی ہے تکلیف راحت سے بڑھ کر
مجھے گُل سے بڑھ کر ہے خارِ مدینہ

کبھی گردِ کعبہ کے ہوں میں تصدّق
کبھی جا کے ہوں میں نثارِ مدینہ

کبھی لطفِ مکّہ کا حاصل کروں میں
کبھی جا کے لُوٹوں بہارِ مدینہ

ہے میرا مسکن حوالیِ کعبہ
بنے میرا مدفن دیارِ مدینہ

پہنچ کر نہ ہو لوٹنا پھر وہاں سے
وہیں رہ کے ہوں جاں سپارِ مدینہ

بصد عیش سوؤں میں تا صبحِ محشر
جو ہو میرا مرقد کنارِ مدینہ

مُجھے چپّہ چپّہ زمیں کا ہو طیبہ
مَیں ایسا ہوں رازدارِ مدینہ

میں پسماندہ ہوں کیوں نہ حسرت سے دیکھوں
سُوئے عازمانِ دیارِ مدینہ

وہاں جلوہ فرما حیات النبی ہیں
زہے زائرینِ مزارِ مدینہ

نمک بر جراحت ہے اُف ذکرِ طیبہ
کہ ہوں آہ میں دِلفگارِ مدینہ

مَیں جاؤں وہاں نیک اعمال لے کر
کہ یا رب نہ ہوں شرمسارِ مدینہ

الٰہی بصد شوق **مجذوبؔ** پہنچے
یہ ناکام ہو کامگارِ مدینہ

بہارِ مدینہ

خراماں ہوا اے رہ گذارِ مدینہ
کہ دنیا میں پھیلے بہارِ مدینہ

ہوا مر کے آخر غبارِ مدینہ
ہزار آفریں جاں نثارِ مدینہ

مبارک غریب الدیارِ مدینہ
کہ پیشِ نظر ہے مزارِ مدینہ

مجھے غم نہیں لاکھ منزل کٹھن ہو
کہ ہیں پیش رو شہسوارِ مدینہ

ہوائے مدینہ مرے دل کی ٹھنڈک
مرا نور دیدہ غبارِ مدینہ

معطر کئے دیتی ہے جان و دل کو
ہوائے خوشِ مشکبارِ مدینہ

شریکِ نفس اے دلِ زار کر لے
شفا ہے شفا ہے غبارِ مدینہ

برستے ہیں دن رات انوار دل پر
عجب ہے عجب جلوہ زارِ مدینہ

کہاں ایسے دن ہیں کہاں ایسی راتیں
نرالے ہیں لیل و نہارِ مدینہ

یہ خورشید اے شاہِ لولاک گویا
ہے اک ذرّہ تابدارِ مدینہ

بہت دور سے شوق میں آرہا ہوں
دکھا دے رخ اپنا نگارِ مدینہ

دل و جاں، زر و مال و خویش و اقارب
فدائے مدینہ نثارِ مدینہ

کھڑا تک رہا ہوں میں روضہ کی جالی
دکھا دے جھلک پردہ دارِ مدینہ

خوشا زندگانی کوئے محمدؐ
زہے ساکنانِ دیارِ مدینہ

زہے عزّ و شانِ گدایانِ طیبہ
شہِ دو جہاں شہریارِ مدینہ

نکلنے نہ دے مجھ کو اب زندگی بھر
یہیں روک لے اے حصارِ مدینہ

بقیعِ مقدس میں ہو میرا مرقد
رہوں حشر تک ہمکنارِ مدینہ

نہ عجلت کرو وقتِ رخصت رفیقو!
کہاں میں کہاں پھر دیارِ مدینہ

ابھی رہنے دو محوِ نظارہ مجھ کو
میں دل میں بسا لوں بہارِ مدینہ

جو تھا گردِ کعبہ کی مستی میں رقصاں
وہ مجذوبؔ ہے ہوشیارِ مدینہ

یادگارِ مدینہ

کہاں ہند میں وہ بہارِ مدینہ — بس اب میں ہوں اور یادگارِ مدینہ
مرا دِل ہے اک اختصارِ مدینہ — کہ اس میں بسا ہے دیارِ مدینہ
زہے عزت و افتخارِ مدینہ — شہِ دوجہاں تاجدارِ مدینہ
ہے عرش آشیاں خاکسارِ مدینہ — ہے کرسی نشیں جو ہے خوارِ مدینہ
کریں کچھ یونہی شوق دِل اپنا پورا — کریں آؤ ذکرِ دیارِ مدینہ
وہ ہر سو کھجوروں کی دِلکش قطاریں — وہ کہسار وہ سبزہ زارِ مدینہ
وہ مسجد وہ روضہ وہ جنّت کا ٹکڑا — خوشا منظرِ پُر بہارِ مدینہ

نگینہ زمرد کا ہے سبز گنبد
اور انگشتری کوہسارِ مدینہ

وہ دن حاصلِ زندگی ہیں جو گذرے — بآغوشِ لیل و نہارِ مدینہ
کہاں جی لگے میرا باغِ جہاں میں — ہے آنکھوں میں میری بہارِ مدینہ
میسر ہے ہر وقت مجھ کو زیارت — میں ہوں محوِ یادِ مزارِ مدینہ
کہیں جاؤں طیبہ ہی پیشِ نظر ہے — مجھے کل جہاں ہے جوارِ مدینہ
اِدھر دیکھ ادھر اے میری چشمِ حسرت — میں دِل میں لئے ہوں بہارِ مدینہ
وہاں سے میں حُبِ نبیؐ دِل میں لایا — یہی تحفہ ہے یادگارِ مدینہ

میسر ہو پھر اس کو یارب زیارت
کہ مجذوبؔ ہے اشکبارِ مدینہ

غزلیں

غزل پڑھنے کو وہ مجذوبِ بے تابانہ آتا ہے
سنبھل بیٹھو سنبھل بیٹھو کہ اب دیوانہ آتا ہے

کشکولِ مجذوب

الف

اب ہائے کوئی تارِ گریباں نہیں رہا
وحشت میں جی بہلنے کا ساماں نہیں رہا

کب میری وحشتوں سے گریزاں نہیں رہا
کب مجھ سے دُور دُور بیاباں نہیں رہا

وارفتگیٔ شوق کا امکاں نہیں رہا
آجا کہ دل میں اب کوئی ارماں نہیں رہا

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

فیضِ بہارِ گلشنِ عارض تو دیکھئے
جنگل کو رُخ کیا تو بیاباں نہیں رہا

تارِ نفس تو ہے اگر اے پنجۂ جنوں
کوئی گلے میں تارِ گریباں نہیں رہا

قبروں میں جی کے رہ گئے مُردے ارے غضب
کیوں ہو کے قصدِ گورِ غریباں نہیں رہا

لے چل اب اضطراب مجھے سُوئے لامکاں
شایانِ وجد عالمِ امکاں نہیں رہا

فکرِ ایں و آں نے جب مجھ کو پریشاں کر دیا
مَیں نے سر نذرِ جنونِ فتنہ ساماں کر دیا

اُن کو تُو نے کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

ہو چلے تھے وہ عیاں پھر ان کو پنہاں کر دیا
ہائے کیا اندھیر تُو نے چشمِ گریاں کر دیا

طبعِ رنگیں نے مری گُل کو گلستاں کر دیا
کچھ سے کچھ حُسنِ نظر نے حُسنِ خُوباں کر دیا

زاہدوں کو بھی شریکِ بزمِ رنداں کر دیا
سینکڑوں کو دُخترِ رز نے مسلماں کر دیا

جاں سپردِ تیر اور خُوں صرفِ پیکاں کر دیا
پاس جو کچھ تھا مرے سب نذرِ مہماں کر دیا

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

دل قفس میں لگ چلا تھا پھر پریشاں کر دیا
ہم صفیرو! تم نے کیوں ذکرِ گلستاں کر دیا

جب فلک نے مجھ کو محرومِ گلستاں کر دیا
اشکہائے خُوں نے مجھ کو گل بداماں کر دیا

یہ تری زُلفیں یہ آنکھیں یہ ترا مکھڑا یہ رنگ
حُور کو اللہ کی قدرت نے انساں کر دیا

---

[1] شوکت تھانوی مرحوم کے گھر مشاعرہ تھا جب حضرت خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا تو شوکت تھانوی نے کہا کہ حضرت یہ تو توارد ہو گیا ہے۔ دراصل اُن کی رگِ ظرافت شعر سن کر پھڑک گئی تھی۔ خواجہ صاحب بولے وہ کیسے؟ کہنے لگے میرا شعر ہے "تُو نے اکبر کیا سے کیا مریم کو ہاماں کر دیا ۔ پہلے خاں پھر خان خاں پھر خانِ خاناں کر دیا"

ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم
کر کے جرأت ان سے آج اظہارِ ارماں کر دیا

تلخ کر دی زندگی شورش تری کچھ حد بھی ہے
اُف مرے ہر زخم کو تُو نے نمکداں کر دیا

زلف و رخ کو ڈھانکنے یہ بھی کوئی انداز ہے
اس کو حیراں کر دیا اُس کو پریشاں کر دیا

پھونک دی اک رُوح تو مجھ میں مری ہر آہ نے
دردِ دل نے میری رگ رگ کو رگِ جاں کر دیا

تو نظر آنے لگا کی اس قدر گہری نگاہ
میں نے جس ذرّہ کو دیکھا چاہِ کنعاں کر دیا

ٹوٹ جاتے کیوں نہ ٹانکے زخم کے دیکھا غضب
شامل بخیہ مرا تارِ گریباں کر دیا

جوشِ وحشت کی مرے دیکھو عجائب کاریاں
دشت کو ذرّہ تو ذرّہ کو بیاباں کر دیا

میرے چارہ گر کا دیکھے تو کوئی حسنِ علاج
محوِ دل سے امتیازِ درد و درماں کر دیا

چپکے چپکے اندر اندر تُو نے اے شوقِ نہاں
دل کو میرے رازدارِ حسنِ پنہاں کر دیا

جن کی استادی پہ خود حکمت بجا کرتی تھی ناز
ایک اُمّی نے انہیں طفلِ دبستاں کر دیا

میں ہوں رند پاک باطن دامنِ تر کو نہ دیکھ
دخترِ رز کو بھی میں نے پاک داماں کر دیا

مجھ کو سُوجھا بھی تو کیا مجذوبؔ وحشت کا علاج
میں نے دل وابستۂ زلفِ پریشاں کر دیا

نہ سمجھا عمر بھر کوئی کہ میں بھی تیرا بسمل تھا
لبوں پر تھی ہنسی زخموں سے چھلنی گو مرا دل تھا

ازل میں کیا نہ تھا ساماں مگر جو میرے قابل تھا
یہی سودا زدہ سر تھا یہی حسرت بھرا دل تھا

جھکا سر غیر کے آگے نہ دل دنیا پہ مائل تھا
سروں میں سر مرا سر تھا دلوں میں دل مرا دل تھا

نہ میں دُنیا کے لائق تھا نہ میں عقبیٰ کے قابل تھا
مجھے جینا بھی تھا دشوار اور مرنا بھی مشکل تھا

یہ سب مانا کہ وہ سفاک تھا ظالم تھا قاتل تھا
دیا جس کو دیا ہاں پھر کسی کو کیا مرا دل تھا

ترا فانی تو میں پہلے ہی سے اے میرے قاتل تھا
مرے کو مارنا اے بے خبر تحصیلِ حاصل تھا

پڑے ہے دم بخود مجذوبؔ کیا عجلت سے حاصل تھا
اُسے چلنا طریقِ عشق میں منزل بمنزل تھا

ہر اک عاشق نئے انداز سے قربانِ قاتل تھا
قتیلِ تیغ بے سر تھا شہیدِ ناز بے دل تھا

طریقِ عشق میں جو جس قدر گم کردہ منزل تھا
وہ بس اتنا ہی اے دل خضرِ رہ بننے کے قابل تھا

ہزاروں زخم کھا کے بھی نہ تڑپا ہائے مجبوری
بس اک تصویرِ بے تابی سراپا تیرا بسمل تھا

بہر صورت تھی اک تکلیف بیماریٔ الفت میں
مجھے آسان تھا مرنا مگر پرہیز مشکل تھا

غنیمت ہے کہ مجھ کو قعرِ دریا نے جگہ دے دی
وبالِ دوشِ موجِ آب تھا میں بارِ ساحل تھا

دل وارستہ ہی اپنا اکیلا رہ گیا آخر
بہت تھے ہمسفر لیکن ہر اک پابندِ منزل تھا

کہاں پھر نغمہ و صہبا کہاں پھر مطرب و ساقی
کسی بیدل کے آتے ہی دگرگوں رنگِ محفل تھا

خدا مجذوب[1] کو رکھے سلامت اس نے چونکایا
جسے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اک خوابِ منزل تھا

کسی سے سیکھ لے بلبل سراپا داستاں رہنا
ہے ننگِ عشق حالِ دل کا محتاجِ بیاں رہنا

کوئی رہنے میں رہنا ہے یہ زیرِ آسماں رہنا
بہ فکرِ دشمناں رہنا بہ یادِ دوستاں رہنا

جہاں رہنا ہمیں دنیا میں وقفِ امتحاں رہنا
کہیں جانا ہمیں ہر پھر کے زیرِ آسماں رہنا

کھٹکتا ہے یہ تنکوں کا گلوں کے درمیاں رہنا
بہت مشکل ہے اے بلبل چمن میں آشیاں رہنا

ہمیں دونوں برابر ہیں گلستاں ہو کہ صحرا ہو
وہیں کے ہو گئے ہم ہو گیا اپنا جہاں رہنا

یہ کیا طرفہ ادا، طرفہ تماشا، طرفہ پردہ ہے
میری آنکھوں میں پھرنا پھر بھی آنکھوں سے نہاں رہنا

خدایا رحم کر لے چارہ گر اف کیسے گزرے گی
پڑا ہم کو جو دنیا میں نصیبِ دشمناں رہنا

خلاصہ ہم سے سن لے کوئی آدابِ محبت کا
دعائیں دل میں دینا ظلم سہنا بے زباں رہنا

پڑی ہے کشمکش میں جاں پڑا ہے گومگو میں دل
یہ آخر آپ نے سیکھا ہے کس سے چیستاں رہنا

بھلا یہ بھی کوئی انداز ہے اے بلبلِ نالاں
گلوں کے درمیاں رہ کر بھی مشغولِ فغاں رہنا

یہی آتا ہے بس یا اور بھی کچھ تم کو آتا ہے
امیدیں توڑنا دل خون کرنا بدگماں رہنا

سبق آموزِ اہلِ جاہ ہے درسِ تواضع یہ
بایں رفعت قدم بوسِ زمیں اے آسماں رہنا

بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

نہ رہ ناشاد سالک مسلکِ مجذوب پر آ جا
اگر ہر حال میں تو چاہتا ہے شادماں رہنا

تری بلا سے کچھ بھی ہو تو ادا دکھائے جا
روتا ہے روئے کل جہاں تو یونہی مسکرائے جا

جام پہ جام لائے جا شانِ کرم دکھائے جا
پیاس مری بڑھائے جا روز نئی پلائے جا

---

[1] مجذوب فرمایا کرتے تھے کہ ایسے موقع پر مجذوب سے میری مراد حضرت شیخ ہوتے ہیں۔ ۱۲ ظہور

منہ کو سیئے بصد سکون جور و جفا اٹھائے جا
یعنی زبانِ حال سے کہہ دے کہ ہاں ستائے جا

شوق سے بزمِ غیر میں شرم و حیا جتائے جا
یوں تو نظر چرائے جا دل میں مگر سمائے جا

ہاں مجھے مثلِ کیمیا خاک میں تو ملائے جا
شان مری گھٹائے جا رتبہ میرا بڑھائے جا

پہلے ہی روز آئے جا شرم و حیا اٹھائے جا
شوق میرا گھٹائے جا اُنس مرا بڑھائے جا

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

غم سے کہاں فراغ ہے دل پہ تو روز داغ ہے
قبضہ میں تیرے باغ ہے نت نئے گل کھلائے جا

دین کا دیکھ ہے خطر اٹھنے نہ پائے ہاں نظر
کوئے بتاں میں تو اگر جائے تو سر جھکائے جا

رونا نہ چھوڑ چشمِ نم بننا اگر ہو جامِ جم
خونِ جگر بہائے جا حسنِ نظر بڑھائے جا

تیرا شرف یہ آب و گل تجھ سے ملک بھی ہیں خجل
جس نے دیا ہے دردِ دل گیت اسی کے گائے جا

دیکھ یہ راہِ عشق ہے ہوتی ہے بس یونہی یہ طے
سینہ پہ تیر کھائے جا آگے قدم بڑھائے جا

کیسی یہ آجکل نئی نکلی ہے رسمِ دوستی
دل میں ہو لاکھ دشمنی ہاتھ مگر ملائے جا

رکھ نہ خوشی کی تو ہوس دل کی ہے اس میں خیر بس
اشک اسے پلائے جا، غم اسے تو کھلائے جا

مطرب درد آشنا تیرا بھلا کرے خدا
روزِ الست جو سنا نغمہ وہی سنائے جا

درد کو کھو نہ دیں کہیں ہائے یہ مطرب حسیں
ہاں مجھے اے دلِ حزیں نغمۂ غم سنائے جا

باتیں اگر ہوں غیر سے اس کا ہو رشک کیوں تجھے
تو بھی شنید و دید کے میٹھے مزے اڑائے جا

ایسا نہ ہو کہیں غضب سرد ہو گرمیٔ طلب
ہاں مرا غم بڑھائے جا ہاں یہ مجھے آزمائے جا

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرہ میں پھڑپھڑائے جا

ہوتا ہے بے پیئے بھلا دل میں اثر نیاز کا
ہو گی نہ یوں نماز ادا سجدوں میں سر جھکائے جا

سوزشِ دل تو ہو فزوں شورشِ دل کو ہو سکوں
جذب کو میرے اے جنوں اور بھی تو بڑھائے جا

سب ہیں حجاب بے طرف دیکھوں تجھی کو ہر طرف
پردے یونہی اٹھائے جا جلوے یونہی دکھائے جا

اے مرے ہوش غم فزا آفتِ جانِ مبتلا
لے ترا وقت آ گیا۔ جا، ارے جا وہ آئے جا

مطرب خوش نوا بگو، تازہ بہ تازہ نو بہ نو
چپ نہ ہو ہائے چپ نہ ہو گائے جا ہائے گائے جا

کیف نہ ہونے پائے کم، پاس نہ آنے پائے غم
اے مرے دافع الم، نغمہ وہی سنائے جا

جذب میں جب غزل پڑھی مقطع سے رہ گئی تھی
بزم کی بزم چیخ اٹھی رک نہ ابھی سنائے جا

کسی کا جورِ نہانی عیاں نہیں ہوتا
ہزار کھاتا ہوں چوٹیں نشاں نہیں ہوتا

ادا شناس ترا بے زباں نہیں ہوتا
کہے وہ کس سے کوئی نکتہ داں نہیں ہوتا

غضب ہے اُف ہمہ گیری دردِ دل ہمدم
بدن میں، سر میں، جگر میں، کہاں نہیں ہوتا

جنونِ عشق یہ اللہ رے تیری یک رنگی
کچھ امتیازِ بہار و خزاں نہیں ہوتا

سب ایک رنگ میں ہیں میکدہ کے خورد و کلاں
یہاں تفاوتِ پیر و جواں نہیں ہوتا

ہمیشہ رہتا ہے اک عالمِ فنا طاری
میں زندہ ہوں مگر احساسِ جاں نہیں ہوتا

قمارِ عشق میں سب کچھ گنوا دیا میں نے
اُمیدِ نفع میں خوفِ زیاں نہیں ہوتا

سہم رہا ہوں میں اے اہلِ قبر بتلا دو
زمیں تلے تو کوئی آسماں نہیں ہوتا

یہاں کہ ہے سبحہ کے دانوں میں رشتۂ زنّار
یہ کفرِ شیخ کسی پر عیاں نہیں ہوتا

جو آپ چاہیں کہ لے لیں کسی کا مُفت میں دل
تو یہ معاملہ یُوں مہرباں نہیں ہوتا

وہ سب کے سامنے اس سادگی سے بیٹھے ہیں
کہ دِل چُرانے کا ان پر گماں نہیں ہوتا

وہ محتسب ہو کہ واعظ وہ فلسفی ہو کہ شیخ
کسی سے بند ترا رازداں نہیں ہوتا

جہاں فریب ہے **مجذوب** یہ تری صُورت
بُتوں کے عشق کا تجھ پر گماں نہیں ہوتا

جب اپنے پاس وہ آرامِ جاں نہیں ہوتا
تو دردِ دِل میں، جگر میں کہاں نہیں ہوتا؟

کہا جو میں نے کرم مہرباں نہیں ہوتا
کہا بگڑ کے اجارہ ہے ہاں نہیں ہوتا

کبھی وہ ہو کے خفا مہرباں نہیں ہوتا
ترے بنائے کچھ اب اے فغاں نہیں ہوتا

گنوا رہا ہے عجب شیخ عُمر خلوت میں
شریکِ حلقۂ پیرِ مغاں نہیں ہوتا

بھرو فضول نہ دم عاشقی کا تُم اے دِل
جو ضبطِ آہ بھی تم سے عیاں نہیں ہوتا

شبِ وصال، سرِ شام ہی سے رٹ ہے انہیں
یہ آج کیا ہے کہ وقتِ اذاں نہیں ہوتا

کہیں بھی راہ میں منزل سے پہلے دم لینا
شعار توسنِ عُمرِ رواں نہیں ہوتا

غم ان کا اس لئے مرغوب ہے مجھے ناصح
کہ ان کے غم میں غمِ این و آں نہیں ہوتا

سکون ہو گا میسّر اگر تو زیرِ زمیں
قرار دل کو تہِ آسماں نہیں ہوتا

جو عشق کے لئے لازم ہے امتحاں دینا
تو روز بھی یوں امتحاں نہیں ہوتا

بڑی ہے قدر تری سالکوں میں اے مجذُوب
نہ ہو زمانہ اگر قدرداں نہیں ہوتا

کسی پہ حالِ دل اپنا عیاں نہیں ہوتا — بیاں ہزار کروں میں بیاں نہیں ہوتا
تجھے خیال یہ آسماں نہیں ہوتا — کہ صبرِ ظلم کبھی رائیگاں نہیں ہوتا
ہم اپنے آپ کے ہوتے ہیں آپ ہی دشمن — وہ مہرباں کبھی نا مہرباں نہیں ہوتا
میں ناتواں ہوں ترے سالکوں میں یوں جیسے — غبارِ راہ پسِ کارواں نہیں ہوتا
بڑھے گی حسن کی ہر روز گرم بازاری — گراں ہزار کرو تم گراں نہیں ہوتا
خدا کا حکم بجا لانا اس قدر ہے گراں — بتوں کے ناز اٹھانا گراں نہیں ہوتا
عبث ہے فکر مداوا کہ موت سے پہلے — سکوں پذیر یہ قلبِ تپاں نہیں ہوتا
وہ پوچھتے بھی ہیں آکر کبھی جو حال مرا — تو لب پہ کچھ بجز آہ و فغاں نہیں ہوتا
میں اے طبیب! سراپا ہوں درد مجھ سے نہ پوچھ — کہاں تو ہوتا ہے درد اور کہاں نہیں ہوتا

نکالو یاد حسینوں کی دل سے اے **مجذوبؔ**
خدا کا گھر پئے ذکرِ بتاں نہیں ہوتا

وہ غفلت کیش جب پرسانِ حالِ دردمنداں تھا
تو مشکل تھا یہ کہنا درد تھا دل میں کہ درماں تھا

بتوں کا عشق تھا خطرہ میں ہر دم دین و ایماں تھا
مگر بس وہ تو یوں کہیے کہ دل پر فضلِ یزداں تھا

کوئی فرقت میں کب پرسانِ حالِ دردمنداں تھا
خبر لی موت نے آکر یہ اس کا عین احساں تھا

تعلق اتنے دن بھی بے تعلق رہ کے یکساں تھا
قیامت میں پھر اپنا ہاتھ تھا اور اس کا داماں تھا

ہوئی تجویز وہ مٹی پئے خلقِ دلِ وحشی
کہ جس مٹی کے ہر ذرہ میں مضمر اک بیاباں تھا.

اِدھر ٹکڑے تھا داماں اُدھر پُرزے گریباں تھا
مگر مانندِ گل میں اِن پھٹے حالوں میں خنداں تھا

ازل میں سامنے عقل و جنوں دونوں کا ساماں تھا
جو میں ہوش و خرد لیتا تو کیا مَیں کوئی ناداں تھا

چمن میں خاک برسر تھی صبا گل چاک داماں تھا
دلِ وحشت زدہ کو ہر جگہ وحشت کا ساماں تھا

نہ رُک سکتا تھا وہ ظالم نہ جا سکتا تھا حیراں تھا
کہ ہاتھوں میں مرے اپنا گریباں اُس کا داماں تھا

معمّہ حال میرا مثلِ ابرو برق و باراں تھا
میں رونے میں بھی خنداں تھا میں ہنسنے میں بھی گریاں تھا

نہ گُل ہی تھے نہ شمعیں تھیں نہ کوئی فاتحہ خواں تھا
عجب حسرت کا منظر منظرِ گورِ غریباں تھا

مَیں کب چونکا کہ اُس محفل میں جب رخصت کا ساماں تھا
یہ لب پر تھا کہ کیا مَیں بھی شریکِ بزمِ جاناں تھا

نمونہ رازِ وحدت کا مرا حال پریشاں تھا
کہ مشکل امتیازِ دامنِ جیب و گریباں تھا

وُہی دل ہائے ارمانوں کا جو اک محشرستاں تھا
اُجاڑا یاس نے ایسا کہ پھر شہرِ خموشاں تھا

جگر کا داغ بھر جائے بھلا کب اس کا امکاں تھا
دلِ شوریدہ کیسا پاس ہی رکھا نمکداں تھا

مری مجبوریوں کا حال ہر صُورت میں یکساں تھا
کبھی مجبور حرماں تھا کبھی مجبور ارماں تھا

عجب کیا گر مجھے عالَم بایں وُسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

خبر ہے چھپنے والے کچھ تصوّر کے تصرف کی
یہ وہ آنکھیں نہیں تو پہلے جن آنکھوں سے پنہاں تھا

ہُوئی جب چشمِ غفلت آشنائے جلوۂ وحدت
تو پھر یہ عالَمِ کثرت بس اِک خوابِ پریشاں تھا

کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

ذرا دیکھو تو یہ اُلٹی رسائی میری قسمت کی
وہ نکلا غیر کے دِل سے جو میرے دل کا ارماں تھا

ہنسے بھی ہم تو مثلِ برق وہ ہنسنا ہنسے اے دل
کہ جس ہنسنے میں دُنیا بھر کا رونا ہائے پنہاں تھا

جو رُخ بدلا ہے ساقی نے دگرگوں رنگِ محفل ہے
وہ خنداں ہے جو گریاں تھا وہ گریاں ہے جو خنداں تھا

بھلا مجذوبؔ کچھ تو ہوش رکھتے ایسے موقع پر
غضب ہے میزباں بننا پڑا اس کو جو مہماں تھا

ہر چیز میں عکسِ رخِ زیبا نظر آیا
عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا

تو کب کسی طالب کو سراپا نظر آیا
دیکھا تجھے اتنا ہے جسے جتنا نظر آیا

عاشق کو تو ہر سُو تیرا جلوہ نظر آیا
مسجد نظر آئی نہ کلیسا نظر آیا

کیں بند جو آنکھیں تو مری کھل گئیں آنکھیں
کیا تم سے کہوں پھر مجھے کیا کیا نظر آیا

جب مہر نمایاں ہُوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

گردوں کو بھی اب دیکھ کے ہوتی ہے تسلّی
غربت میں یہی ایک شناسا نظر آیا

سب دولتِ کونین جو دی عشق کے بدلے
اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا

ناکام ہی تا عمر رہا طالبِ دیدار
ہر جلوہ ترا بعد کو پردہ نظر آیا

کرتی ہے چکا چوند نئی روشنی سب کو
اس روشنی میں مجھ کو اندھیرا نظر آیا

ڈوبے تو کھلی بحرِ محبت کی حقیقت
ہر قطرہ میں اک آگ کا دریا نظر آیا

حسرت سے ادھر دیکھ کے آنسو نکل آئے
دنیا میں مجھے جب کوئی ہنستا نظر آیا

صد شکر کہ آ پہنچا لبِ گور جنازہ
لو بحرِ محبّت کا کنارا نظر آیا

سب تشنہ ہیں معلوم ہوا بحرِ محبّت
صحرا تھا مگر دور سے دریا نظر آیا

جو دور نگاہوں سے سرِ عرش بریں ہے
وہ نور سرِ گنبدِ خضرا نظر آیا

مجذوبؔ کبھی سوز کبھی ساز ہے تجھ میں
تو میر کبھی اور کبھی سودا نظر آیا

مجذوبؔ کے جذبہ کی جو سمجھے نہ حقیقت
ان عقل کے اندھوں کو یہ سودا نظر آیا

رحم کھا کر وہ کبھی جلوہ دکھا بھی دے گا
جس نے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا

نقشِ باطل کو مرے دل سے مٹا بھی دے گا
اپنا نقشہ وہ مرے دل میں جما بھی دے گا

چہرہ و چشم کے آثار چھپیں گے کس سے
دل کے ان نالوں کو عاشق جو دبا بھی دے گا

یہ تغافل ہے غضب کچھ تو ملے دادِ وفا
ہم تو سمجھیں گے جزا گر وہ سزا بھی دے گا

وجہ شادابیٔ گلزار ہے بارانِ بہار
صبر کر جس نے رلایا ہے ہنسا بھی دے گا

اپنی ہی بزم میں رکھنا اسے ناکام مجھے
مسکرا کر وہ کبھی دل کو بڑھا بھی دے گا

خدمتِ عشق میں لے دل تو کئے جانا
رحم کھا کر وہ کبھی آہِ رسا بھی دے گا

بزمِ الفت میں مدِ نظر پاسِ ادب
جس نے محفل میں بٹھایا ہے اٹھا بھی دے گا

کرکے کشتوں کو نہ خاک انھیں یاد آئی / ہاں شہادت تو یہ خونِ شہدا بھی دے گا

دخترِ رز سے بہت دل نہ لگائے کوئی / ٹوٹ کر شیشۂ دل اب صدا بھی دے گا

باریابی کی میں شرطوں کا خلاصہ سمجھا / وُہی پہنچے گا جو آپے کو مٹا بھی دے گا

سرد ہو جائے گا دُنیا سے دل اپنا اِک دن / غم ہی خُود بڑھ کے مرے غم کو گھٹا بھی دے گا

اُس کی ٹکسال میں گر عشق کی چوٹیں سہہ لیں / دل کے بگڑے ہُوئے سکّے کو چلا بھی دے گا

ہے یہ کیوں شکوۂ صیقل گر آئینۂ دل / کیوں نہ مٹی میں ملائے وہ جلا بھی دے گا

اک جہاں میں دلِ غدّار تھا مشہورِ وفا / کیا خبر تھی کہ یہ کم بخت دغا بھی دے گا

وعدۂ حشر پہ کیا شاد ہو یہ جانِ حزیں / اس قدر عرصہ تو وعدے کو بھلا بھی دے گا

خانۂ ویرانیِ دل پر نہ کڑھے عاشقِ زار / جس نے اس گھر کو اجاڑا ہے بسا بھی دے گا

ہوش آتے ہی نہ ہو جائے گا سودا ان کا / وہ اگر لخلخۂ زلف سنگھا بھی دے گا

کثرتِ خندہ سے آنسو بھی نکل آتے ہیں / یہ بہت ہنسنا ترا تجھ کو رُلا بھی دے گا

بے جھجک شوق سے ہاں مٹنے پہ ہو جا تیار / بے نشاں کر کے وہ کچھ اپنا پتہ بھی دے گا

دل گم گشتہ کو ڈھونڈیں گے بیابانوں میں / کچھ پتہ ہم کو وہ نقشِ کفِ پا بھی دے گا

تا بہ کہ اس کی طلب میں رہے یہ سرگرداں / ایک دن پیکِ نفس کو وہ تھکا بھی دے گا

اے صبا ٹھیر! لئے جا خبرِ مرگ مری / ایک پیغام یہ مجبورِ وفا بھی دے گا

ایسے کم بخت کو کرتے تو ہو خدمت میں قبول / دل مرا کچھ تمھیں زحمت کے سوا بھی دے گا

کر سکا شورِ جرس کا تو نہ بیدار اسے / پائے خفتہ کو مرے کوئی جگا بھی دے گا

ہاں کوئی مر تو مٹے اے دلِ ناداں اُن پر / لُطف الطاف پھر آزارِ جفا بھی دے گا

بد دُعا ہو گی وہ بیمارِ محبّت کے لئے
اس کو صحت کی اگر کوئی دُعا بھی دیگا

وہ راز ہُوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہُوا / وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہُوا

رَواں دَواں مرا کیا عشق میں زباں نہ ہُوا / بیاں نہ ہونا تھا یہ حالِ دل بیاں نہ ہُوا

کسی پہ سوزِ دلِ اپنا کبھی عیاں نہ ہُوا / لگائی آگ تو تم نے مگر دھواں نہ ہُوا

کبھی نصیب ہی ہم کو تو آشیاں نہ ہُوا / رکھے نہ تنکے کہ نالہ شرر فشاں نہ ہُوا

سُنایا لاکھ مگر حالِ دل عیاں نہ ہُوا / یہ راز وہ ہے جو شرمندۂ بیاں نہ ہُوا

چھپا ہزار مگر پھر بھی وہ نہاں نہ ہُوا   وہ بے نشاں ہے تو کیا یہ بھی اِک نشاں نہ ہُوا
خیال جاں نہ ہُوا اُف کہ خانماں نہ ہُوا   مگر میں پھر بھی سزا وارِ امتحاں نہ ہُوا
جو دل کا راز تھا دِل میں رہا عیاں نہ ہُوا   زباں لاکھ چلائی مگر بیاں نہ ہُوا
کوئی مقابلِ انسانِ ناتواں نہ ہُوا   جو بار سب کو گراں تھا اُسے گراں نہ ہُوا
یہ کیا کہا کہ تمہیں حق پر ہُوئے جہاں نہ ہُوا   زبان کاٹ لو سچ ہی کہوں گا ہاں نہ ہُوا
یہ میں ہی تھا کہ جو ناکام امتحاں نہ ہُوا   بغل میں غیر کے پاکر بھی بدگماں نہ ہُوا
محل وہ کون تھا دخل عدو جہاں نہ ہُوا   کہاں ہوا کہیں ہم تم سے کیا کہاں نہ ہُوا
ہمارا بھاگ کے جانا کہاں کہاں نہ ہُوا   کوئی زمین نہ ملی جس پر آسماں نہ ہُوا
مکاں اک اپنا محبت میں لامکاں نہ ہُوا   قفس میں رہ کے بھی کب عرش آشیاں نہ ہُوا
وہ مہرباں تھے کہی سب نے سرگزشت اپنی   ہمیں نصیب ہی عنوانِ داستاں نہ ہُوا
سب ایک رنگ میں ہیں اہلِ دیر و حرم   وہ کون ہے جو گرویدۂ بُتاں نہ ہُوا
وہ بات کون تھی غیروں کی جو بھلی نہ لگی   وہ قول کون سا اپنا تھا جو گراں نہ ہُوا
وہ لاکھ عقل کے پُتلے ہُوں پھر ہیں دیوانے   جنھیں بہار میں اندیشۂ خزاں نہ ہُوا
کرے جو کوئی شکایت تو جائے شکوہ نہیں   ہمیں کو کب یہ دل اپنا وبالِ جاں نہ ہُوا
بجائے خود ہی ترا ڈھونڈنا بھی تو مطلوب   وہ رائیگاں بھی ہُوا پھر بھی رائیگاں نہ ہُوا
ہنوز حُسن کے بازار کا ہے زور وہی   گراں کیا بہت اس نے مگر گراں نہ ہُوا
گلا نہ گھونٹ ہمارا نہ ہوں گے ہم ناصح   اگر یہ مشغلہ نالۂ و فغاں نہ ہُوا
یہ دیکھ لو ہیں بڑھاپے میں مستیاں میری   وہ پیر ہوں کہ مقابل کوئی جواں نہ ہُوا
جو آتے دیکھا اُسے ہو گیا میں شادی مرگ   وہ مہرباں بھی ہُوا پھر بھی مہرباں نہ ہُوا
وہ بچ کے بھی جو چلے غیر سے بغمزہ و ناز   کسی سے کیا کہیں کیا کیا ہمیں گماں نہ ہُوا

اَب اور کون سی تدبیر کیجئے گا حضور
گلے کا کاٹنا بھی مانعِ فغاں نہ ہُوا

زُلف کو رُخ پہ ترے جھُومتے اَے جاں دیکھا   ہم نے ہندُو کو بھی پڑھتے ہُوئے قرآں دیکھا
زُلف پیچاں کو قریب رُخِ تاباں دیکھا   ہم نے یا وقتِ سحر خوابِ پریشاں دیکھا
اپنا آقا جو وہ سرتاجِ رسولاں دیکھا   دمِ سختی میں دمِ نزع کو آساں دیکھا

سر مرا دار پہ لٹکانے کی سوجھی ان کو
قطرۂ اشک جو مرا سرِ مژگاں دیکھا

جاں مری تن سے نکل کر گئی اِس کوچہ میں
چھوٹ کر قید سے بُلبل نے گلستاں دیکھا

تیرے رندوں کو وضو کی جو کبھی سوجھ آئی
موجزن زیرِ قدم چشمۂ حیواں دیکھا

بار بار ان کو دکھاتا ہوں جو میں زخمِ جگر
کیا ہی جھنجھلا کے وہ کہہ دیتے ہیں ہاں ہاں دیکھا

گرد اس چشم کے کیونکر نہ بھلا ہوں پلکیں
گردِ میخانہ سدا مجمعِ رنداں دیکھا

عارض و حلقۂ گیسو وہ رہے پیشِ نظر
سب کے آگے جو تری تیغ کو عُریاں دیکھا

عارض و حلقۂ گیسو وہ رہے پیشِ نظر
سیرِ گلزار کبھی کی، کبھی زنداں دیکھا

تیرے کوچہ کو سدا گنجِ شہیداں دیکھا
یہ تڑپتا وہ سسکتا تو وہ بے جاں دیکھا

جلوۂ عالم تھا سب نے رُخِ جاناں دیکھا
ہائے تُو نے بھی کچھ اے دیدۂ حیراں دیکھا

ابر کی طرح حسن جوشِ جنوں میں تجھ کو
کبھی ساکت، کبھی نالاں، کبھی خنداں دیکھا

راسخ تصورِ رُخِ دلدار ہوگیا
اَب وہ مزہ ہے جیسے کہ دیدار ہوگیا

دم ضبطِ غم سے آہ شرربار ہوگیا
اُف اَب تو سانس لینا بھی دشوار ہوگیا

کھلتے ہی ایک مجمعِ اغیار ہوگیا
میرے لئے تو دَر ترا دیوار ہوگیا

جب سے کسی کا محرمِ اسرار ہوگیا
اَغیار و یار سب سے مَیں بیزار ہوگیا

دُنیا سے اَب تو دل میرا بیزار ہوگیا
گلزارِ دہر وادیٔ پُرخار ہوگیا

بے پردہ کس کا جلوۂ رُخسار ہوگیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہوگیا

مے خانہ تیرے دَور میں بیکار ہوگیا
جس پر نگاہ کی وہی سرشار ہوگیا

ہر سُو ہیں مستیاں مرے ساقی کے دَور میں
عالم تمام خانۂ خمّار ہوگیا

جب کام کا نہ تھا تو میں سرگرمِ کار تھا
جب کام کا ہُوا تو مَیں بے کار ہوگیا

زعمِ عبور جن کو تھا وہ غرق ہوگئے
مَیں ڈوبنے لگا تھا مگر پار ہوگیا

پردے تعیّنات کے جس دن سے اُٹھ گئے
عالم تمام جلوہ گہِ یار ہوگیا

اپنے کو بے گناہ سمجھنا ہے خود گناہ
مَیں عُذر کرکے اور گنہگار ہوگیا

بستی سے تم چلے تو وہ ویرانہ ہوگئی
جنگل کو رُخ کیا تو وہ گلزار ہوگیا

منصور کی زباں پہ تھا خود قول یار کا
اتنی تھی بات جس کا یہ طومار ہوگیا

میں حدِ احتساب سے خارج ہوں محتسب — میں اس کو مست دیکھ کے سرشار ہوگیا
جو سترِ حسن تھا وہ سرِ طور کھل چکا — افشائے رازِ عشق سرِ دار ہوگیا

مجذوب نے تو پست کیے سب کے حوصلے
کتنا بلند عشق کا معیار ہوگیا

چلا ہی دے گا طفلِ اشک دامانِ نظر اپنا — کہ اک آتش کا پرکالا ہے یہ لختِ جگر اپنا
وہاں بھی کوئی بہہ کر اشک پہنچا ہے مگر اپنا — بہت یاد آرہا ہے آج جو غربت میں گھر اپنا
بہت تنگ آگیا غربت سے دل اے ہمسفر اپنا — یہاں اُکتا گیا جی اب تو یاد آتا ہے گھر اپنا
نشہ میں یوں تو جھک کر آرہا ہے فرقِ سر اپنا — مگر پہنچا ہوا ہے اب تصور عرش پر اپنا
شعاعِ مہر بن کر عکس سے اس روئے روشن کے — کھلی آنکھیں نظر آیا ہمیں تارِ نظر اپنا
لگا دے منہ سے خُمِ ساقی کہ ہیں مدت سے پیاسے ہم — نہ ہوگا حلق بھی ان شیشہ و ساغر سے تر اپنا
نہ بے دردی سے جاؤ نیم بسمل چھوڑ کر ظالم — ترے قرباں ہاں اک اور بھی تیرِ نظر اپنا
یہ دردِ اے بدگماں کچھ دیکھنے کی چیز اگر ہوتی — میں رکھ دیتا ترے آگے کلیجہ چیر کر اپنا
خطاب اب کیا کرے تجھ سے کوئی ناصحِ ناداں — کہ خالی کر چکا ہے تو بہت بک بک کے سر اپنا
میں دو باتوں میں ہر دیر آشنا کو آشنا کرلوں — نہیں ہوتا نہیں ہوتا مگر وہ بے خبر اپنا
زمیں پر پاؤں کب ٹکتا تھا اپنا شوقِ منزل میں — نہ آگے رہ سکا نقشِ قدم بھی ہمسفر اپنا
ٹھہرنا کھیل ہے آگے تری اس چشمِ میگوں کے — کرے پیدا تو پہلے کوئی دل اپنا جگر اپنا
نگاہِ یاس سے جلاد پر سکتہ کا عالم ہے — وہ کہتے ہیں کھڑا کیا دیکھتا ہے کام کر اپنا
بپا اک فتنۂ محشر رہا کرتا ہے پہلو میں — بلا ہے، قہر ہے، آفت ہے یہ دل الحذر اپنا
نگاہ اُٹھتی ہے مجھ پر بزم میں کیوں بار بار انکی — بلانا تو کہیں ان کو نہیں مدِ نظر اپنا
خُدا کے واسطے صدقہ میں اپنی بزمِ عشرت کے — کسی کے غم کدہ میں بھی کرو اک دن گذر اپنا
تحیر، یاس، سوزش، گریہ، نالہ، آہ، غم، حسرت — بہلتا ہے انھیں آٹھوں سے دل آٹھوں پہر اپنا
تقاضائے بہار، اصرارِ ساقی، التجائے دل — نہ ہوگا آج کوئی عذر و حیلہ کارگر اپنا

کہیں روکے سے رُکتی ہے یہ جولانی طبیعت کی
کہ **مجذوب** آجکل جوشِ جنوں ہے زور پر اپنا

ہمیں مہرِ سلیمانی ہے یہ داغِ جگر اپنا
ہجومِ آرزو لشکر ہے سودا تاجِ سر اپنا

یہاں آئینۂ بزمِ غیر ہیں دل چھوڑ کر اپنا
کٹی جس طرح شب ہو جائیگا دن بھی بسر اپنا

چلے جاتے ہیں وہ تو پھینک کر تیرِ نظر اپنا
کھڑا رہتا ہوں میں تھامے ہوئے پہروں جگر اپنا

دکھاتے پھرتے ہیں جلوہ بہت شمس و قمر اپنا
ذرا ہاں کھول دے مجذوبؔ دل اپنا جگر اپنا

نہ بے دردی سے جاؤں نیم بسمل چھوڑ کر ظالم
ترے قرباں ہاں اِک اور بھی تیرِ نظر اپنا

کفن کی ہم نے بس دو چادریں لے لی ہیں دنیا سے
یہی ہے مختصر سا اے اجل رختِ سفر اپنا

یہ بازارِ جہاں اے دل ہمیں اِک ہُو کا عالَم ہے
نہ مونس ہے نہ ہمدم نہ کوئی چارہ گر اپنا

تصوّر میں ترے ڈوبا ہُوا رہتا ہُوں کچھ ایسا
نہ پہچانوں دکھائے منہ مجھے تو بھی اگر اپنا

شبِ وصل اس کو کب کافی ہے روزِ حشر سُن لینا
بہت افسانہ طولانی ہے قِصہ مختصر اپنا

کھڑے ہیں دیر سے جو تشنہ لب جامِ شہادت کے
اِدھر بھی پھینکتے جاؤ کوئی تیرِ نظر اپنا

ہجومِ آرزو لے کر بغل میں مَیں بھی آ پہنچا
دکھائے اب تو ہاں یہ روزِ محشر کرّ و فر اپنا

ملامت کر نہ ہم رندوں کو تو اے زاہدِ خود بیں
بھرا اچھا ترے زہدِ خشک سے دامانِ تر اپنا

جب آنکھیں بند کر لیں عرش پر پہنچی نگاہ اپنی
قفس میں کرتا ہے پرواز یہ مُرغِ سحر اپنا

تجھے کیا دُوں دہانِ قبر کچھ چھوڑا بھی ہو غم نے
یہی دو چار سُوکھی ہڈیاں ہیں ماحضر اپنا

وہ ٹھکرا کر اُٹھا دینا مجھے ان کا دمِ رُخصت
وہ رکھ دینا مرا پھر دوڑ کر پیروں پہ سَر اپنا

مجھے رونا ہے تا صبحِ قیامت ساتھ کچھ تو دے
ابھی سے ختم کر رونا نہ اَے شمعِ سحر اپنا

غمِ ساقی میں اُٹھنا اور وہیں چکرا کے گِر پڑنا
ہے اب تو گردشِ ساغر یہی دورانِ سَر اپنا

وہ سودا دے مجھے جس کا اثر جمعیتِ دل ہو
بنا دے اَے خُدا مجذوبؔ کو آشفتہ سَر اپنا

کچھ نہ پوچھو کیا ہوا کیونکر ہُوا
جو ہُوا جیسا ہوا بہتر ہُوا

کیا بھلا ہو میری مرضی کے خلاف
وہ جو حسبِ مرضیٔ دلبر ہُوا

دوست راضی ہے تو پھر کچھ ڈر نہیں
ہو اگر دشمن زمانہ بھر ہُوا

جب، توقّع اُٹھ گئی مخلوق سے
مجھ پہ فضلِ خالقِ اکبر ہُوا

بند جب سب دَر ہوئے میرے لئے
غیب سے پیدا نیا اک دَر ہُوا

حد بھی کچھ اَے خامۂ حسرت رقم
لکھ بھی چُک خط کیا ہُوا دفتر ہُوا

دل اگر پتھر سے بھی بڑھ کر ہُوا — ہو گیا پارس پہنچتے ہی وہاں
ہو گئے جب راستے مسدود سب
جذب خود مجذوب کا رہبر ہُوا

ہمیشہ ہوں مست اور نہ ساغر نہ مینا — اسے کہتے ہیں دیکھ اے رِند پینا
نہ مطرب، نہ ساقی، نہ بربط نہ مینا — یہ جینا بھی ہے کوئی جینے میں جینا
مرے جام و مینا نہیں جام و مینا — یہ ہے قلب روشن وہ ہے چشم بینا
خُدا بھیج دے بے طلب جام و مینا — گناہِ کبیرہ ہے پھر بھی نہ پینا
یہ تیرا ہے اے رند پینے میں پینا
مَیں ہوں مست ہر دم نہ ساغر نہ مینا

وہ مستِ ناز آتا ہے ذرا ہُشیار ہو جانا — یہیں دیکھا گیا ہے بے پئے سرشار ہو جانا
ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں — ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا
تصوّر کی مرے گلکاریاں صیّاد کیا جانے — قفس کا بھی گلوں کی یاد میں گلزار ہو جانا
لگاوٹ سے تری کیا دل کھلے معلوم ہے ہم کو — ذرا سی بات میں کھنچ کر ترا تلوار ہو جانا
عبث ہے جستجو بحرِ محبّت کے کنارے کو — بس اس میں ڈوب مرنا ہی ہے اے دل پار ہو جانا
نہیں درکار مے ہم کو پئے جا تُو ہی اے ساقی — ہمیں تو مست کرتا ہے ترا سرشار ہو جانا
خبر کیا تھی کہ اس انکار میں اقرار پنہاں ہے
مرا غش کھا کے گر پڑنا کہ بس دیدار ہو جانا

جب تک اس پیکِ نفس میں دم رہا — تجھ کو ڈھونڈا تھک کے آخر تھم رہا
ضبطِ غم سے کشمکش میں دم رہا — زندگی بھر نزع کا عالم رہا
حُسن کا روزِ ازل ترکم رہا — آفتاب اِک قطرۂ شبنم رہا
نالہ پُرشور اور کبھی مدھم رہا — سازِ دل میں لطفِ زیر و بم رہا
دُخترِ رز جو ترا محرم رہا — سر بسر بے گانۂ عالم رہا
تو زمیں پر فتنۂ عالم رہا — سر فلک کا تیرے آگے خم رہا

کھینچ کے کیوں خنجر کسی کا تھم رہا
سر یہاں پہ پھر وں ہمارا خم رہا

دخترِ رز جو ترا ہمدم رہا
غمکدہ میں دہر کے بے غم رہا

حد سے گُذرا غم تو پھر کیا غم رہا
کچھ نہ ہم کو فکرِ بیش و کم رہا

دامنِ مجذوب پھٹ کر اے جنوں
بادشاہِ عشق کا پرچم رہا

اِدھر دیکھ لینا اُدھر دیکھ لینا
پھر ان کا مجھے اِک نظر دیکھ لینا

دکھائیں گی آہیں اثر دیکھ لینا
وہ آئیں گے تھامے جگر دیکھ لینا

انھیں اک نظر چشمِ تر دیکھ لینا
رُلائے گا خُوں عمر بھر دیکھ لینا

یہ کر دے نہ مجذوب محرومِ سجدہ
انھیں چار سُو جلوہ گر دیکھ لینا

دل دارفتگاں بدلا، سرِ دیوانگاں بدلا
جنونِ عشق کا مجذوب تُو نے کُل جہاں بدلا

شرابِ ارغواں کیا پی کہ میرا کُل جہاں بدلا
نظر آتا ہے اب رنگِ زمین و آسماں بدلا

جو سامانِ گدائی تھا بصد شانِ شہاں بدلا
نہ رنگِ فقر تیرا اے دلِ بے خانماں بدلا

جہاں بدلا تو بدلا تو بھی اے جانِ جہاں بدلا
زمیں بدلی تو بدلی تھی غضب ہے آسماں بدلا

تجھے پیرِ مُغاں حق سے عطا کوثر ہو بدلے میں
ترے اس بادۂ گلرنگ سے رنگِ جہاں بدلا

تماشا دیکھئے اب ایک تو ہے جان دو قالب
محبّت نے تو نظمِ ارتباطِ جسم و جاں بدلا

کرشمے عشق کے ہیں پہلے گریہ تھا اب آہیں ہیں
تماشہ ہے کہ بادِ تُند سے آبِ رواں بدلا

تمہیں میری طلب نے کھوج کر ہی دم لیا آخر
ہزار اپنے پتے بدلے ہزار اپنا نشاں بدلا

مقدّم آجکل دارِ بقا پر دارِ فانی ہے
عجب اُلٹا زمانہ ہے نظامِ دو جہاں بدلا

رہا بارِ امانت گو وبالِ دوش رستے بھر
نہ کندھا بھی مگر ہم نے تہِ بارِ گراں بدلا

ہوا کون آکے نور افگنِ دل و جاں ہوگئے روشن
سیاہ خانہ مری ہستی کا کس نے ناگہاں بدلا

ہوئی اوجھل نہ چشمک برق کی پھر بھی نگاہوں سے
بہت گو شاخ در شاخ ہم نے اپنا آشیاں بدلا

یہ ہے کیا حال فرقت میں کہ نیند آئی نہ پھر شب بھر
ذرا کروٹ جہاں بدلی ذرا پہلو جہاں بدلا

جدھر مجذوب مست آیا بصد جوش و خروش آیا
پڑا اب زہد کے پیچھے رخِ سیلِ رواں بدلا

جہاں میں انقلاب آیا چمن سے ہو گیا صحرا
یہ کیا مجذوبؔ بہرِ خاطرِ آوارگاں بدلا

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک اُن کی کیا بدلی کہ مجھ سے کُل جہاں بدلا

مرے دنیائے دوں کو تُو نے اے پیرِ مُغاں بدلا
قیاس اب ہو گیا عرفاں یقیں سے اب گماں بدلا

چمن کا رنگ گو تُو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گُل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

گمانوں میں سبھی کے فرق آیا جب حجاب اُٹھے
نہ لیکن یک سرِ مُو بھی یقینِ عاشقاں بدلا

سرِ بازارِ حُسن و عشق کی رسوائیاں توبہ
شعارِ مہوشاں بدلا مذاقِ عاشقاں بدلا

سُنے سوتے میں جس دم نالہ ہائے نیم شب میرے
تو چونک اُٹھے وہ یہ کہہ کر کیا وقتِ اذاں بدلا

کبھی ہم کہہ سکے ہمدم نہ کُھل کر حالِ دل اِن سے
کہ ہر لفظ اپنا سو بار آتے آتے تا زباں بدلا

خوشا یہ دن کہ میری زیست آخر مرگ سے بدلی
بالآخر خوابِ راحت سے مرا خوابِ گراں بدلا

طریقِ عشق میں گو کارواں پر کارواں بدلے
نہ ہم نے رہ گذر بدلی نہ میرِ کارواں بدلا

کروں کیا دل ہے باصد زہد و تقویٰ مائلِ رندی
جبلّت کیا بدل سکتی عمل کو اپنے ہاں بدلا

دکھائے سبز باغ اتنے تو صیادانِ پُرفن نے
کسی قیمت نہ بلبل نے چمن سے آشیاں بدلا

نہ رہ چھوڑی نہ ہم نے نقشِ پائے راہبراں چھوڑے
ہوا کے رُخ پہ رُخ تُو نے تو گردِ کارواں بدلا

نہ بہکا پھر بھی مجنوں گو یہ لیلیٰ نے کیا اکثر
کہ محمل اپنا بدلا، ناقہ بدلی، سارباں بدلا

ارے توبہ کوئی حد ہے بھلا اِس بدگمانی کی
ذرا میں پاس جا بیٹھا کہ اُس نے پاسباں بدلا

نظر میں اَب تو اے مجذوبؔ اِک کھیل ہے دُنیا
نظر کے سب تماشے تھے نظر بدلی جہاں بدلا

ہُوئی اِک بے خودی تحیّر چھا گیا سب پر
جہاں مجذوبؔ جا پہنچا فضا بدلی سماں بدلا

بہت گو عشق میں مجذوب بدلا تم نے حال اپنا
مگر جیسا بدلنا چاہئے ویسا کہاں بدلا

جلوہ فرما دیر تک دلبر رہا
اپنی کہہ لی سب نے میں ششدر رہا

گو مرا دشمن زمانہ بھر رہا
مجھ پہ فضلِ خالقِ اکبر رہا

گو مرے در پر عدو اکثر رہا
جو مری قسمت کا تھا مِل کر رہا

تاجِ زر شاہوں کے زیرِ سر رہا
سر مرا خود زینتِ افسر رہا

جسم بے حس بے شکن بستر رہا
مَیں نئے انداز سے مضطر رہا

مَیں وہاں گو بے زباں بن کر رہا
دل میں اک ہنگامۂ محشر رہا

باغِ عالم دشت سے بڑھ کر رہا
سَر میں سودا پاؤں میں چکّر رہا

گو وہ گُل پیشِ نظر دم بھر رہا
دل میں برسوں اک عجب منظر رہا

مَیں خرابِ بادہ و ساغر رہا
دل فدائے ساقیٔ کوثر رہا

قول جو حق تھا وْہی لب پر رہا
حلق میرا گو تہہِ خنجر رہا

میں رہا تو باغِ ہستی میں مگر
بے نوا، بے آشیاں، بے پَر رہا

سب چمن والوں نے تو لوٹی بہار
اَور مجھے صیاد ہی کا ڈر رہا

یاد کر بُلبل کبھی وہ دن بھی تھے
مَیں بھی تیرا ہمنوا اکثر رہا

کوئی سمجھا رند، کوئی متّقی
لب پہ توبہ ہاتھ میں ساغر رہا

تھم رہے آنسو، رہی دل میں جلن
نَم رہیں آنکھیں کلیجہ تر رہا

عُمر بھر پھر رہا میں در بدر
مر کے بھی چرچا مرا گھر گھر رہا

سب پڑھا لکھا میں بھولا یک قلم
اِک سبق ہاں عشق کا ازبر رہا

سینکڑوں فکریں ہیں تم کو عاقلو
تم سے تو مجذوب ہی بہتر رہا

لب پہ ذکرِ زمزم و کوثر رہا
دل میں شوقِ بادۂ احمر رہا

سب وہاں خوں روئے میں ششدر رہا
سب بنے یاقوت میں پتھر رہا

کچھ نہ ہوش اس کو جسے دلبر رہا
کیوں رہا، کب تک رہا، کیونکر رہا

تیری چوکھٹ پر نہ خم جو سَر رہا
سر بسر مستوجبِ خنجر رہا

سنگِ در کا تکیہ زیرِ سَر رہا
سایۂ دیوار کا بستر رہا

گو بلا سے ہیں تہہِ خنجر رہا
سامنے اُس کا رُخِ انور رہا

کون سوزِ عشق میں بڑھ کر رہا
غیرِ پروانہ میں خاکستر رہا

کیا کہوں دُنیا میں مَیں کیونکر رہا
عُمر بھر جینا مجھے دُوبھر رہا

وہ تو ہر لحظہ کرم گستر رہا
دل ہی یہ کم بخت غم پرور رہا

نفس نے کیا کیا دیئے مجھ کو سبق
راہزنِ عالم مرا رہبر رہا

وہ بُلا لیتے یہ تھی قسمت کہاں
ذکر میرا بزم میں اکثر رہا

کیسے کیسے بُت رہے پیشِ نظر
اللہ اللہ روز و شب لب پر رہا

اُف نہ پوچھو وقتِ نزعِ ناتواں
سامنے آنکھوں کے جو منظر رہا

آستاں بوسِ صنم دُنیا رہی
سنگِ اسود اُس کا سنگِ در رہا

رُخ کیا مَیں نے نہ دُنیا کی طرف
صاحبِ زر بندۂ بے زر رہا

دیکھنے والوں کے دل گھائل ہوئے
زخم بھی اُس تیر کا نشتر رہا

حالِ دل کہنے کی جرأت کب ہوئی
داخلِ دفتر ہی یہ دفتر رہا

کیوں رہا مجذوبؔ بے غم مجھ سے سُن
بے غرض، بے مدعا، بے زن رہا

نہ دیکھوں گا حسینوں کو ارے توبہ نہ دیکھوں گا
تقاضہ لاکھ تو کر لے دلِ شیدا نہ دیکھوں گا

کروں ناصح میں کیونکر ہائے یہ وعدہ نہ دیکھوں گا
نظر پڑ جائے گی خود ہی جو دانستہ نہ دیکھوں گا

نگاہِ ناز کو تیری مَیں شرمندہ نہ دیکھوں گا
ہٹا لیتا ہوں اپنی نظر اچھا نہ دیکھوں گا

وہ کہتے ہیں نہ سمجھوں گا تجھے مجذوبؔ میں عاشق
کہ جب تک کوچہ و بازار میں رسوا نہ دیکھوں گا

بلا سے میں اگر رو رو کے بینائی بھی کھو بیٹھوں
کروں گا کیا ان آنکھوں کو جو وہ جلوہ نہ دیکھوں گا

بلا سے میرے دل پر میری جاں کچھ ہی گذر جائے
مَیں تیری خاطرِ نازک کو آزردہ نہ دیکھوں گا

اُٹھاؤں گا نہ زانوں سے میں ہرگز اپنا سر ہمدم
ارے میں اپنی آنکھوں سے انھیں جاتا نہ دیکھوں گا

حسینوں سے وہی پھر حضرتِ دل دیدہ بازی ہے
ابھی تو کر رہے تھے آپ دعویٰ نہ دیکھوں گا

ذرا اے ناصحِ فرزانہ چل کر سُن تو دو باتیں
نہ ہوگا پھر بھی تو مجذوب کا دیوانہ دیکھوں گا

جو آنا ہے او، آجکل کرنے والے — تو بس آج آ، کل نہ بیمار ہوگا
دمِ آخر اُٹھنے کو ہے چشمِ حیرت — سنبھل جاؤ آج آخری وار ہوگا
یہی رسم مُدّت سے ہے عاشقی میں — جو سر دار ہوگا سرِ دار ہوگا
یہ مے ہی سے مجذوب ہے ساری عزت
جو مے خوار سے مے چھُٹی خوار ہوگا

ضبطِ اُلفت نے جو بسمل نہ سنبھالا ہوتا — نام رُسوا ترا تا عالمِ بالا ہوتا
بے ترے حلق میں "مے" گھونٹ لہو کا ہوتی — دانہ انگور کا مُنہ میں مرے چھالا ہوتا
کیا اُٹھی ہے گھٹا جھومتی بل کی لیتی — ہائے ایسے میں مرا گیسوؤں والا ہوتا
نگہِ شوق نے ڈھلکایا تھا کن جوکھوں سے
کیا بگڑتا جو دوپٹہ نہ سنبھالا ہوتا

ہر طرف سر گھما کے دیکھ لیا — پھر مجھے مُسکرا کے دیکھ لیا
دھیان میں اُن کو لا کے دیکھ لیا — سب کی نظریں بچا کے دیکھ لیا
اَب خُوب آزما کے دیکھ لیا — ہم ہیں بندے وفا کے دیکھ لیا
کیں بہت منتیں تو اُف رے غرور — اِک نظر مُنہ پھُلا کے دیکھ لیا
آج میں نے وہ چاند سا مکھڑا — بکھری زُلفیں ہٹا کے دیکھ لیا
لُطف ہم نے تری محبّت کا — سب کو دُشمن بنا کے دیکھ لیا
باز آیا نہ عشق سے مجذوب
سب نے سمجھا بُجھا کے دیکھ لیا

ت

سنبھل کر ذرا تیز گامِ محبّت — مقامِ اَدب ہے، مقامِ محبت
زباں ہی پہ ہے بس کلامِ محبّت — محبّت نہیں یہ ہے نامِ محبّت

عطا کر الٰہی بنامِ محبّت
کمالِ محبت ، دوامِ محبت

شکر رنجیاں تلخ کامِ محبّت
ضروری ہیں بہرِ قیامِ محبت

پلا دے ان آنکھوں سے جامِ محبت
بہت دِن کا ہُوں تشنہ کامِ محبت

محبّت ، محبت ، محبت ، محبّت
بڑا لُطف دیتا ہے نامِ محبّت

پلا دے ، پلا دے ، پلا دے ، پلا دے
پلا دے اِن آنکھوں سے جامِ محبت

اَرے اِک نظر اِس طرف بھی خُدارا
بپاسِ مروّت ، بنامِ محبّت

محبّت کے بدلے محبت ستم ہے
نہ لے اُف نہ لے انتقامِ محبت

زباں سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھ کو
نگہ دے رہی ہے پیامِ محبت

ہٹا لے ارے اپنی مستانہ نظریں
چھلکنے کو ہے میرا جامِ محبّت

چڑھیں دار پرہم ، چڑھیں طور پر ہم
رسائی سے بالا ہے بامِ محبّت

نہ ہوگا اَبد تک بھی پُورا نہ ہوگا
مرا قصۂ ناتمامِ محبّت

اَزل اِبتدا ہے ، اَبد انتہا ہے
نہ صبحِ محبّت نہ شامِ محبّت

زر و مال و عزّت دل و جان و ایماں
ہبہ کر چکا ہُوں بنامِ محبّت

میں مجذُوب ہوں یادگارِ جنوں میں
مرے دم سے قائم ہے نامِ محبّت

بہت دُور پہنچا ہے مجذُوب پھر بھی
بہت دُور ابھی ہے مقامِ محبّت

جو مجذُوب کا ہے کلامِ محبت
وہ دُنیا کو ہے اِک پیامِ محبت

یہ نظمِ جہاں ہے نظامِ محبّت
ہر اِک شے میں ہے انضمامِ محبّت

تری چشمِ میگوں ہے جامِ محبّت
تری زُلفِ مشکیں ہے دامِ محبّت

حقیقت ہی ہر چار سُو جلوہ گر ہے
جدھر پھیر دُوں میں زمامِ محبّت

مری چشم پُرنم مرا قلب پُرغم
یہ مینائے اُلفت وہ جامِ محبّت

وہ آتے ہیں اور میں ہُوں محوِ تصوّر
عجب کیف ہے کیف جامِ محبّت

یہ تھا کون غارت گرِ دین و ایماں
ارے لے دیا کِس نے نامِ محبّت

الٰہی بس اَب انتہا ہو گئی ہے
یہ ناشاد ہو شاد کامِ محبّت

ہمیں دیکھ بیٹھے ہیں دریا پئے ہم
ابھی تو ہے منصور خامِ محبّت

کہاں ان کی بزمِ طرب کے ہوں قابل — مَیں شوریدہ سر تلخ کامِ محبت
محبت کو لازم ہیں رُسوائیاں بھی — محب ہی نہیں نیک نامِ محبت
رُلا دُوں گا دیکھو ہنسو تم نہ ہرگز — پلا دُوں گا تُم کو بھی جامِ محبت
جو مجذُوب کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو
تو ہوں دم میں طے سب مقامِ محبت

نہ ہو جائے مختل نظامِ محبت — کہ مجذُوب ہے اب امامِ محبت
یہ دیکھو تو اُلٹا نظامِ محبت — ہے شیریں زباں تلخ کامِ محبت
مقامِ فنا ہے مقامِ محبت — کہ یکساں ہیں سب خاص و عامِ محبت
مری جان قُربان نامِ محبت — لگا لُوں گلے آ حسامِ محبت
وہ دیں جام اور وہ بھی جامِ محبت — تو پی کیوں نہ لے تشنہ کامِ محبت
جھکا اِس ادا سے کہ بس مار ڈالا — پیامِ اجل تھا سلامِ محبت
حَرم ہے یہ اَے شیخ یا کُوئے دلبر — کہ ہر سُو ہے اِک ازدھامِ محبت
نکلنے کی کوشش میں دُونا پھنسو گے — یہ اے حضرتِ دل ہے دامِ محبت
خُدا کے لِئے دم تو لینے دے اَے دِل — کہیں ٹھہرے تیز گامِ محبت
کمند رسائی ہے جذب اپنا اَے دِل — لیا، اَب لیا یہ ہے بامِ محبت
نہ جا گُل رخوں پر خبردار اَے دِل — دو، روز ہے یہ رنگِ خامِ محبت
کبھی اُس کے دل میں کبھی اُس کے دل میں — کہیں پر نہیں ہے قیامِ محبت
پسند اپنی اپنی مبارک ہو منعم — تجھے جامِ مَے، مجھ کو جامِ محبت
نہیں غیر کی طرح مَیں بندۂ زر — مَیں ہُوں بندہ پرور غُلامِ محبت
نہ ساقی کا دل توڑ مجذُوب پی بھی
کہ ایسی ہے توبہ حرامِ محبت

مرے سامنے لو نہ نامِ محبت — چھلک جائے گا ہائے جامِ محبت
وُہی آپ کا ہُوں غُلامِ محبت — کہ مجذُوب ہے جس کا نامِ محبت
چھٹا قیدِ ہستی سے قیدِ خودی سے — میں ہو کر گرفتارِ دامِ محبت

ٹھہر یادِ جاناں ٹھہر میرے دل میں — یہی ہے یہی ہے مقامِ محبّت
نہ رُک ہائے قاصد نہ رک ہائے قاصد — کہے جا کہے جا پیامِ محبّت
دلوں میں کدورت نہیں مے کشوں کے — یہ ہے جامِ مَے یا ہے جامِ محبّت
ہوس کر نہ مُنعم کہاں تیری قسمت — مقدّر سے مِلتا ہے جامِ محبّت
بتوں میں تو دن رات رہتا ہوں لیکن — مرا دِل ہے بیت الحرامِ محبّت
محبّت کی ہے یہ ”غزل“ رُک نہ ھمدم — پڑھے جا پڑھے جا کلامِ محبّت
خُدا ہی اگر دے تو دولت مِلے یہ — کریں لاکھ ھم اھتمامِ محبّت
سنبھل کر مِلے جو مِلے کوئی مجھ سے — میں ہُوں خنجرِ بے نیامِ محبّت
شبِ ہجر داغوں کی کثرت سے گویا — مرا دل ہے ماہِ تمامِ محبّت
یہ ہے حشر پر حشر آمد کسی کی — خرام اور پھر یہ خرامِ محبّت
نہ مانو مری بے تُکی سُن کے باتیں — یہ مجذُوب کا ہے کلامِ محبّت
جہاں میں ہے مجذُوب سے ایک ہلچل — کہیں بھی ہو یہ پختہ کامِ محبّت
نہ مجذُوب سا کوئی دُنیا میں دیکھا
تمامِ جنون و تمامِ محبّت

جو سب سے ہے اَدنیٰ غلامِ محبّت — وہی ہے وہی ہے امامِ محبّت
یہ ہوتا ہے رخصت غُلامِ محبّت — سلامِ محبّت، سلامِ محبّت
نہ ٹھکرا اسے سجدہ کو تو نہ ٹھکرا — اَرے کچھ تو کر احترامِ محبّت
پئیں شوق سے کیوں نہ ھم بادۂ غم — پلائے جو ساقی بجامِ محبّت
خطا تو خُود اُن کی اور الزام ہم پر — سب اُلٹا ہی دیکھا نظامِ محبّت
بچا کر کہاں ہائے لے جاؤں دل کو — بچھا ہے دو عالم میں دامِ محبّت
بجا ہی ہے شکوہ بیدا ہی کیوں ہو — کہ یہ بھی ہے اَے دل حرامِ محبّت
جو پختہ ہیں اُن کو بھی بیتاب کردوں — میں اَے معترض ہوں وہ خامِ محبّت
ہوا ساری قیدوں سے آزاد اَے دل — ہوا جو گرفتارِ دامِ محبّت
الٰہی مجھے سب سے بیگانہ کر دے — پلا دے بس اپنا ہی جامِ محبّت
بہت غم سے دل نے لیا اَب تو یارب — یہ ناشاد ہو شاد کامِ محبّت

مٹے فرقِ وصل و فراق و من و تو | جو ہو جائے راسخ مقامِ محبّت
ارے چھوڑ مجذوب چھوڑ اس غزل کو | غضب ہے یہ تکرارِ نامِ محبّت
مری شاعری ختم ہے اس غزل پر | یہی آخری ہے پیامِ محبّت

خدا تجھ کو مجذوب رکھے سلامت
تجھی سے ہے دنیا میں نامِ محبّت

(ر)

چمکنے لگا سر بسر نور ہو کر | میں جل جانے والا نہیں طور ہو کر
تری یاد میں خود سے بھی دور ہو کر | میں بس رہ گیا نور ہی نور ہو کر
نہ پاس آؤ اتنے چلو دور، ہو کر | میں کچھ اور کہہ دوں نہ منصور ہو کر
سرِ دار ہو کر سرِ طور ہو کر | ترے پاس آیا بڑی دور ہو کر
نہ ترساؤ ہر گام پر دور، ہو کر | کوئی ہار بیٹھے نہ مجبور ہو کر
زباں چپ رہی گرچہ مجبور ہو کر | رہا بال بال اپنا منصور ہو کر
تصوّر سلامت، تحیّر سلامت | میں بیٹھا ہوں اپنی جگہ طور ہو کر
بدلنے لگے کروٹیں اہلِ مرقد | ذرا دور ہو کر، ذرا دور ہو کر
یہ کس کے لئے جان دینے چلا ہوں | چلی آ رہی ہے قضا حور ہو کر
عجب اک معمّہ سا میں بن گیا ہوں | نہ مختار ہو کر نہ مجبور ہو کر
چلا آ رہا ہے کھنچا اک زمانہ | کشش اسقدر، اس قدر دور ہو کر
حدیں عشق کی کر رہے ہیں وہ قائم | کبھی پاس آ کر کبھی دور ہو کر
خوشامد، درآمد، تضرّع، تملّق | سبھی کچھ کیا دل سے مجبور ہو کر
کسی حال میں چین پاتا نہیں دل | نہ مغموم ہو کر، نہ مسرور ہو کر
نہ جینے سے خوش ہوں نہ مرنا روا ہے | یہ جینے میں جینا ہے مجبور ہو کر
اب اتنی رعایت تو اے آسماں ہو | نئے غم ملیں پچھلے غم دور ہو کر

میں کیا مجذوب ہوں جذبِ الفت سلامت
بچوگے کہاں مجھ سے تم دور ہو کر

مجھی میں تو رہتے ہیں مستور ہوکر
وہ دل کا سرور آنکھ کا نور ہوکر

ہمیشہ نظر آیا مخمور ہوکر
یہ ظلمت کدہ عالمِ نور ہوکر

جو اک التجا کی تھی مجبور ہوکر
نہ کر اپنی تذلیل مغرور ہوکر

چلا دل ازل سے جو مخمور ہوکر
رہا تا ابد نشہ میں چور ہوکر

دلِ اسرارِ فطرت سے معمور ہوکر
رہا میرے پہلو میں مسرور ہوکر

تنِ یاسمیں پر لباسِ مُصفّا
وہ آئے ہیں نورٌ علیٰ نور ہوکر

گھٹا ہے کہ اُمڈی چلی آرہی ہے
دُعا کِس نے کی نشہ میں چور ہوکر

میں کہنے ہی کو تھا کہ چپ کر گئے وہ
زباں رہ گئی دارِ منصور ہوکر

وہ نظروں میں میرے کھُبے جا رہے ہیں
سراپا ادا چشم بد دُور ہوکر

بڑی مطمئن زندگی ہے جو گزرے
نہ مغموم ہوکر نہ مسرور ہوکر

کوئی دل لگی ہے یہ اے شیخ رندی
بہت ہوش رکھنا ہے مخمور ہوکر

عجب رنگ لائی ہے اب میری مستی
تقدس کے جامے میں مستور ہوکر

چھپانے کو ہم تم چھپاتے ہیں دونوں
رہے گا یہ افسانہ مشہور ہوکر

نظر کیا کروں اب سوئے جام و مینا
تری مست آنکھوں کا مخمور ہوکر

رسائی تصور کی ہے لامکاں تک
رہو گے کہاں ہم سے مستور ہوکر

وہ خوش بخت و خوش وقت مجذوب ہیں ہم
غموں میں بھی رہتے ہیں مسرور ہوکر

جب سے بیٹھا ہوں میں راضی بہ مشیت ہوکر
مجھ پہ آفت بھی کوئی آئی تو رحمت ہوکر[ف]

اب تو جاؤں بس آنکھوں میں بصارت ہوکر
بس تم اب دل میں سما جاؤ محبّت ہوکر

بعد مدّت کبھی آئے تو قیامت ہوکر
رنج و غصّہ میں بھرے غیر سے رخصت ہوکر

ایسے آنے سے نہ آنا ہی بھلا ہے اُن کا
مُنہ پُھلائے ہُوئے مجبورِ مروّت ہوکر

مژدہ اے اہلِ جہاں تا بہ قیامت مژدہ
آئے دنیا میں حضور آیۂ رحمت ہوکر

خانۂ دل کی کرے لاکھ صفائی صُوفی
ہوگا آباد تو بربادِ محبّت ہوکر

ف : اب مصیبت بھی جو آتی ہے تو رحمت ہوکر

کون ہے آج جو مجذوبؔ کا دیوانہ نہیں
نام چمکا مرا بربادِ محبت ہو کر

عزیز آشنا سب سے بیزار ہو کر — چلا ہوں میں کس کا طلب گار ہو کر
کریں گے کرم جب وہ دیکھیں گے عاجز — مرا کام نکلے گا دشوار ہو کر
عبادت، ریاضت کرے لاکھ زاہد — مقدس جو ہو گا تو مے خوار ہو کر
پہنچتے ہیں سب عشق میں تا بہ ساحل — کوئی ڈوب کر اور کوئی پار ہو کر
بڑے چین میں تھا میں جب بے خبر تھا — پڑا مشکلوں میں خبردار ہو کر
زباں سے اب انکار کیوں ہو رہا ہے
نگاہوں نگاہوں میں اقرار ہو کر

توبہ تو کر رہا ہوں اب توڑ کے جام و شیشہ سب — دیکھئے رہ بھی جائے اب ابرِ بہار دیکھ کر
عشق پہ مجھ کو چارہ گر شوق سے کہہ بُرا مگر — بہرِ خُدا بس اک نظر سوئے نگار دیکھ کر
گو یہ زمیں ہے گل زمیں دفن بھی ہوں گے سب یہیں — ریجھ نہ جائے دل کہیں باغ و بہار دیکھ کر
چھیڑو نہ قدح خوار کو سمجھو تو راز دار کو
ٹوکو نہ دلِ بیار کو دستِ بکار دیکھ کر

(ز)

پڑتی ہے وقتِ جور جبیں پر شکن ہنوز — مجذوبؔ خام ہے ترا دیوانہ پن ہنوز
دیکھا ازل کو، دہر کو، محشر کو، خلد کو — نادیدہ ہے وہ رونقِ ہر انجمن ہنوز
آ آ کے جا رہے ہیں سبھی اس دیار سے — سمجھے ہو پھر بھی تم اسے اپنا وطن ہنوز
منعم تجھے ہے لذتِ دل کی خبر ہی کیا — تو ہے رہینِ لذتِ کام و دہن ہنوز
اوصافِ حسن سب ہیں نہیں سوزِ عشق کا — محتاجِ شمع ہے یہ بھری انجمن ہنوز
تم خاک اہلِ ملتِ بیضا ہو ہمدمو — لب پر تو ہے ترانۂ قوم و وطن ہنوز
اس دورِ نو میں تو ہے مجذوبؔ تا بہ دیر
تیرے ہی دم سے تازہ ہے وضعِ کہن ہنوز

(ف)

وہ خندہ زن ہیں اشکبار اک اِس طرف ایک اُس طرف
ہیں گُلشن و ابرِ بہار اِک اِس طرف ایک اُس طرف

شمس و قمر دیوانہ وار اک اِس طرف ایک اُس طرف
گردش میں ہیں لیل و نہار اک اِس طرف ایک اس طرف

میرے بکاؤ میں سے وہ بھی نہیں ہیں چین سے
دونوں غرض ہیں بے قرار اک اِس طرف ایک اُس طرف

قلب و جگر ہیں داغدار اک اِس طرف ایک اُس طرف
پہلو میں ہیں دو گل عذار اک اِس طرف ایک اس طرف

وہ نشہ میں انوار کے ہم کرب میں انوار کے
ہیں مہر و مہ مشغول کار اک اِس طرف ایک اس طرف

سیدھی نظر بھی ہے غضب ترچھی نظر بھی ہے ستم
یہ تیغ دو رکھتی ہے دھار اک اِس طرف ایک اس طرف

وہ جا رہے ہیں دیکھئے گا اِدھر گا ہے اُدھر
چلتے ہُوئے کرتے ہیں وار اک اِس طرف ایک اُسطرف

ھم کو ملی دیوانگی اُن کو ملی فرزانگی
مجذوبؔ ہم، وہ ھوشیار اک اِس طرف ایک اس طرف

(ل)

رہنے دو چُپ مجھے نہ سنو ماجرائے دل
میں حالِ دل کہوں تو ابھی منہ کو آئے دل

سمجھے گا کون کس سے کہوں رازہائے دل
دل ہی سے کہہ رہا ہُوں میں سب ماجرائے دل

کب تک یہ ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل
کر رحم اے خُدائے جگر، اے خُدائے دل

دو لفظوں ہی میں کہدیا سب ماجرائے دل
خاموش ہو گیا ہے کوئی کہہ کے ہائے دل

آتے نہیں ہیں سُننے میں اب نالہائے دل
سنسان کیوں پڑی ہے یہ ماتم سرائے دل

ہوتا ہوں محوِ لذت دیدِ قضائے دل
باغ و بہار زیست ہیں یہ داغہائے دل

اب ہو چکی ہے جرم سے زائد سزائے دل
جانے دو بس معاف بھی کردو خطائے دل

ہر ہر ادا بتوں کی ہے قاتل برائے دل
آخر کوئی بچائے کیونکر بچائے دل

اتنا بھی کوئی ہوگا نہ صبر آزمائے دل
سب سے لگائے تم سے نہ کوئی لگائے دل

اک سیل بے پناہ ہے ہر اقتضائے دل
ایسا بھی ہائے کوئی نہ پائے جو پائے دل

مجذوبؔ تو بھی غیر خدا سے لگائے دل
عشقِ بتاں ہے بندۂ حق نا سزائے دل

تم جس کو دیکھ لو وہ نہ پہلو میں پائے دل
تم سا جو دلربا ہو تو کیونکر بچائے دل

مجذوبؔ اب کسی سے نہ یارب لگائے دل
پائے تو تیری یاد سے بس چین پائے دل

اس شوخ دلربا کی ڈھٹائی تو دیکھئے
اپنے بنا لئے ہیں ہزاروں پرائے دل

دم بھر قرار لینے نہیں دیتا ہائے دل
کیسی یہ پڑ گئی ہے میرے سر بلائے دل

ان گل رخوں کے رنگ پہ ہرگز نہ جائے دل
جھوٹے پھول ہیں کہیں دھوکہ نہ کھائے دل

مجذوبؔ اب کسی سے بھلا کیوں لگائے دل
دل آشنائے درد ہے درد آشنائے دل

جو دل میں ہے بیان میں آنا محال ہے
جو لب پہ ہے نہیں وہ مرا مدعائے دل

پیدا کیا تھا تو نے بتوں کو جو اے خدا
رکھ دیتا میرے سینہ میں پتھر بجائے دل

اے درد آج قصہ ہی کر دے تمام تو
کب تک یہ روز روز کے صدمے اٹھائے دل

مدت سے میرے پردہ نشیں تیرے واسطے
خالی کئے ہوئے ہوں میں خلوت سرائے دل

اے چشم شوق ہائے نہ دیکھ اس طرف دیکھ
دیدار تو ہے اور بھی حیرت فزائے دل

اُف کس بلا کا حسن ہے اُف کیسا سنگار ہے
آئینہ دیکھتے ہو کہیں آ نہ جائے دل

کب تک رہوں میں ہائے کشاکش میں مبتلا
قابو عطا ہو دل پہ بس اب اے خدائے دل

جولان گاہِ طرب ہے گذر گاہِ زندگی
وقفِ ہجومِ یاس ہے حسرت سرائے دل

دل جنس بے بہا ہے مگر تیرے واسطے
بس اک نگاہِ لطف ہے اے جاں بہائے دل

مجذوبؔ مست سے تجھے نسبت تھی شیخ کیا
تو پارسائے وضع ہے وہ پارسائے دل

سوئے جاناں بھی آنکھ اٹھانا ہے بارِ دل — گردن جھکائے دیکھ رہا ہوں بہارِ دل
مرنا ہے کیا مجھے جو مَیں چاہوں قرارِ دل — میرا مدارِ زیست ہے یہی اضطرارِ دل
سمجھے بھی کوئی کس سے کہوں حالِ زارِ دل — دل میرا غمگسار ہے مَیں غمگسارِ دل
مطلب کا ہوشیار ہے دیوانہ آپ کا — در پر پڑا وہ لوٹ رہا ہے بہارِ دل
چلنے کو یوں چلو چمنستان میں ہمدمو! — راحت کہاں تصورِ مژگاں ہے خارِ دل
دزدیدہ آپ پر بھی نگاہیں بتوں کی ہیں — رہنا جنابِ شیخ ذرا ہوشیارِ دل
مرمر کے اس میں دفن تمنائیں سب ہوئیں — اک غم رہا ہے فاتحہ خوانِ مزارِ دل
ممکن نہیں کہ کوئی تمنا نکل سکے — قیدِ فرنگ سے بھی ہے بڑھ کر حصارِ دل

مجذوبؔ عذرِ دیدِ بتاں یک قلم غلط
آنکھیں تو بس میں ہیں نہ سہی اختیارِ دل

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل — کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل
عشق میں دھوکے پہ دھوکے روز کیوں کھاتا ہے دل — ان کی باتوں میں نہ جانے کیوں آ جاتا ہے دل
کٹ گئی اک عمر اس افہام اور تفہیم میں — دل کو سمجھاتا ہوں میں اور مجھ کو سمجھاتا ہے دل
فصلِ گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں مَیں — جب تڑپ اٹھتی ہے بجلی یاد آ جاتا ہے دل
ایک وہ دن تھے محبت سے تھا لطفِ زندگی — اب تو نامِ عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل

کچھ نہ ہم کو علم رستہ کا نہ منزل کی خبر
جا رہے ہیں بس جدھر ہم کو لئے جاتا ہے دل

رات دن ہے اک ہجومِ طالبانِ دردِ دل — خانقاہِ اشرفی ہے یا دکانِ دردِ دل
خانقاہِ اشرفی ہے لامکانِ دردِ دل — ذرہ ذرہ ہے یہاں کا اک جہانِ دردِ دل
یہ ہوا ثابت بوقتِ امتحانِ دردِ دل — دردِ دل سمجھے تھے جسکو تھا گمانِ دردِ دل
ہر طرف سے آ رہے ہیں طالبانِ دردِ دل — یہ مری آہ و فغاں ہے یا اذانِ دردِ دل
بن پڑا نہ کوئی عنوانِ بیانِ دردِ دل — بے زبانی ہی بنی آخر زبانِ دردِ دل
اضطرابِ دل جو ہو شایانِ شانِ دردِ دل — دل رہے باقی نہ پھر نام و نشانِ دردِ دل
کوئی اہلِ دل نہ کوئی قدردانِ دردِ دل — دل کی دل ہی میں رہے گی داستانِ دردِ دل

ہے مرا پیرِ مغاں بس قدر دانِ دردِ دل
کچھ نہیں مقبول واں جز ارمغانِ دردِ دل

راز اندر راز ہے، رازِ نہانِ دردِ دل
دردِ دل ہے جانِ دل جاناں ہے جانِ دردِ دل

کیوں مرے اشک رہتے ہیں ہردم رواں
جستجو میں کس کی ہے یہ کاروانِ دردِ دل

صورتِ انجم ہیں میری آہ کی چنگاریاں
اور مرا دردِ فغاں ہے آسمانِ دردِ دل

(م)

برسائیں گے خونِ دل و جگر ہم
دیکھیں گے جبھی نخلِ محبت میں ثمر ہم

اُٹھے ہیں سُنانے کے لئے دردِ جگر ہم
ہوتی ہے ابھی بزمِ سخن درہم برہم

رکھتے ہی نہیں آہ میں اب کوئی اثر ہم
کر دیتے تھے دُنیا کو کبھی زیر و زبر ہم

سالک ہیں مگر جذب کا رکھتے ہیں اثر ہم
جانا تو کدھر ہم کو ہے جاتے ہیں کدھر ہم

آتا ہے نظر حُسن ہی جاتے ہیں جدھر ہم
کیا پھوڑ لیں آنکھیں ہی اب اے حسنِ نظر ہم

کوشش ہے کہ راحت میں کریں عُمر بسر ہم
لو دیکھتے ہیں خواب میں اک خوابِ دگر ہم

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کبھی ہستیٔ مطلق کی خبر ہم

رکھنے کو تو رکھتے ہیں گو تابِ نظر ہم
یہ بھی کہیں ممکن ہے کہ دیکھیں ادھر ہم

سو بار گرے کھا کے ترے تیرِ نظر ہم
ہر بار پھر اُٹھ اُٹھ کے ہوئے سینہ سپر ہم

کچھ اس کے سوا کہہ نہ سکے تا بہ سحر ہم
ٹھہرو کہ ابھی رکھتے ہیں اک عرضِ دگر ہم

پاتے نہیں دنیا میں بلاؤں سے مفر ہم
سایہ کی طرح ساتھ ہیں جاتے ہیں جدھر ہم

کچھ ہو گئے ایسے ترے وابستۂ در ہم
گھر چھوڑ کے سمجھے ہیں ترے کوچہ کو گھر ہم

جب ایک اسی ذات پہ رکھتے تھے نظر ہم
خطروں میں بھی گھس جاتے تھے بےخوف و خطر ہم

سونے نہیں دینگے تمہیں اب تا بہ سحر ہم
شب ہائے جدائی کی نکالیں گے کسر ہم

مجذوب ہیں طے جذب سے کر لیں گے سفر ہم
رہبر ہمیں درکار نہ محتاجِ خضر ہم

اُٹھ جائے ابھی کام لیں ہمت سے اگر ہم
اِک یوں ہی سا پردہ ہے ادھر وہ ہیں ادھر ہم

وہ صبح کو آئیں گے یہ سُنتے ہیں خبر ہم
ہم بھی انہیں دیکھیں گے جو دیکھیں گے سحر ہم

سو بار کیا عہد کہ نہ جائینگے اُدھر ہم
پھر شوق سے ہو ہو گئے مجبور مگر ہم

دم بھر تو بھلا کوئی ہمیں جی کے دکھادے
کرلائے ہیں جس حال میں اِک عمر بسر ہم

خود کو بھی ترے عشق میں ہم غیر ہی سمجھے
جی بھر کے نہ دیکھا کہ لگا دیں نہ نظر ہم

اَب شغل ہے دن رات طوافِ کوئے جاناں
منزل پہ پہنچ کر بھی ہیں مشغولِ سفر ہم

اَب صبح ہوئی اَب وہ اُٹھے اب وہ سدھارے
آثارِ سحر دیکھتے ہیں قبلِ سحر ہم

اِتنا نہ بڑھا خود کو رہِ حدِ اَدب میں
لے شوق ہوئے جاتے ہیں گستاخ نظر ہم

کیا وقت ہے کیا لُطف ہے مسرور ہے دُنیا
اور یادِ شبِ وصل میں بیزارِ سحر ہم

در پردہ کوئی پردہ نشیں دیکھ لیا ہے
اَب حُور بھی آجائے تو ڈالیں نہ نظر ہم

ہردم جو تصوّر میں ہے ان کا رُخِ روشن
پاتے ہیں شبِ غم میں بھی آثارِ سحر ہم

اَب آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہم کو
کچھ یاد بھی ہے تھے کبھی منظورِ نظر ہم

بے حس ہیں مگر ٹھیس لگا کر کوئی دیکھے
رکھتے ہیں نہاں سنگ کے مانند شرر ہم

اَب تُم ہی بتاؤ تمھیں کس طرح منائیں
چاہی تھی معافی تو ہوئے اور بھی برہم

محرومِ درِ فیض سے کوئی نہیں جاتا
آئے ہیں بہت دُور سے یہ سُن کے خبر ہم

بیگانۂ احباب جو ہم ہیں تو گلہ کیا
ہم وہ ہیں کہ رکھتے نہیں اپنی بھی خبر ہم

ہم بھی ہیں سرِ راہ کھڑے آج حسینو
بن ٹھن کے نہ نکلو کہ لگا دینگے نظر ہم

سو بار تو دیکھا انھیں سیری نہیں ہوتی
حسرت ہے یہی دیکھتے پھر ایک نظر ہم

نشّہ میں جوانی کے تمھیں ہوش بھی کچھ ہے
آنچل تو سنبھالو کہ لگا دیں گے نظر ہم

دیکھو نہ چلو ناز سے سینہ کو اُبھارے
جوبن نہ دکھاؤ کہ لگا دیں نہ نظر ہم

دعوے تھا ہمیں ضبط کا اب ہوگئے کیسے
قابو نہ ہمیں دل پہ نہ مختارِ نظر ہم

آنکھوں کی بدولت ہے مصیبت میں دل اپنا
لپکا تھا کبھی اَب تو ہیں بیزارِ نظر ہم

اغیار سے ہنس ہنس کے ہیں کس لطف کی باتیں
بیٹھے ہیں الگ بزم میں با دیدۂ تر ہم

سالک ہیں رفیقوں میں تو تیاریاں کیا کیا
اور عزمِ سفر رکھتے ہیں بے زادِ سفر ہم

مجذوب ہیں جب تک نہ دے دوگے معافی
مر جائینگے قدموں سے اٹھائینگے نہ سر ہم

دُنیا کے نہ عقبیٰ کے یہاں کے نہ وہاں کے
زندوں میں نہ مُردوں میں اِدھر ہیں نہ اُدھر ہم

جو اُن کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم

ہر خیر میں ہو جاتا ہے یہ نقش مزاحم
مسدود ہیں سب راستے اب جائیں کدھر ہم

ہم اور وہ ہو جائیں جُدا اب نہیں ممکن ہیں نکہت و گل، مہر و ضیا شیر و شکر ہم
بہتر سے بھی بہتر جو ہے تم اس سے بھی بہتر بدتر سے بھی بدتر جو ہے اس سے بھی بتر ہم
اس ناز سے اس شان سے اس تیز روی سے گذرو گے تو دُنیا ہی سے جائینگے گذر ہم
سالک ہمیں رکھنا نہیں منظور انھیں کو
پھر ہو گئے **مجذوب** ملاتے ہی نظر ہم

(ن)

تو ہی سوچ اے فکرِ عالی وصفِ قامت کیا کریں سرزمینِ شعر میں برپا قیامت کیا کریں
مرتے دم اُف کر کے افشا رازِ اُلفت کیا کریں عمر بھر کی جانفشانی دم میں غارت کیا کریں
بخت ہی بد ہو تو اے شوقِ شہادت کیا کریں رکھ دیا پیروں پہ سر اب اور منت کیا کریں
ہمدموں سے ہائے انکارِ محبت کیا کریں اشک کہہ جاتے ہیں آ کر دل کی حالت کیا کریں
نزع میں اے بیکسی اشکوں سے قبل از مرگ ہی خود کئے لیتے ہیں اپنی غسلِ میت کیا کریں
پیش کرتا ہے تصور تیری صُورت جوں سراب تشنۂ دیدار اس سے حاصل غیر حسرت کیا کریں
جذبِ دل سے ہم انھیں اے چشمِ حیراں کھینچ لائے اب بھی گر تجھ کو نہ سُوجھے تیری قسمت کیا کریں
زخم دیں کیا مُنہ سے اے کانِ ملاحت دادِ حُسن محو ہیں لطفِ نمک میں شرحِ لذت کیا کریں
شش جہت میں عاشقی کے ایک رو نا ہو تو روئیں رنج و غم، ماتم الم، افسوس و حیرت کیا کریں
ضعف روز افزوں ہے دعوائے محبت تیرے ہاتھ خار جب یکتن ہو نہ لیں اس گُل سے نسبت کیا کریں
دی جگہ آغوش میں جب سب کنارہ کش ہوئے شُکر تیرا ہم ادا اے کنجِ تربت کیا کریں
فتنۂ محشر سے نالوں نے جگا کر لی مدد پھر بھی بخت اپنا نہ چونکا ہائے قسمت کیا کریں
دِرہم داغِ محبت سے ہے مالا مال دل دردِ سر کیوں مول لیں ہم کسبِ دولت کیا کریں
تنگ ہیں ہم سخت جاں ہر چند لیکن یُوں شرر چوٹ دل پر کھا کے ضبطِ رازِ الفت کیا کریں

ل نریش کمار شاد کے مضمون سے اقتباس بحوالہ سرگزشت ڈائجسٹ فروری ۹۴ء ۱۲

ل مجذوب صاحب کار چلاتے ہوئے رکے پچھلی گاڑی نے ہارن دینا شروع کر دیئے۔ تیسرے ہارن پر رستہ دیا خاتون ڈرائیور (خوبصورت) نے زور سے کہا "کیا بالکل ہی بہرے ہو؟" بس وہ آگے نکل گئی۔ انہوں نے تیزی سے کار چلا کر انکے پاس جاکر کہا

مانیؔ و بہزادؔ اُٹھا کر خامہ ششدر رہ گئے
دیکھ کر خود بن گئے تصویرِ حیرت کیا کریں

لوحِ ہستی سے مٹا دیں اشک گو نقشِ وجود
محو پیشانی سے وہ تحریرِ قسمت کیا کریں

دل میں رہ جاتے ہیں نالے اُٹھتے ہیں گو لاکھ بار
آہنی دیوار سے پاسِ نزاکت کیا کریں

گوشِ گل کر، چشمِ نرگس کور، بے حس قدِّ سرو
باغِ ناقص کو ہم اس کامل سے نسبت کیا کریں

دل کے داغوں کو مٹانے کی کریں کیا فکر ہم
ہے امانت یار کی اس میں خیانت کیا کریں

مے کشی اپنی ہے کب بے مرضیِ ربِّ و اعظا!
دیتا ہے ترغیب اسی کی ابرِ رحمت کیا کریں

کرتی ہیں رُخ کا تصوّر جب بہا جکتی ہیں اشک
بے وضو آنکھیں بھی قرآں کی تلاوت کیا کریں

علمِ اُلفت پڑھ چکے اَے حضرتِ استادِ عشق
نقدِ جاں حاضر ہے لیجئے اور خدمت کیا کریں

باغِ عالم سے ہُوا بندِ تعلق منقطع
طائرِ دل ہے اسیرِ دامِ اُلفت کیا کریں

رو کشِ رُخسارِ تاباں ہوں نہ کیوں مژگانِ یار
ہندوانِ تیرہ دل قرآں تلاوت کیا کریں

اس زمیں پر خوب اسپ طرح نے جوہر دکھائے
گو ردیف اک سدِّرہ تھی فی الحقیقت کیا کریں

آہ بھی چل دی لگا کر دل پہ قفلِ آبلہ
کیسے چارہ گر انہیں الفاظ منّت کیا کریں

رُخ پہ چھینٹے اشک کے دیتے ہیں بالیں پر کھڑے
اور مجھ بیہوش کی ہمدم عیادت کیا کریں

پوست کی جُوتی بنے اور استخواں ہو خاکِ رہ
شوق مایوسی میں ان کے اور حسرت کیا کریں

قدرداں جتنے حسنؔ اس فن کے تھے سب چل بسے
شعر گوئی میں اَب ہم بیکار محنت کیا کریں

بس اَب ایک ہی آشنا چاہتا ہُوں
ہٹو دوستو! راستہ چاہتا ہُوں

مَیں اَب ترکِ ہر ماسوا چاہتا ہُوں
دلِ غیر آشنا چاہتا ہُوں

غریبوں میں جا کر رہا چاہتا ہُوں
مَیں اَب زندگی بے ریا چاہتا ہُوں

ترے عشق میں اور کیا چاہتا ہُوں
رضا چاہتا ہوں رضا چاہتا ہُوں

میں اس بے وفا سے وفا چاہتا ہُوں
مُجھے دیکھئے کس سے کیا چاہتا ہُوں

بس اَب بادہ نوشوں میں جا کر رہوں گا
مَیں جینے کا اَب کچھ مزا چاہتا ہُوں

رضا تیری حاصل ہو کون و مکاں میں
یہی اَب تو بس اَے خُدا چاہتا ہُوں

بگڑنے کو تم میرے کیا دیکھتے ہو
مَیں پہلے سے بہتر بنا چاہتا ہُوں

ادھر سے ہو شوق اور اُدھر سے کشش ہو
میں بے دست و پا، دست و پا چاہتا ہُوں

جہاں بیٹھ جاؤں وہی میرا گھر ہے
حویلی نہ اَب جھونپڑا چاہتا ہوں

چلا تو ہوں کِس شوق سے عرض کرنے
خبر یہ نہیں اِن سے کیا چاہتا ہوں

ہٹا دے جو دل میرا ہر ماسوا سے
اب ایسا کوئی دِلرُبا چاہتا ہوں

نہیں وصل کی بھی ہوس مرے دل میں
کسی کو مَیں بے انتہا چاہتا ہوں

خوشی وصل کی ہے نہ فرقت کا غم ہے
بہر حال تیری رضا چاہتا ہوں

نکلتا ہے اُف کچھ کا کچھ میرے منہ سے
میں کہتا ہُوں کیا اَور کیا چاہتا ہُوں

رہِ عشق میں پھر قدم لڑکھڑائے
مدد تم سے پیرِ ہُدیٰ چاہتا ہُوں

پھروں تا بہ کے جوشِ مستی میں رقصاں
بس اب بیٹھ کر جھُومنا چاہتا ہُوں

سنبھالو، سنبھالو، سنبھالو
گرا چاہتا ہُوں گرا چاہتا ہُوں

جہاں سانس لینے میں ہو آہ پیدا
بس اب کوئی ایسی فضا چاہتا ہوں

مرا سازِ ہستی سے لبریز نغمہ
کوئی مطرب خوشنوا چاہتا ہُوں

میں ہر سمت پھرتا ہُوں کھویا ہُوا سا
نہ جانے کِسے ڈھونڈنا چاہتا ہُوں

کرم کے بھروسے میں کتنا جری ہُوں
خطا کر کے اُن سے عطا چاہتا ہُوں

کھِلے پھُول پُرلُطف دیتی ہے شبنم
مَیں گریہ بھی خندہ نُما چاہتا ہُوں

الٰہی مَیں مجذُوب جاذب نہیں ہُوں
جنوں اِس سے بھی کچھ سوا چاہتا ہُوں

حقیقت سے دِل آشنا ہو گیا ہے
مَیں اب شاعری چھوڑنا چاہتا ہُوں

کروں گا فقیری بہ رنگِ امیری
مَیں صد پارہ گلگوں قبا چاہتا ہُوں

کسی کا میں اَب ہو کے محوِ تصوّر
سب افکار کا خاتمہ چاہتا ہُوں

رہوں مَیں نہ مجذُوب بن جاؤں سالک
یہ توفیق اَب اَے خُدا چاہتا ہُوں

وفا کر کے اُس کا صِلہ چاہتا ہُوں
بڑا ناسزا ہُوں سزا چاہتا ہُوں

مَیں اپنے ارادے سے کیا چاہتا ہُوں
خُدا کا ہی چاہا ہُوا چاہتا ہُوں

محبّت کا اپنی صِلہ چاہتا ہُوں
بڑا ناسزا ہُوں سزا چاہتا ہُوں

بتوں کو برائے خُدا چاہتا ہُوں
سرِ خَم دلِ مبتلا چاہتا ہُوں

مَیں مٹنے کو بھی میٹنا چاہتا ہُوں
مقامِ فناء الفناء چاہتا ہُوں

ترے نام کی دل پہ ضربیں لگا کر
میں نقشِ دوئی میٹنا چاہتا ہوں

رہا عمر بھر چپ میں یوں اُن کے آگے
کہ جیسے کچھ ان سے کہا چاہتا ہوں

ستائے بھی کوئی تو پائے دعائیں
گدا ہوں میں سب کا بھلا چاہتا ہوں

میں دوست ہوں مجھ کو مطرب نہ چھیڑے
میں ہر وقت آہ و بکا چاہتا ہوں

سراپا بنے سوز یہ سازِ ہستی
میں وہ راگ اب چھیڑنا چاہتا ہوں

جو کر دے مجھے گم کسی کی طلب میں
میں ایسا کوئی رہنما چاہتا ہوں

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں
وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

تیرے وصل کی تاب کیا لا سکوں گا
تعلق فقط دور کا چاہتا ہوں

رہوں ذکر و طاعت میں ہر دم الٰہی
یہی عمر بھر مشغلہ چاہتا ہوں

نہ دم بھر رہوں یاد سے تیری غافل
یہ توفیق اب اے خدا چاہتا ہوں

میں کب تک پھروں در بدر مارا مارا
ترے در پہ اب بیٹھنا چاہتا ہوں

جیوں گا کسی کا میں ہو کر فدائی
بقا بھی برنگِ فنا چاہتا ہوں

بوقتِ خوشی ہو فنا کا تصوّر
مسرت بھی حسرت فزا چاہتا ہوں

نہ اپنا بھی جس میں گذر ہو الٰہی
اب ایسی میں خلوت سرا چاہتا ہوں

نکلتے ہیں نالے تو مصرعے بھی موزوں
عبث شاعری چھوڑنا چاہتا ہوں

بڑھے گا تو پھر آگ کی طرح خود ہی
فقط عشق کی ابتدا چاہتا ہوں

گنہ میرے چھوڑے کہیں چھوٹتے ہیں
اعانت تری اے خدا چاہتا ہوں

بس اصلاح نفس اپنی تھک کر الٰہی
تجھی پر میں اب چھوڑنا چاہتا ہوں

یہ اف کون مستانہ وار آ رہا ہے
گرا چاہتا ہوں گرا چاہتا ہوں

ادا سے جو پوچھا تو سب بھول بیٹھا
کھڑا سوچتا ہوں کہ کیا چاہتا ہوں

تصدّق، تعیّش، تنعّم، تجمّل
بس اب اک غمِ دلربا چاہتا ہوں

ارے رکھ ہنسی کو ہنسی کی ہی حد میں
ہلاکِ تبسّم ہوا چاہتا ہوں

بھلا ہو، برا ہو، ادھر ہو، اُدھر ہو
غرض جو بھی ہو فیصلہ چاہتا ہوں

مَیں مجذوبؔ کب تک رہوں میرے مولیٰ
بس اَب ہوش اپنے بچا چاہتا ہُوں

بیادِ حضرت شیخ تھانویؒ

بیاں ادنیٰ سا فیضِ بیعتِ پیرِ مُغاں کر دُوں
جو گر جاؤں مَیں سجدہ میں زمیں کو آسماں کر دُوں

کرو تُم ظُلم اور مَیں ترکِ فریاد و فغاں کر دُوں
زباں رکھتے ہُوئے اپنے کو کیوں مَیں بے زباں کر دُوں

خُودی کو فنا کر دُوں مٹا دُوں بے نشاں کر دُوں
اُڑا دُوں جامۂ ہستی کے پُرزے دھجیاں کر دُوں

جو مَیں جوشِ جنوں میں خاک اُڑا کر اک فغاں کر دُوں
تو گردوں کو زمیں کر دوں زمیں کو آسماں کر دُوں

مَیں اپنے رنگ میں زاہد اگر ذکرِ بُتاں کر دُوں
تو دم میں کافرِ صد سالہ کو تسبیح خواں کر دُوں

ابھی اپنی ترنّم ریزیوں سے وہ سماں کر دُوں
کہ پژمُردوں کو زندہ اَور پیروں کو جواں کر دُوں

نہ گھبراؤ لو اَب مَیں مختصر ہی داستاں کر دُوں
اِک آہِ جانستاں میں حال سب اپنا بیاں کر دُوں

نہ دُنیا ہی کے میں لائق نہ عقبیٰ ہی کے میں قابل
کہاں اپنے کو غارت اے زمین و آسماں کر دُوں

ذرا ہُشیار رہنا شیخ جی میں ہُوں وہ مستانہ
نظر میں زاہدِ صد سالہ کو پیرِ مغاں کر دُوں

مَیں گو مجذوبؔ ہوں لیکن بفیضِ مُرشدِ کامل
نظر میں راہزن کو رہنمائے سالکاں کر دُوں

کوئی مزہ مزا نہیں کوئی خوشی، خوشی نہیں
ترے بغیر زندگی مَوت ہے زندگی نہیں

حال میں اپنے مست ہُوں غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہُوں مَیں جہاں میں یُوں جیسے یہاں کوئی نہیں

مجھ میں سبھی ہُنر سہی تاب تو ضبط کی نہیں
شرطِ وفا وہاں یہی اَور یہاں یہی نہیں

اس دلِ زار سے مفر عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عُمر بھر غم مرا عارضی نہیں

دل کی لگی ہے عاشقو یہ کوئی دل لگی نہیں
ہنس نہ سکو گے گو ہنسو عشق ہے یہ ہنسی نہیں

کیسے ہو دردِ دل بیاں اُف ہے نفس نفس فغاں
پچھ ہو کسی کی داستاں میری سی دُکھ بھری نہیں

کتنا ہی تُو بڑا سہی یہ بھی ہے زاہد آگہی
سمجھے جو خود کو منتہی وہ ابھی مبتدی نہیں

دِل ہے اُمید و بیم میں کشمکشِ عظیم میں
بیٹھے ہُوئے حریم میں ہاں ہے کبھی، کبھی نہیں

پہلے تھا گریہ و بکا اب ہے تحیّر و جف
رنگ وہی ہے بزم کا ہاں! وہ ہما ہمی نہیں

مجھ کو جو دل جگر دیئے درد سے دونوں بھر دیئے
حوصلے وہ مگر دیئے، شکوہ گلہ کوئی نہیں

بیٹھا ہوں جھکائے سر نیچی کئے ہوئے نظر
بزم میں سب ہی مگر وہ جو نہیں کوئی نہیں

مَے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خون
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

حُسن کا خوشنما چمن، عشق کا دلکشا چمن
مجھ سے ہے تا بپا چمن یہ مری شاعری نہیں

پاتا ہوں اُن کو شک نہ کر جان سے بھی قریب تر
فرق ضرور ہے مگر حد کوئی قرب کی نہیں

مال و زر و دل و جگر کر دے سبھی کو وقفِ در
بندگی اور بقید سر ننگ ہے بندگی نہیں

ہوش نہ جانے تھا کدھر سوچا تو اب ہوئی خبر
باتیں ہزار کیں مگر دل میں جو تھی کہی نہیں

اے مرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سُو کوئی کلی کھلی نہیں

رہتا ہوں بے لب و دہن روز و شب ان سے ہم سخن
جان سخن ہے اے حسن یہ میری خامشی نہیں

مَے کشو! یہ تو مَے کشی رندی ہے مے کشی نہیں
آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں

ٹھہرے گا دل تھمیں گے اشک آہ مگر ابھی نہیں
غم ہے یہ دل لگی نہیں رونا ہے یہ ہنسی نہیں

کچھ بھی ہو عشق میں روا اتنی بھی بدظنی نہیں
کہتے ہیں وہ "ابھی نہیں" سنتا ہوں میں "کبھی نہیں"

چھوٹے بڑے کا عشق میں دیکھا تو فرق ہی نہیں
شہ کی یہاں شہی نہیں خواجہ کی خواجگی نہیں

جو بھی کیا بجا کیا کہنے تو دو کہ کیا کیا
عشق نے جو کہا کیا میری کہی سنی نہیں

پینے میں آ گیا کہاں لیٹی ہیں اُڑ کے مستیاں
اتنی ہے تیز مے یہاں مست ہوں اور پی ہی نہیں

دیکھے جو خود کو عرش پر اس سے بھی قطع کر نظر
دل میں نہ ہو جو ان کا گھر یہ کوئی چیز ہی نہیں

ہجر کی شب عجب ہے شب حال یہ کیا ہے العجب
تارے ہیں روشنی نہیں چاند ہے چاندنی نہیں

توبہ تو بار بار کی بات تھی اختیار کی
توبہ مگر بہار کی، آہ کبھی نبھی نہیں

سخت ہے کشمکش میں جاں دل بھی ہے مضطرب ہر آن
سچ ہے کہ ہے مرا گماں تم نے صدا تو دی نہیں

شیشہ ہے جام ہے نہ خُم اصل تو رونقیں ہیں گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں

کیا میں کہوں کہ کیا ہوں میں مبتلا اک آگ کا ہوں میں
کب سے تو رو رہا ہوں میں دل کی لگی بجھی نہیں

پیار کے وہ ستم کہاں، جور نما کرم کہاں
جان کہاں ہے ہم کہاں موت ہے زندگی نہیں

ان کی محبت آہ میں شوق بھری نگاہ میں
یعنی ابھی ہے راہ میں دل میں ابھی بسی نہیں

حُسن کی بارگاہ ہے سہل کوئی نباہ ہے — آہ بھی اِک گُناہ ہے عشق ہے دل لگی نہیں
دل میں اگر حضور ہو، سر ترا خم ضرور ہو — جس کا نہ کچھ ظہُور ہو عشق وہ عشق ہی نہیں
دل میں لگا کے اُن کی لَو کر دے جہاں میں نشر ضَو — شمعیں تو جل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں

دھر کی اَب ہے انجمن تیرہ و تار اے حسن
باعثِ نوُر تُو ہی بن اَوروں کو فکر ہی نہیں

عندلیبِ بوستانِ راز ہُوں — ہمنوائے بُلبلِ شیراز ہُوں
عاشقوں میں کیوں نہ مَیں ممتاز ہُوں — سب تو دل دیتے ہیں مَیں جانباز ہُوں
سر بسر اک حشرِ بے آواز ہُوں — میں بھی اُف کتنا امینِ راز ہُوں
تُو ہے مطرب اور میں تیرا ساز ہُوں — تُو زباں ہے مَیں تری آواز ہُوں
محرمِ سرِّ حریمِ ناز ہُوں — راز اندر، راز اندر راز ہُوں
جامِ جم ہے پیکرِ ہستی مرا — راز ہُوں اَور خود ہی شرحِ راز ہُوں
کیا کہوں صُورت یہ ہیں حالم میرے — راز ہُوں اور خود ہی شرحِ راز ہُوں
لا نوید وصل لا اے صور لا — مدّتوں سے گوش بر آواز ہُوں
کر دیا مطرب نے کیا سے کیا مجھے — ساز تھا اب نغمۂ بے ساز ہُوں
بے کسئ نزع میں گھبراؤں کیوں — کہہ رہا ہے کوئی مَیں دمساز ہُوں
بات اُٹھا سکتا نہیں شاہوں کی بھی — ناز بردارِ سراپا ناز ہُوں
کہہ رہی ہے کوُئے جاناں کی زمیں — عرش ہُوں گو فرش پا انداز ہُوں

مُجھ سے بھی مجذُوب یہ اخفائے راز
میں تو تیرا ہمدم و دمساز ہُوں

ہم تخیفوں سے گریز آپ کو درکار نہیں — پہلوئے گُل میں ہُوا کرتے کیا خار نہیں
کب مُوسیٰؑ کی طرح طالبِ دیدار نہیں — صُورتِ طُور میں کب جلنے کو تیار نہیں
اک قیامت ہے سراسر تری رفتار نہیں — شورِ محشر ہے یہ پازیب کی جھنکار نہیں

آخری دو شعر مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کیلئے کہے گئے

کوئی ہمدرد نہیں ہجر میں غمخوار نہیں
بھیں میں روزِ قیامت ہے شبِ تار نہیں

جاؤں کیوں باغ میں تو گلزار نہیں
چشمِ نرگس سی نہیں پھول سے رخسار نہیں

خط نہ کیوں عارضِ رنگیں پہ ہو اس گلرو کے
جس میں سبزہ نہ ہو پرلطف وہ گلزار نہیں

دیکھ جاؤ سفرِ ملکِ عدم ہے درپیش
ورنہ سن لینا کوئی دم میں کہ بیمار نہیں

داغِ انجم ہیں یہ کیا اور ہے یہ گردش کیسی
وہ اگر تختۂ مشقِ ستمِ یار نہیں

کچھ تو اے دستِ جنوں چھوڑ کر جز تارِ نفس
اب رہا جامۂ ہستی میں کوئی تار نہیں

دل کوئی شئے ہے بھلا اسکی حقیقت کیا ہے
مانگئے جان بھی گر آپ تو انکار نہیں

قبر ہی میں مجھے اے حشر پڑا رہنے دے
شکل دکھلانے کے قابل یہ سیہ کار نہیں

تیری رحمت کی جو آغوش میں مجرم ہونگے
حسرتِ جرم کرینگے جو گنہگار نہیں

کرتا ہے موج زنی بحرِ فصاحت گویا
جنبش لب یہ تمہاری دمِ گفتار نہیں

دُرِ مضموں کی جھڑی رہتی ہے کیوں پھر یہ حسن
گر مری طبع رواں ابرِ گہربار نہیں

طعنۂ اقربا نہیں یا غمِ دلربا نہیں
فکرِ معاش مجھ کو کیا کھانے کو میرے کیا نہیں

کہنے کا تیرے ہمنشیں مانتا میں برا نہیں
صاحبِ نظر کے سامنے ہائے ابھی پڑا نہیں

کب وہ وہیں گرا نہیں جس کو ذرا اٹکا نہیں
تیری نظر کا تیر بھی جس پہ پڑا اچٹا نہیں

ہنسنے کا تیرے ناصحا مانتا میں برا نہیں
ہوش ربا کے سامنے ہائے ابھی پڑا نہیں

لایا ہوں میں عرض بڑی منہ مرا گو بڑا نہیں
آپ کی بارگاہ میں فضلِ خدا سے کیا نہیں

نفس کا مارِ سخت جاں دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل ادھر ہوا نہیں اس نے ادھر ڈسا نہیں

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جامِ جہاں نما نہیں

اے مرے خضر ختم اب ہوتی ہے کب مری طلب
اس کو چلا ہوں ڈھونڈنے جس کا کہیں پتہ نہیں

کشتیٔ دل یہ ناگہاں آ گئی ناخدا کہاں
ہٹیئے تو ابتدا نہیں بڑھئے تو انتہا نہیں

پردہ نشیں کی حشر تک دیکھ سکے نہ اک جھلک
تیر ہو خاک زندگی اتنا بھی آسرا نہیں

جن و ملک ہوں یا بشر سب سے تو ہی ہے خوب تر
تجھ میں نہیں کوئی کسرہاں مگر اک خدا نہیں

عشق سے ہے جو بے خبر مردوں سے بھی ہے وہ بتر
سچ ہے کسی پہ بے مرے جینے کا کچھ مزا نہیں

دیکھ نہ قلبِ مبتلا رنگ پہ گلرخوں کے جا
پھول ہیں سب یہ کاغذی بو نے وفا ذرا نہیں

چھوڑ خیالِ خوش قداں کیجیو جاں نہ کر گماں
اس کو سمجھ تو اژدہا دھوکے ہے یہ عصا نہیں

کوئے بتاں کا میں سدا مفت بنا رہا گدا
تجھ میں بھی کون سی ادا اے مرے با خدا نہیں

کس لئے مجھ سے عار ہے پہلوئے گل میں خار ہے
گل کی یہی بہار ہے خار سے گل جدا نہیں

جس نے بچشمِ نکتہ چیں دیکھ لیا وہ مہ جبیں
اس کی نظر میں پھر کہیں کوئی حسیں جچا نہیں

اے مرے ترکِ نازنیں تجھ پہ ہزار آفریں
بچھ گئی صف کی صف وہیں ہاتھ جہاں اٹھا نہیں

بنئے بہت نہ پارسا آنکھیں تو دیکھئے ذرا
رندوں نے تاڑ ہی لیا نشۂ مے چھپا نہیں

ہو نہ خفا تو بے سبب ضبط نہ ہو تو کیا عجب
آنکھیں ہی تیری ہیں غضب دل کی مرے خطا نہیں

تقویٰ کا ہو لباس بس اور نہیں کوئی ہوس
مدِ نظر غلام کے خرقہ نہیں قبا نہیں

ڈھونڈ تو کوئی رازداں اس کا جو دے تجھے نشاں
گھر میں خزانہ ہے نہاں تجھ کو مگر پتہ نہیں

سوچ سمجھ کے چل ذرا سہل نہیں ہے راہِ عشق
دیکھ سنبھل کے رکھ قدم چوکا کہ بس گرا نہیں

مجھ کو نکال بھی دیا پھر بھی ہوں میں یہیں پڑا
جاؤں کدھر میں اے خدا در کوئی دوسرا نہیں

تھی جو کمی نیاز میں روٹھ گیا ہے نازنیں
دلبر و دلنواز ہیں جز بہ کرم و وفا نہیں

تیغِ عدو سے ہوں نڈر ہاتھ میں گو نہیں سپر
کوئی نہیں مجھے خطر میری اگر قضا نہیں

ہے یہ انہی کا حوصلہ دعوئ زہد و اتقا
میں تو ہوں رندِ میکدہ زاہدِ پارسا نہیں

رکنے کا میں نہیں کبھی ہے یہ عبث کشاکشی
چھوڑو بھی ناصحو اجی ہوش مرے بجا نہیں

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح و شام کا
اب میں تمہارے کام کا ہم نفسو رہا نہیں

تجھ کو ہوئی نہ کچھ خبر، نکلا کہاں گیا کدھر
عرشِ بریں سے گو ادھر نالہ مرا رکا نہیں

ہو گئی خشک چشمِ تر، بہہ گیا ہو کے خوں جگر
رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

تابِ کلامِ آتشیں اب نہیں اے دلِ حزیں
اور ذرا پڑھا نہیں حشر بپا ہوا نہیں

شکرِ خدائے عز و جل لکھی ہے میں نے وہ غزل
جس کا کہیں کوئی بدل کہتا ہوں برملا نہیں

جذب ہے اپنا زور پر نام میں بھی ہے کیا اثر
فکر ہزار کی مگر مقطع میں لا سکا نہیں

---

۱ اُس نے نکال بھی دیا پھر بھی ہوں میں یہیں پڑا

نہ شوکت لے کے آیا ہوں نہ عظمت لے کے آیا ہوں
محبت لے کے آیا ہوں محبت لے کے آیا ہوں

ازل سے میں تمہاری اک امانت لے کے آیا ہوں
تمہیں دینے کو یہ دردِ محبت لے کے آیا ہوں

مرے پاس اور کیا ہے بس یہ نالے ہیں یہ آہیں ہیں
جو سمجھیں آپ اسے دولت یہ دولت لے کے آیا ہوں

اس اک نعمت میں مضمر نعمتیں ہیں کُل دو عالم کی
نہیں کوئی بدل جس کا وہ نعمت لے کے آیا ہوں

کوئی کچھ لے کے آیا ہے کوئی کچھ لے کے آیا ہے
میں حیرت لے کے آیا ہوں میں حیرت لے کے آیا ہوں

نہیں مجنون دیوانہ میں ہوں مجذوبِ مستانہ
ازل سے میں یہ مستانہ طبیعت لے کے آیا ہوں

کسی کے در سے لوٹے ہیں جو سب دامن بھرے اے دل
تو میں مجذوب بھی اک خاص دولت لے کے آیا ہوں

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

ازل سے میں جو یہ دردِ محبت لے کے آیا ہوں
بظاہر دیکھنے میں اک مصیبت لے کے آیا ہوں

بلا ہے قہر ہے آفت ہے یہ پہلو میں دلِ میرا
سنبھل بیٹھو میں تھا اپنے قیامت لے کے آیا ہوں

جو اشرف تھا زمانے سے جو اشرف ہے زمانہ میں
میں ایسے تیرے اشرف کی عقیدت لے کے آیا ہوں

کسی کو کیا خبر سب سے چھپانے کے لئے اے دل
بصد اخفا میں اس تلخی میں لذت لے کے آیا ہوں

کہوں میں کیا لئے جان جہاں دنیا میں دنیا سے
میں نفرت لے کے آیا ہوں کہ رغبت لے کے آیا ہوں

عجب عنوان سے آیا ہوں میں اس باغِ عالم میں
کہ آنکھوں میں تو شوق اور دل میں وحشت لے کے آیا ہوں

پہنچا ہوں جہاں ! میں نے بدل دی ہیں فضائیں
آتے ہی مبدل ہوئیں آہوں سے ہوائیں

نکلی ہیں لبِ تشنہ سے آہیں کہ ہوائیں
ہر سو سے چلی آتی ہیں گھر گھر کے گھٹائیں

یہ ابر، یہ منظر، یہ ہوائیں، یہ فضائیں
کیا شاہدِ فطرت کی ہیں مستانہ ادائیں

وہ منتظر اس کے ہیں کہ آنکھیں تو ملائیں
اب حضرتِ مجذوب ذرا ہوش میں آئیں

آخر متوجہ تو ہوئیں ان کی جفائیں
ممنونِ سزا ہوں مری ناکردہ سزائیں

آئیں وہ تو کیونکر مری پہچان میں آئیں
بیرنگ ہیں سو رنگ کی لیکن ہیں قبائیں

محفل میں ذرا ہم سے وہ آنکھیں تو ملائیں
جو دل میں ہے کہہ جائیں سب اور لب بھی نہ ہلائیں

مجذوب عجب ان کی ہیں مستانہ ادائیں
ہر حال میں ہے کیف رلائیں کہ ہنسائیں

آئیں گے نہ اب لاکھ وہ کہہ کہہ کے یہ جائیں
ممکن ہے نہ آئیں ابھی آئیں وہ پھر آئیں

آنکھیں یہ ہمیں دیکھنے کیا کیا نہ دکھائیں
لے لیتی ہیں ہر گیسوؤں والے کی بلائیں

چھائی ہیں فلک پہ یہ جو گھنگھور گھٹائیں
آئی ہیں یہ لینے ترے بالوں کی بلائیں

تم ایک ہو گُل ہو کہیں غنچہ کہیں ہو
غیروں سے وہ بے باکیاں ہم سے یہ حیائیں

محدود فضائیں ہیں یہ مرغانِ ہوا کی
اُڑتے ہیں جہاں ہوش وہ ہیں اور فضائیں

گو کچھ نہ کہیں آگ سے بھر جاتے ہیں سینے
چھپتا ہے کہیں سوزِ دروں لاکھ چھپائیں

مجذوبؔ کے ہنسنے پہ نہ جانا اے حضرت
رونے پہ کبھی آجائیں تو دریا ہی بہائیں

محفل میں تیری سب کے ارماں نکل رہے ہیں
سالک اُبل رہے ہیں مجذوبؔ اُچھل رہے ہیں

دیکھ اہلِ ضبط مضطرب پہلو بدل رہے ہیں
کوہِ گراں بھی اپنی جگہوں سے ٹل رہے ہیں

ہم اس گلی میں لے دل چلنے کو چل رہے ہیں
ادنیٰ خطا پہ لیکن عاشق نکل رہے ہیں

دے تیز ہی تو ایسی تو اس کو ہم کریں کیا
بس بھر تو اپنی ساقی ہم سنبھل رہے ہیں

کرتی ہے آہ میری طوفانِ نوحؑ برپا
ہر چشمِ خشک سے بھی دریا اُبل رہے ہیں

سُن سُن کے میرے نالے وہ اور سوزِ دل پر
آہوں سے اپنے بیٹھے پنکھا سا جھل رہے ہیں

جب تک تھے ہم تمہارے سارا جہاں تھا اپنا
اب تم جو پھر گئے سب آنکھیں بدل رہے ہیں

اک اب ہیں ہم کہ ان کو صورت سے بھی ہے نفرت
اک جب تھے ہم کہ راتوں وہ ہم بغل رہے ہیں

نالوں پہ تم تو میرے ہنستے تھے اب یہ کیا ہے
گردن جھکی ہوئی ہے آنسو نکل رہے ہیں

بے حس نہ ہائے سمجھو اے اہلِ وجد مجھ کو
کیوں کر دکھائیں دل پر خنجر جو چل رہے ہیں

بستر پہ غم کے ہم کو سمجھے نہ کوئی سوتا
آتی ہے نیند کس کو کروٹ بدل رہے ہیں

بے دست و پا ہیں پھر بھی رکھتے ہیں قصدِ منزل
معلوم ہے رسائی چلنے کو چل رہے ہیں

مر کر بھی خوابِ راحت حاصل ہوا ایک اُن کو
مہجور قبر میں بھی کروٹ بدل رہے ہیں

اس سے تو صاف کردو انکار ہی تو اچھا
وعدے یونہی تمہارے برسوں سے ٹل رہے ہیں

اقرارِ وصل کر کے آیا ہے ہوش اُن کو
کہنے کو کہہ گئے اب پہلو بدل رہے ہیں

دل کی کجی کو کچھ تو عزلت ہوئی شکنجہ
نکلیں گے ان کے ہاتھوں باقی جو بل رہے ہیں

ہے عرش لامکاں تک دل کی مرے رسائی
فرہاد و قیس وقفِ دشت و جبل رہے ہیں

بزمِ جہاں سے وحشت ہونے لگی ہمیں بھی ٹھہرو ذرا کہ یارو ہم بھی تو چل رہے ہیں
کیوں دے دیا کسی کو دل کی قدر نہ جانی پہلے تو کچھ نہ سوچا اب ہاتھ مل رہے ہیں
وہ خاک ہو چکا ہے کب کا ادھر تو دیکھو پیروں سے اب وہ ناحق دل کو مسل رہے ہیں
عشّاق تو وہ ہوئے ہیں پروانہ وار سوزاں مانندِ شمع وہ بھی محفل میں جل رہے ہیں
تم دیکھنا یہ چُپ بھی لاتی ہے رنگ کیا کیا سانچے میں میرے دل کے مضمون ڈھل رہے ہیں
اے مارِ نفس تیرا باقی وہی ہے دم خم مُدّت سے تیرے سر کو گو ہم کچل رہے ہیں

مجذوبؔ نے جو بڑ میں دو لفظ بھی نکالے
برسوں وہ سالکوں میں ضرب المثل رہے ہیں

خُدا کا شُکر ہے بے شک بڑی تقدیر رکھتے ہیں
جو ہے ہر طرح پر کامل ہم ایسا پیر رکھتے ہیں
تصوّر کے مزے فضلِ خُدا سے ہم کو حاصل ہیں
کہ آنکھوں میں کبھی دل میں تری تصویر رکھتے ہیں
میں صدقہ اس خلش کے اور میں اس درد کے قرباں
جگر میں دل میں جو تیری نظر کے تیر رکھتے ہیں
فلک گردش میں رہتا ہے زمیں چکّر میں رہتی ہے
اثر اتنا تو میرے نالۂ شب گیر رکھتے ہیں
تمھیں پا کے تمہارے چاہنے والے نہ کیوں خوش ہوں
جو آئے کام دو عالم میں وہ جاگیر رکھتے ہیں
ہمیں پھر دین و دُنیا کی مسرّت کیوں نہ حاصل ہو
عنایت کی نظر ہم پر ہمارے پیر رکھتے ہیں
کھنچا آتا ہے اُف اُن کی طرف کو اب تو اک عالم
قیامت کی کشش وہ جذب عالم گیر رکھتے ہیں
تصوّر کے مزے کیا پُوچھتے ہو آپ اب ہم سے
کلیجے سے لگا کر آپ کی تصویر رکھتے ہیں

تعجب کیا اثر اُن کا جو ہے سارے زمانے پر
وہ خود بھی تو بڑے ہیں جو بڑی تاثیر رکھتے ہیں

محبت جس نے کی تم سے خُدا کو پا لیا اُس نے
تمہارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

گھٹا ہے، برق ہے، ساقی ہے، مے ہے، یار نہیں
بہار تو ہے مگر حاصلِ بہار نہیں

یہ عشق دل سے ہے اور دل پہ اختیار نہیں
گناہگار ہوں بے شک قصوروار نہیں

یہ تیرے لب کی تو گلکاریاں بہار نہیں
وہ حُسن تو پسِ پردہ شریکِ کار نہیں

کسی کی دی ہُوئی کیا چیز یادگار نہیں
دل فگار نہیں چشمِ اشکبار نہیں

شبِ وصال ہے لیکن ادب ہے مانعِ وصل
سب اختیار ہے اور پھر کچھ اختیار نہیں

ہمارا جینا ہی کیا اور ہمارا مرنا ہی کیا
جئیں تو گھر نہیں مرجائیں تو مزار نہیں

زہے نصیب کہ میری نظر بہ فیضِ جنوں
فریب خوردۂ رنگینیٔ بہار نہیں

یہ اپنی حدِ نگاہ ہے کسی کی دید کہاں
یہ حُسنِ عکسِ نظر ہے جمالِ یار نہیں

کسی کا ہائے دمِ خودکشی یہ آ کہنا
نہیں نہیں ارے او میرے بیقرار نہیں

کتابِ عشق کے سارے ورق اُلٹ ڈالے
کہیں یہ مسئلہ جبر و اختیار نہیں

ابھی تو گویا میں دُنیا ہی میں نہیں آیا
یہ دن جو ہجر کے ہیں زیست میں شمار نہیں

تصور اب مری آنکھوں کو لے اُڑا کہیں اور
یہ محوِ دید ہیں یہ محوِ انتظار نہیں

کہیں ہے آب و ہوا اشک و آہ کی بھی خُدا
کہ اور آب و ہوا مجھ کو سازگار نہیں

خفا نہ ہو میں لبوں کو بھی سی لوں گا
میں دل ہیں فگار نہیں تُم ستم شعار نہیں

زمانے بھر میں تو شُہرہ ہے میری رندی کا
ہیں حسبِ شوق مگر پھر بھی بادہ خوار نہیں

یہ ہیں تمہاری ہی تصویر کے تو رُخ دونوں
خزاں بھی مری نظر میں کم از بہار نہیں

مجال کیا ہے کہ ہو جائے اک ذرا جُنبش
وہ ایسے بیٹھے ہیں جیسے میں بیقرار نہیں

لیے چل اے ملک الموت ایسے بھی روح کے ساتھ
یہ جسمِ زار مرا قابلِ مزار نہیں

جو اہلِ عقل ہیں کیا تجھ کو پائیں گے مجذُوبؔ
وہ راز داں سہی لیکن وہ راز دار نہیں

ہزار بار قسم کھا لو ایک بار نہیں
اب اس کو میں کیا کروں دل کو اعتبار نہیں

پڑا ہُوں یُوں ہی جنازہ نہیں مزار نہیں
خُدا کا شُکر ہے میرا کسی پہ بار نہیں

شبِ وصال ہے یہ موقع وقار نہیں　　وقار بھاڑ میں جائے بس اَب قرار نہیں
شبِ وصال ہے تاریکیِ مزار نہیں　　وہ ہم کنار ہیں یہ قبر کا فشار نہیں
ہلاک کر دیا جس پر بھی پڑ گئی وہ نگاہ　　کہ جیسے تیغِ برہنہ کسی کی یار نہیں
نظر بھی پیار کی میں ڈال دوں تو پھوڑ دیں آنکھ　　جو غیر بوسہ بھی لے لے تو ناگوار نہیں
لگی ہے آنکھ یہ کس شوخ سے تری اے دل　　کہ رات دن کسی پہلو تجھے قرار نہیں
پڑا ہے مُوت سے لاچار بے حس و حرکت　　وہ بیقرار جو خود کردۂ قرار نہیں
کوئی لباس نہیں جُز لباسِ عُریانی　　بدن پہ میرے جو آتے ہیں تار تار نہیں

انھیں مُحِل کے سرِ بزم کر دیا برہم
یہ طفلِ اشک مرا آزمُودہ کار نہیں

اگرچہ مثلِ شررِ حسن ہی ہے معدن سوز　　مگر وہ شُعلے کے مانند بے قرار نہیں
بھلا رہوں میں دو عالم میں اے خُدا تیرا　　بُرا کہے جو خُدائی تو مُجھ کو عار نہیں
نظر کر اپنے پر اور اختیار والے پر　　اسی میں خیر ہے ناداں کہ اختیار نہیں
چُھڑا دے تُو ہی گُناہوں کو مَیں نے تو یا رب　　ہزار بار کیا عہد ایک بار نہیں
جنوں میں ہو گئی اللہ کیا مری حالت　　کہ پھُول پھُول نہیں مجھ کو خار خار نہیں
خموش شمع مرے ساتھ روئے گی کب تک　　یہ غمْ بھر کا ہے شب بھر کا انتظار نہیں
وہ بیٹھے رہتے ہیں دیکھوں تو اُٹھتے کب تک　　جو بے قرار نہ کر دُوں تو بے قرار نہیں
ذرا بھی تو دلِ مضطر کو دم نہ لینے دے　　قرار اگر کہیں آیا تو بے قرار نہیں
نہ پُوچھ طولِ شبِ انتظار ہائے نہ پُوچھ　　خبر نہیں مُجھے ہے بھی کہ انتظار نہیں

ابھی تو کپڑے بدل کر نہ جاؤ غیر کے گھر
ابھی کفن بھی تو میلا تہِ مزار نہیں

نقاب اُلٹ بھی دو اَب کوئی ہوشیار نہیں　　کہ منتظر کو بھی احساسِ انتظار نہیں
بتوں کا جور تو منظورِ حق کا پیار نہیں　　پھر اَور کیا ہے اگر یہ خُدا کی مار نہیں
ملا وہ دل کہ کوئی جس پہ اختیار نہیں　　ملی وہ زیست کہ جس کا کچھ اعتبار نہیں
میں کس حسین کی نظروں میں ہائے خار نہیں　　مرے نصیب کا کوئی گلِ عذار نہیں

اثر میں نشہ سے کچھ کم مرا خمار نہیں
مَیں اپنی ہوش میں آکر بھی ہوشیار نہیں

جہاں میں مجھ سا بھی کوئی تباہ کار نہیں
کہ خاک ہو کے بھی مَیں خاکِ کوئے یار نہیں

عبث ہے ضد نہیں مانوں گا زینہار نہیں
تم آج لاکھ بہانے کرو ہزار نہیں

چمن میں گل ہیں گلوں میں ادائے یار نہیں
بہار تو ہے مگر حاصلِ بہار نہیں

کہاں تک آہ چلے جائیں ہم یہی سنتے
کہ کوئے یار ہے آگے یہ کوئے یار نہیں

جو یوں پڑی ہے کس آزاد کی یہ میّت ہے
کفن نہیں، صفِ ماتم نہیں، مزار نہیں

یہ قافلہ ہے ہمارا کہ کاروانِ خیال
جرس نہیں، اثرِ پا نہیں، غبار نہیں

جو اپنے آپ کو خود ہی گناہ گار کہے
گناہگار نہ کہہ وہ گناہگار نہیں

اسے جو اپنے کو خود ہی گنہ گار کہے
گناہگار نہ کہہ وہ گناہگار نہیں

سمجھ کے اہلِ خرد آئیں بزمِ ساقی میں
کہ سب ہیں مست یہاں کوئی ہشیار نہیں

نہ ترکِ عشق پہ ناصح عبث اُبھار مجھے
یہ وہ فسوں ہے کہ جس کا کوئی اُتار نہیں

چلیں نہ گورِ غریباں میں آپ اِٹھلاتے
یہی روش ہے تو مُردے تہِ مزار نہیں

ترا وجود ہے بے فیض مُردہ دل زاہد
کہ نخلِ خشک سے اُمیدِ برگ و بار نہیں

مَیں سب کا دوست ہوں کوئی نہیں مرا دشمن
میں صاف دل ہوں کسی سے مجھے غبار نہیں

یہ کہہ رہا ہوں مَیں واعظ سے آج دُور کی بات
بنے گا خاک وہ ساقی جو بادہ خوار نہیں

نہ چھیڑ مسئلہ جبر و اختیار نہ چھیڑ
کچھ اختیار ہے جب دل پہ اختیار نہیں

خودی میں تو بھی تو ہے مست زاہدِ خود بیں
مَیں ہوں ضرور مگر تجھ سا بادہ خوار نہیں

ہمیشہ دیکھا برہنہ ہی تجھ کو اے مجذوب
جہاں میں کیا تری قسمت کا کوئی تار نہیں

نہ سمجھو کہ بہرِ طرب گا رہے ہیں
پئے گریہ ہم دل کو گرما رہے ہیں

بنو نغمہ سنج احادیث و قرآن
یہی گیت سارے سلف گا رہے ہیں

ہوئے کتنے گستاخ گیسو تمہارے
ہٹاتے ہو پھر بھی یہ مُنہ آ رہے ہیں

عجب حال ہے آج اپنا کہ ساغر
لبالب ہے پھر بھی بھرے جا رہے ہیں

مریضِ محبت میں اب کیا دھرا ہے
جو باقی ہیں وہ سانس آ جا رہے ہیں

مَیں مجذُوب ہُوں کچھ سمجھئے تو ناصح
بھلا آپ بھی کِس کو سمجھا رہے ہیں

دل وصل میں بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں
تشنہ بہ لبِ آب ہے معلوم نہیں کیوں

بیمار کی قسمت میں ہے معلوم نہیں کیوں
تریاق بھی زہراب ہے معلوم نہیں کیوں

مجذُوبؒ کو دُھن آج ہے معلوم نہیں کیا
تنہا بصد احباب ہے معلوم نہیں کیوں

سودا چمن کو ہے مرے گُل کا بہار میں
عالَم جو نشترِ رگِ گُل کا ہے خار میں

وہ دل میں اور دل بدن داغدار میں
بیٹھے ہیں تخت پر وہ مگن لالہ زار میں

آنکھیں مری تصوّرِ گیسُوئے یار میں
ایسی ہیں جیسے پھرتے ہیں آہو تتار میں

گرمی ہے اس قدر مرے دل کے شرار میں
جتنے شرر تھے جا چھُپے سب کوہسار میں

بھولا گنہ کا لُطف عذابِ مزار میں
نکلا سرورِ مے کا مزا سب خمار میں

روپوش حُسن ہو گیا سب خطِ یار میں
حیرت ہے آفتاب نہاں ہو غبار میں

دل کو نہیں بتوں کا تصوّر مزار میں
ہیں شوخیاں یہ کس کی دلِ بے قرار میں

ہے ہم کناریوں کا مزہ ہجرِ یار میں
ہیں شوخیاں یہ کس کی دلِ بیقرار میں

کتنے کھوں میں داغ دلِ داغدار میں
بالائے چرخ آئیں کب انجم شمار میں

آ، رہ تو شاہ حسن، دلِ داغدار میں
دلکش ہے کیا ہی قصر یہ نقش و نگار میں

تارِ نفس کو پہنچا ہے پیکِ اجل یہاں
اک تار کی کمی ہے جوان کے ستار میں

رنجش سے تیری مجھ کو دو عالم ہے تیرہ و تار
دونوں جہاں ڈھکے ترے دل کے غبار میں

ابرِ سیاہ حرُوف ہیں قرطاس برق ہے
تحریر حالِ چشم و دلِ بے قرار میں

غارتگری کو دل میں وہ آ پہنچا شاہِ حسن
آئی ہے یہ خبر مجھے اشکوں کے تار میں

نالو نہ دو عبث اسے تکلیف گوشِ یار
پہنچے وہاں یہ تاب کہاں حالِ زار میں

سجدے پہ سجدے یاں ہیں توجہ نہیں ادھر
میں ان کو سُوجھتا نہیں دل کے غبار میں

ترساں سوارِ کشتئ طوفاں رسیدہ ہیں
ارماں لرز رہے ہیں دلِ بے قرار میں

ممکن نہیں وہاں تن پر داغ کی تمیز
چھپنا اجل سے ہو تو رہوں لالہ زار میں

عشاق بس کہ خاک ہُوئے اسقدر وہاں
تجویز جائے حشر ہُوئی کُوئے یار میں

ہم داغداروں کو بھی رکھو ساتھ اَے بُتو!
رونق ہے لالہ زاروں ہی سے کوہسار میں

پس پس کے سُرمہ چشم تصوّر کا ہو گئے
ارمان آسیا تِے دلِ بے قرار میں

کُوچہ میں ماہ کے ہے بلاؤں کا یہ ہجوم
چھپتا ہے مہر سایہ دیوارِ یار میں

عشقِ بُتاں نے پھُونک دیئے سینکڑوں بدن
صد ہا مکاں جل گئے اس اِک شرار میں

گنتا ہُوں تارے رات بھر اَے شیخ شب گذار
بڑھ کر ہیں کس کے سبحہ کے دانے شمار میں

اَب تو سیاہ کاری میں کچھ سُوجھتا نہیں
آنکھیں ہماری مر کے کھلیں گی مزار میں

مدفون ہے دل کا تن مرا اور حسرتوں کا دل
مدفون دو مزار ہیں میرے مزار میں

بجھتا کہاں بھڑک گیا رونے سے سوزِ غم
ہاں کیوں نہ ہو مضر ہے نہانا بُخار میں

دل ہو شباب میں نہ کوئی مبتلائے عشق
بُلبل اسیر ہو نہ الٰہی بہار میں

قاتل کے ہجر میں یہ سر کہکشاں ہے ماہ
یا سر کسی شہید کا لٹکا ہو دار میں

کپڑوں کے پُرزے اُڑتے ہیں جوں برگ ہائے گُل
رنگِ خزاں دکھاتے ہیں عاشق بہار میں

گیسوئے خم میں مونسِ دل ہے خیالِ رُخ
صدیقؓ ہی رفیقِ پیمبرؐ تھے غار میں

تن گور ہی تھک رہا جنّت میں پہنچی رُوح
ہے فرق پا پیادہ میں اور شہسوار میں

کھٹ کھٹ جو ہچکیوں کی دمِ نزع ہے دِلا
پیغام موت کا مجھے آیا ہے تار میں

بُلبل ہیں اس چمن میں ہزاروں فغاں کناں
نالے ہیں بے شمار دلِ داغدار میں

ہر داغ تن میں یُوں دل پر داغ بے قرار
طاؤس جیسے رقص کناں لالہ زار میں

آنکھوں سے میرے اشکِ مکدّر نہیں رواں
پھرتے ہیں طفل کھیلتے گرد و غبار میں

سودائے زُلفِ ساقیِ مہوش جو ہے اسے
نشتر ہے برق کا رگِ ابرِ بہار میں

مَیں اور غزل میں آمدِ مضموں سے دونوں تنگ
لیتا ہُوں ایک کو تو ہیں دس انتظار میں

درباں سمجھ ہر ایک کو راضی سبھوں کو رکھ
جب ہی تو جا سکے گا حضوریٔ یار میں

اُڑتی ہے گرد پھرتے ہیں واں آہوانِ چشم
صحرا ہے چشم روزنِ دیوارِ یار میں

بجلی نہیں فلک پہ یہ جوشِ نشاط ہے
لیتی ہے آسماں کی بطِ مے بہار میں

مجھ وحشی نزار سے صحرا بہت ہے تنگ
دامانِ دشت اُلجھا ہے بطرح خار میں

چادر چڑھائی آ کے یہ کس کے خیال نے
سایہ کی جگہ نُور ہے نخلِ مزار میں

جنّت کو جب چلے یہیں اُترا لباسِ تن
شاخوں کو ملتے ہیں نئے خلعت بہار میں

ہستی کا جامہ پھینک لباسِ فنا پہن
کپڑے نئے بدل کے تو جا بزمِ یار میں

ہر وقت مست نیک و بد خلق سے الگ
واعظ ولی کے وصف ہیں مجھ بادہ خوار میں

سیلِ جہاں میں کیا تنِ خاکی کو ہے قیام
کیا رُک سکے مکاں کوئی پانی کی دھار میں

تسلیم کو اُٹھا کہ وہ آئی مدد صبا
ہے ناتواں پہ تاب کب اپنے غبار میں

کیا ہی حسن نے ان کی غزل پہ غزل کہی
دیتے ہیں داد ناسخ و آتش مزار میں

گردش میں تخیل کا اثر دیکھ رہے ہیں
منزل کو بھی ہم رنگِ سفر دیکھ رہے ہیں

زورِ کششِ موئے کمر دیکھ رہے ہیں
آنکھوں سے جدا تارِ نظر دیکھ رہے ہیں

اللہ کا گھر اور ترا در دیکھ رہے ہیں
سجدے میں پڑے سینکڑوں سر دیکھ رہے ہیں

امید وصال اُن کی بایں ہستی موہوم
اس خواب میں ہم خواب دگر دیکھ رہے ہیں

اب حشر بپا کرتے ہیں نالوں سے ہم اے چرخ
کیونکہ نہیں ہوتی ہے سحر دیکھ رہے ہیں

کھلتی ہی نہیں آنکھ جو ان کی شبِ خلوت
کیا خواب میں وہ غیر کا گھر دیکھ رہے ہیں

نہ لو نام اُلفت جو خود داریاں ہیں
بہت ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں

نہ بد مستیاں ہیں نہ سرشاریاں ہیں
یہ مے خواریاں کوئی مے خواریاں ہیں

نہیں پوچھ کچھ عشق میں خود سروں کی
یہاں سرفروشوں کی سرداریاں ہیں

نکوکاریوں پر نظر ہو تو پھر وہ
نکوکاریاں کیا سیہ کاریاں ہیں

مرا دل ہے ہر وقت محوِ تماشا
فدا میری غفلت پہ بیداریاں ہیں

میں دن رات جنت میں رہتا ہوں گویا
مرے مرغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

کیا گھر تصور میں کس مہ لقا نے
جو دل پر مسلسل یہ ضو باریاں ہیں

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں
جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں

کسی کو کسی سے کسی کو کسی سے
ہمیں اپنی ہستی سے بیزاریاں ہیں

لگی رہتی ہے آگ سی تن بدن میں
رگوں میں لہو ہے کہ چنگاریاں ہیں

مرے اشکِ خوں سے مرے پیرہن پر   عجب بیل بُوٹے عجب دھاریاں ہیں
جدھر دیکھتا ہُوں اُدھر گُل ہی گُل ہیں   یہ حُسنِ تصوّر کی گُل کاریاں ہیں
ہمیں جب نہ پھیلائیں دامن سے ملے کیا   ادھر سے تو ھر دم گُہر باریاں ہیں

پتے کی سُناتا ہے مجذوبؔ باتیں
یہ بے خبریوں میں خبرداریاں ہیں

کرم کے بھروسے جو مےخواریاں ہیں   تو مےخواریاں کیا نکوکاریاں ھیں
دکھا مجھ کو جلوہ بقدرِ تحمّل   بس اَب پردہ در پردہ برداریاں ہیں
نہ گھبرا۔ کوئی دل میں گھر رہا ہے   مُبارک کسی کی دل آزاریاں ھیں
بیاباں میں مشغولِ رقصِ جنوں ہُوں   بگولوں سے اَب تو مری یاریاں ہیں
امیری فقیری میں یکساں رہے ھم   نہ جب عزتیں تھیں نہ اَب خواریاں ہیں
کھلی جب سے دُنیا کی ھم پر حقیقت   نہ خوشیاں رہی ہیں نہ بیزاریاں ہیں
ھمیں ذلتوں کا نہیں کوئی کھٹکا   جہاں عزتیں ہیں وہیں خواریاں ہیں
بظاہر مری چھوٹی چھوٹی ہیں باتیں   جہاں سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں
بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں   گھِریں خارزاروں سے پھلواریاں ھیں
بنو لاکھ منصف، بنو لاکھ عادل   خُدا جانتا ہے طرفداریاں ہیں
لگی آنکھ مجذوبؔ کس مہ لقا سے   بتا کیوں یہ راتوں کی بیداریاں ہیں

نکمّا ہُوا ہیں تو مجذوبؔ کیا غم
بڑی کارآمد یہ بےکاریاں ھیں

شبِ فرقت کی تاریکی کو یُوں ھم دُور کرتے ہیں   کہ اپنی آہ سے روشن چراغ طور کرتے ہیں
سنبھل جاؤ کہ ھم شرحِ دلِ رنجور کرتے ہیں   ہمارے نالہائے زار نفخِ صور کرتے ہیں
کوئی جا کر کہے غم کس لئے مہجور کرتے ہیں   وہ دل سے پاس رکھتے ہیں نظر سے دور کرتے ہیں
کریں کیا ھم تو حالِ دل بہت مستور کرتے ہیں   پسِ پردہ جو بیٹھے ہیں وہ خود مشہور کرتے ہیں
نہ نکلو شیشۂ دل سنگِ در پر چوُر کرتے ہیں   جو یہ منظور ہے تم کو تو یہ منظور کرتے ہیں
تجھے بھی پاس سے ھم اے خودی اب دور کرتے ہیں   وہ خلوت ہی میں عرضِ وصل گر منظور کرتے ہیں
ہمیں تفریح پر احباب کیوں مجبور کرتے ہیں   خیالِ رخ میں گھر بیٹھے ہی سیرِ طور کرتے ہیں

وہ اوّل تیغ کی زد سے ہر اک کو دُور کرتے ہیں — مگر جب وار کرتے ہیں تو پھر بھرپور کرتے ہیں

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کو گھونٹنا منظور کرتے ہیں

وہ پہلے غم دیا کرتے ہیں پھر مسرور کرتے ہیں — تسلّی ہم تری لے خاطر رنجور کرتے ہیں
نہیں ہوتا نہیں ہوتا کسی عنوان غم ہلکا — بہت تدبیر تسکین دلِ رنجور کرتے ہیں
بدن بھی اس کا ہو جاتا ہے حکم رُوح میں سارا — وہ جس کے دل کو اپنے نُور سے معمُور کرتے ہیں
ستم ایجاد ہے نبھنا وہاں کچھ کھیل ہے اے دل — مقرر نت نئی شرطیں نئے دستور کرتے ہیں
لگا دیتے ہیں ایسی اور اتنی وصل میں شرطیں — کہ وہ منظور کرنے میں بھی نامنظور کرتے ہیں
عجب سرکار ہے ان کی ستم ہی میں کرم دیکھا — وہی مقبول ہوتا ہے جسے مقہور کرتے ہیں
مزا آتا ہے ان کو چھیڑنے میں اپنے عاشق کے — کبھی مغموم کرتے ہیں کبھی مسرُور کرتے ہیں
دکھائے معترض دُنیا میں صیقل گر کوئی اُن سا — سراپا غرقِ ظُلمت کو سراپا نُور کرتے ہیں
کسی کے ناز اُٹھائیں یہ تو ہم سے ہو نہیں سکتا — مگر منظُور ہے وہ کام جو مزدُور کرتے ہیں
اَدا سے دیکھ لیتے ہیں مَیں جب جانے کو کہتا ہُوں — پھر اس پر کہتے ہیں ہم کب تمھیں مجبور کرتے ہیں
برنگ اصحاب صورت را بُو ارباب معنی را — ہر اک کو وہ نئے انداز سے مسرُور کرتے ہیں

وہ یاد آ آ کے تڑپاتے ہیں برسوں ہائے پھر کیا کیا
جو دم بھر کے لئے آ کر کبھی مسرور کرتے ہیں

طبیبوں کی سمجھ میں تو مرض اپنا نہیں آتا — کہاں ہیں جو مداوائے دلِ رنجور کرتے ہیں
ہمارے زہد میں بھی زاہدو! اک شانِ رندی ہے — بیادِ بادہ اکثر نوش ہم انگور کرتے ہیں
رگ و پے میں ہمارے بجلیاں سی دوڑ جاتی ہیں — اندھیرے میں جو ہم یادِ رخِ پُرنُور کرتے ہیں
ہم ان پر صدقہ ہو کر کر رہے ہیں زندگی حاصل — بلائیں ان کی لے لے کر بلائیں دُور کرتے ہیں
شرابیں سینکڑوں ساقی ہزاروں بادہ کش لاکھوں — میں ان کا مست ہوں نظروں سے جو مخمور کرتے ہیں

لگاتے ہو بھلا اے اہلِ فتویٰ کس پہ تم فتویٰ
قواعد شرع کے مجذُوبؔ کو معذور کرتے ہیں

پسِ پردہ وہ رُخ کو زُلف سے مستُور کرتے ہیں — ہمارے روزِ فرقت کو شبِ دیجور کرتے ہیں
ہمارے درد کو نا آشنائے درد کیا جانیں — کہیں ادراکِ اشیاء دیدۂ بے نُور کرتے ہیں

بسے رہتے ہیں وہ ہر دم ہمارے دیدۂ دل میں
جو اپنے نور سے ذرّہ کو رشکِ طُور کرتے ہیں

لگی ہے آنکھ اس پر پردۂ ہستی کب اُٹھتا ہے
ہیں کان اس پر کب اسرافیل نفخِ صور کرتے ہیں

گدائی کی تری اللہ اکبر شان عالی ہے
کہ آکر جبہ سائی قیصر و فغفُور کرتے ہیں

تمہارے حُسن ہی سے فیض لیتے ہیں حسیں سارے
سب انجم مہر سے جس طرح کسبِ نور کرتے ہیں

اشارے میں وہاں اہلِ خرد مدہوش ہوتا ہے
غضب ہے چشم مست اُنکی نظر میں چُور کرتے ہیں

کوئی زاہد ہیں ہم، واعظ سنا کچھ اور رندوں کو
عبادت تو وہی بہر قصور و حور کرتے ہیں

نرالے خود تو ہیں ہی انکی نفرت بھی نرالی ہے
چڑھا دیتے ہیں سُولی پہ جسے منصور کرتے ہیں

وہ اسکو یاد کرتے ہیں جو اُن کو یاد کرتا ہے
شرف تو دیکھئے ذاکر کو وہ مذکور کرتے ہیں

شکایت کرنے والوں کو کہیں ہم اور کیا ہمدم
ہمیں ممنون اپنے آپ کو ماجور کرتے ہیں

طلب ہی ان کو ہے مقصود جو ہیں طالبِ صادق
وہ کب اندیشۂ منظور و نامنظور کرتے ہیں

کشیدِ مے کا بھی سامان ہوئے سوزِ غم ساقی
اگر دل کو پھپھولے خوشۂ انگور کرتے ہیں

مقرب تھے بنا رکھا ہے ان کم ظرف اعداء کو
خبر بھی ہے کہ وہ جا جل کے کیا مشہور کرتے ہیں

ہمیں اک ان کی خدمت کے لئے نااہل ہیں ورنہ
اُسے منظور کرتے ہیں، اسے منظور کرتے ہیں

بلا سے رند مشرب ہیں اگر بدنام عالم ہیں
نہیں وہ ان میں اے زاہد جو مکر و زور کرتے ہیں

رُلاتا ہے لہو ہر دم تصوّر تیری پلکوں کا
یہی وہ تیر ہیں آنکھوں کو جو ناسور کرتے ہیں

مریضِ غم پہ اب آخر توجہ کی تو ایسی کی
ستم دیکھو عدو کو ہم پہ وہ مامُور کرتے ہیں

کفن لیتی ہیں نورِ ماہ سے کشتے شبِ فرقت
بیاضِ صبح سے بیکس طلب کافور کرتے ہیں

عجب کچھ ہوتی ہے تحریر کی ہر شان البیلی
کسی خط میں جو حالِ جذب ہم مستور کرتے ہیں

پڑھا کرتا ہے دل ہر دم سبقِ شوقِ تجلّی کا
تلاوت رات بھر ہم سورۂ والطور کرتے ہیں

زمیں کے نیچے جاکر خاک میں اِک روز ملنا ہے
زمیں پر رہ کے ناحق سرکشی مغرور کرتے ہیں

غنی کر رکھا ہے اس ایک نے ہم کو دو عالم سے
پری کی ہم کو خواہش ہے نہ شوقِ حُور کرتے ہیں

دلوں کو کھینچتی ہے اور ان کی شانِ استغنا
ہزار آزادیاں دیں پھر بھی وہ مجبور کرتے ہیں

ہے چشمِ حیرت اب آئینہ حالِ دلِ مضطر
عبث ضبطِ فغاں پر وہ ہمیں مجبور کرتے ہیں

کہیں شانِ ہوالظاہر کہیں شانِ ہوالباطن
اسے گمنام کرتے ہیں اسے مشہور کرتے ہیں

ہم ان پر صدقہ ہو کر کر رہے ہیں زندگی حاصل
بلائیں ان کی لے لے کر بلائیں دُور کرتے ہیں

ہمیشہ ہم توکر لیتے ہیں توبہ شعر خوانی سے
کریں کیا چھیڑ کر احباب پھر مجبور کرتے ہیں

جو ابتدا تھی کبھی تھی انتہا ہوں میں
اب انتہا مری کہتی ہے ابتدا ہوں میں

جو دل کی بات ہے کب ان سے کہہ سکا ہوں میں
کہ جب ملا ہوں تو منہ تک کے رہ گیا ہوں میں

جواب جرمِ محبت یہ دے سکا ہوں میں
کہ دل کو تھام کے اُف کر کے رہ گیا ہوں میں

کہاں تھا، کون تھا اور اب کہاں ہوں کیا ہوں میں
اس آب و گل کے جو دلدل میں آ پھنسا ہوں میں

اگرچہ خود تو اک افتادہ نقشِ پا ہوں میں
دلیلِ راہ ہوں اوروں کا رہنما ہوں میں

کریم ہی کے بھروسے تو پی رہا ہوں میں
میں رند تو ہوں مگر رند باخدا ہوں میں

بُرا ہوں گرچہ بُروں سے بھی کچھ سوا ہوں میں
یہ سب سہی مگر آخر تو آپ کا ہوں میں

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

مت پوچھو کہ جوش اُٹھتے ہیں کیا کیا مرے دل میں
دن رات بس ایک حشر ہے برپا مرے دل میں

باقی نہیں اب کوئی تمنا مرے دل میں
موجود ہے عکسِ رُخِ زیبا مرے دل میں

اب کیوں ہو کسی چیز کی پرواہ مرے دل میں
ہے عیش دو عالم کا مہیا مرے دل میں

ہے روزِ اوّل سے ترا نقشہ مرے دل میں
رُخ پہ ہے ترے خال سویدا مرے دل میں

رہ جائے نہ گنجائشِ دُنیا مرے دل میں
یُوں دیں سما جائے سراپا مرے دل میں

سینہ میں ہر دم ہے تجلّی کا یہ عالم
کیا عرشِ معلّٰی اُتر آیا مرے دل میں

ہمدم جو مصائب میں بھی ہوں خوش و خرّم
دیتا ہے تسلّی کوئی بیٹھا مرے دل میں

فرصت کے نظارۂ نیرنگِ جہاں کی
ہر لحظہ ہے اک طرفہ تماشا مرے دل میں

او پردہ نشیں میں ترے اس ناز کے قرباں
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں

مُدّت ہوئی روتے نہیں تھمتے مگر آنسو
شاید کہ در آیا کوئی دریا مرے دل میں

اُف اُف رے ستم ہائے تری نیم نگاہی
نکلا بھی نہیں تیر کہ بیٹھا مرے دل میں

ہے عشق مجھے کس لبِ شیریں کا الٰہی
گر درد بھی اُٹھتا ہے تو میٹھا مرے دل میں

سُوجھے مجھے جب ظاہر و باطن میں تُو ہی تُو
آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

یہ برق صفت کون اُٹھا دیتا ہے پردہ ہو جاتا ہے اِک دم جو اُجالا مرے دل میں
بن جائے یہ سب قال مرا حال سراسر جو کچھ ہو زباں پر ہو خدایا مرے دل میں

روتے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک ساتھ میں مجذوبؔ
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

اشارے ہوئے ہیں نظارے ہوئے ہیں ہم ان کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں
فدا مہ جبیں جن پہ سارے ہوئے ہیں انھیں کے تو ہم ہائے مارے ہوئے ہیں
دمِ نزع ان کے نظارے ہوئے ہیں تو جینے کے اَب کچھ سہارے ہوئے ہیں
جو آنکھوں سے خارج شرارے ہوئے ہیں فلک پر پہنچکر ستارے ہوئے ہیں
وہ جوبن کو اپنے اُبھارے ہوئے ہیں سمٹ کر مہ و مہر تارے ہوئے ہیں
ہمیں تو بھلے لگتے ہیں اَور بھی اَب وہ زیور جو اپنا اُتارے ہوئے ہیں
نہیں پاس کچھ ایک دل ہی سو وہ بھی قمارِ محبت میں ہارے ہوئے ہیں
بجا ہے کہاں ہم سے ملنے کی فرصت کہ اَب آپ غیروں کے پیارے ہوئے ہیں
یہ بگڑا ہوا حال کیا دیکھتے ہو تمھارے ہی تو ہم سنوارے ہوئے ہیں
ادھر بھی رُخ اَے دولتیں دینے والے ارے ہم بھی دامن پسارے ہوئے ہیں
مؤدب ہیں دربار میں عشق کے ہم گلہ کیا کہ سر بھی اُتارے ہوئے ہیں
بتاؤ تو اس چشم سے حضرتِ دل یہ دُزدیدہ کیا کیا اشارے ہوئے ہیں
نکلنے نہ دو خیر تم کوئی ارماں چلو ہم بھی دل اپنا ہارے ہوئے ہیں
وہ پیراہنِ گل ہو یا کہ چادرِ مہ انھیں کے تو کپڑے اُتارے ہوئے ہیں
ہمیں طولِ روزِ جزا کیا ہے واعظ ارے ہم شبِ غم گذارے ہوئے ہیں
مزے وصل میں جو اُٹھاتے تھے اَے دل جُدائی میں اَب وہ ہی آرے ہوئے ہیں
دلِ آہنی کچھ تو آہوں سے پگھلا وہ کچھ کچھ تو اب شرم مارے ہوئے ہیں
رقیب اصل ظاہر ہی باتوں پہ خوش ہے یہاں اس سے بڑھ کر اشارے ہوئے ہیں
مرے مُنہ کو آتے بھلا ان کا مُنہ تھا یہ دشمن انھی کے اُبھارے ہوئے ہیں

ہمیں ہوش ہے اب کہاں تن بدن کا
کہ مجذوبؔ ان کے پکارے ہوئے ہیں

کسے دیکھ کر آج ہم آ رہے ہیں
کہ آنکھوں سے انوار برسا رہے ہیں

دمِ نزع تکلیف فرما رہے ہیں
جو وہ آ رہے ہیں تو ہم جا رہے ہیں

کہیں دیکھو وہ تو نہیں آ رہے ہیں
کہ ہم دردِ دل میں کمی پا رہے ہیں

جدھر جذب ہم کو لیے جا رہا ہے
کیے بند آنکھیں اُدھر جا رہے ہیں

میں ہُوں نزع میں پھر بھی دیکھو وہ کیسے
خراماں خراماں چلے آ رہے ہیں

یہاں ان کو آنا نہیں ہے تو پھر کیوں
تصوّر میں آ آ کے ترسا رہے ہیں

ارے اُف غضب ہیں یہ آنکھیں نشیلی
سنبھالو ارے ہم گرے جا رہے ہیں

نہیں مانتا ہے، نہیں مانتا ہے
بہت دل کو ہم اپنے سمجھا رہے ہیں

سمجھتے ہیں وہ دل لگی ہائے اور ہم
محبّت میں ان کی مرے جا رہے ہیں

مرے سارے شکوے کیے رَد یہ کہہ کر
بجا آپ ارشاد فرما رہے ہیں

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

مرض عشق کا کیا مُبارک مرض ہے
عیادت کو کیا کیا حسیں آ رہے ہیں

جو چُپ بیٹھوں تو اِک کوہِ گراں معلوم ہوتا ہُوں
جو لب کھولوں تو دریائے رواں معلوم ہوتا ہُوں

جو ہوں دراصل صُورت سے کہاں معلوم ہوتا ہُوں
بہارِ بے خزاں ہُوں گو خزاں معلوم ہوتا ہُوں

الگ سب سے ہُوں سب کے درمیاں معلوم ہوتا ہُوں
کہاں پہنچا ہوا ہوں میں کہاں معلوم ہوتا ہُوں

بظاہر تو مَیں رسوائے جہاں معلوم ہوتا ہُوں
دمِ مستی مگر شاہِ شہاں معلوم ہوتا ہُوں

شریکِ بزمِ رنداں ہُوں مگر از روئے کیفیت
شریکِ محفلِ روحانیاں معلوم ہوتا ہُوں

مَیں یوُں تو زاہدا! اک قطرۂ ناچیز ہوں بیشک
مگر پی لوں تو بحرِ بیکراں معلوم ہوتا ہُوں

میں ہوں ہم بزمِ اہلِ دل بھی اور ہم بزمِ رنداں بھی
وہاں محسوس ہوتا ہُوں یہاں معلوم ہوتا ہُوں

بٹھاتے ہیں جو سر آنکھوں پہ سب اس سے خوشی کیا ہو
کسی کی طبعِ نازک پر گراں معلوم ہوتا ہُوں

درِ جاناں پہ جس دم ٹیک دیتا ہُوں جبیں اپنی
سرِ عرشِ بریں بے گماں معلوم ہوتا ہُوں

تصوّر نے کسی کے میری دُنیا ہی بدل ڈالی
کہاں معلوم ہوتا تھا کہاں معلوم ہوتا ہُوں

کسی کی یاد نے کیا رفتہ رفتہ کر دیا مجھکو
بس اَب اک پیکرِ وہم و گماں معلوم ہوتا ہُوں

خیالِ مصحفِ رُخ گاہ یادِ چشمِ میگوں ہے
کبھی زاہد کبھی پیرِ مغاں معلوم ہوتا ہوں

ابھی میں رازداں ہونے سے کوسوں دُور ہوں شاید
ابھی آثار سے میں رازداں معلوم ہوتا ہوں

نگاہِ غور جب میں ڈالتا ہوں اپنی ہستی پر
تو اک چھوٹا سا خود اپنا جہاں معلوم ہوتا ہوں

یہ کنجِ تنگ و تاریک اپنا کیا ہے کوئی کیا جانے
یہاں تو میں مکینِ لامکاں معلوم ہوتا ہوں

میں سر سے تا قدم اِک درد کی تصویر ہوں گویا
خموشی میں بھی سرتاپا فغاں معلوم ہوتا ہوں

نہ میخانے میں مجھ کو دیکھ کر بدظن ہو اَے زاہد
وہاں اَے بے خبر کب ہوں جہاں معلوم ہوتا ہوں

جو تھے اسرارِ مخفی عشق کے سب میں نے کہہ ڈالے
جو اہلِ دل ہیں مَیں اُن کی زُباں معلوم ہوتا ہوں

سراپا غم تو ہوں لیکن سراپا ضبط بھی ہوں میں
نہ سمجھو شادماں گو شادماں معلوم ہوتا ہوں

مرا مرقد زیارت گاہِ جملہ اہلِ بینش ہے
مَیں مِٹ کر بھی نشانِ بے نشاں معلوم ہوتا ہوں

میں ہُوں رہروِ طریقِ جذب کا اَے بے خبر سالک
تجھے سرگرمِ سعیٔ رائیگاں معلوم ہوتا ہوں

نیاز و ناز کی دُنیا میں جس دم جا پہنچتا ہوں
تو آزادِ زمین و آسماں معلوم ہوتا ہوں

دمِ تیغ آزمائی کھلتے ہیں فولاد کے جوہر
مَیں جو کچھ ہوں بوقتِ امتحاں معلوم ہوتا ہوں

نہ میری بڑ پہ جا مجذوبؔ کی پہچان پیدا کر
سراپا دل ہوں سرتاپا زُباں معلوم ہوتا ہوں

پسِ پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں
کوئی محفل ہو ہم اس کو تری محفل سمجھتے ہیں

بڑے ہشیار ہیں وہ جن کو ہم غافل سمجھتے ہیں
نظر پہچانتے ہیں وہ مزاجِ دل سمجھتے ہیں

ہم اِس مُردہ دلی کو زندگیٔ دل سمجھتے ہیں
ہم اس بے حاصلی کو عشق کا حاصل سمجھتے ہیں

مسیحائے جہاں ہے جس کو ہم قاتل سمجھتے ہیں
مگر اس نکتۂ باریک کو عاقل سمجھتے ہیں

وہ خود کامل ہیں مجھ ناقص کو جو کامل سمجھتے ہیں
وہ حُسنِ ظن سے اپنا ہی سا میرا دل سمجھتے ہیں

ہیں وہ گم کردہ منزل ہوں کہ رہرو راہِ اُلفت کے
مرے ہر نقشِ پا کو اپنی اک منزل سمجھتے ہیں

سمجھتا ہے گنہ رندی کو تُو اَے زاہدِ خودبیں
اَور ایسے زہد کو ہم کُفر میں داخل سمجھتے ہیں

یہی تو پیچ و تاب اک دن ہمیں وجہِ سکوں ہو گا
اسی گردابِ بحرِ غم کو ہم ساحل سمجھتے ہیں

سمجھتا ہے غلط لیلیٰ کو لیلیٰ قیس دیوانہ
نظر والے تو لیلیٰ ہی کو اک محمل سمجھتے ہیں

سڑی، دیوانہ، سودائی جو چاہے سو کہے دُنیا
حقیقت بیں مگر مجذوبؔ کو عاقل سمجھتے ہیں

یُوں رُکے گا اَے فلک یہ نالۂ پیہم نہیں
آج یعنی فیصلہ ہے تو نہیں یا ھم نہیں

کون بالیں پر دمِ آخر بجُز چشمِ نم نہیں
ہائے اِس عالم میں بھی وہ فتنۂ عالم نہیں

آنکھ ہے جب تک تو تھمتا گریۂ پیہم نہیں
ابرِ غم ہے یہ سوادِ دیدہ پُرنم نہیں

قبر سے تنگ تُراب ھم کو یہ عالم نہیں
اور ادھر کنجِ دل کب اِک جہانِ غم نہیں

خانۂ صیاد بھی گلشن سے ہم کو کم نہیں
ھم اسیرانِ قفس کو آشیاں کا غم نہیں

چشمِ عبرت ہیں تو کچھ بھی گلشنِ عالم نہیں
خندۂ گل ہے جہاں کیا گریۂ شبنم نہیں

آنکھ اشکِ خوں سے پُر، نالوں سے مالا مال دل
ھم گدائے عشق بے دینار و بے درہم نہیں

خشکی لب ہائے زخمِ دل سے نالاں ہیں طبیب
جب اُٹھا کر دیکھتے پھاہا تو ہے مرھم نہیں

نُور و ظلمت کا ہے ان میں اور ہم میں ارتباط
ھم اگر ہیں وہ نہیں ہیں وہ اگر ہیں ھم نہیں

چاہیئے ان کو نمکدانِ لب و دندانِ یار
زخم ہائے دل ہمارے درخورِ مرھم نہیں

اک نہ اک دن جان دے دے گا کوئی حرماں نصیب
رنگ لائیگی کسی دن آپ کی ھمدم نہیں

اک ہوا اِس کو سمجھتا ہے دلِ پُر حوصلہ
منتشر جس آہ میں شیرازۂ عالم نہیں

رہنے دے ان کی مژہ کا تو خیال اے بے خودی
ڈُوبنے والوں کو تنکے کا سہارا کم نہیں

جان دے دینگے نہ چھوڑیں گے مگر ہم آشیاں
وہ تو ہیں ہی ہٹ کے پُورے ھم کو بھی ضد کم نہیں

آ کے میرے سوگ میں ظالم نے کھنڈت ڈالدی
محفلِ شادی ہے گویا مجلسِ ماتم نہیں

ان کے آگے ہائے عرضِ حال کی نوبت کہاں
نالہ و آہ فغاں ہی لینے دیتے دم نہیں

نزع میں کب تک رہوں چھپاؤ گے آ بھی چکو
دم یُونہی دیتے رہے تو کوئی دم میں دم نہیں

گر ہُوا دشمن زمانہ ہو مگر اَے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاجِ یار تو برھم نہیں

چاہئیں یاقوتیاں دل کے مرض میں اور یہاں
شربتِ دینار کے بھی واسطے درھم نہیں

بزم کو پھیکا نہ کر، دے کر تبرک کی طرح
یہ مَے گُلرنگ ہے ساقی کوئی زمزم نہیں

دیکھ کر ان کو ہے مہرِ صبح کیوں فکرِ غروب
ڈُوب مرنے کو تو کم کچھ قطرۂ شبنم نہیں

آپ کے محوِ خیالِ گیسو و رُخسار کو
فُرصتِ نظارۂ نیرنگیٔ عالم نہیں

کچھ دِلوں لَے دل اگر یہ ہی رہیں آہیں تری
بحرِ ہستی میں رہے گی نام کو بھی نم نہیں

بن کے آنسو گر پڑا ہے روئے گل پر شوق میں
چشمِ بلبل کا یہ تِل ہے قطرۂ شبنم نہیں

بُلبُلِ دل کو ہے درکار اک جہان اشک و آہ — راس اسے آب و ہوائے گلشنِ عالم نہیں
کب تک اَے دل تُو پئے جائے گا یُوں خُونِ جگر — کھانے والے غم کے کیا تجھ کو میسر سم نہیں
ہنس نہ اَے گُل یاد کر ہاں رات ہی کی بات ہے — کہہ گئی ہے کان میں رو رو کے کچھ شبنم نہیں
قیس کا قصہ سناتے ہیں کسے سُنیئے تو آپ
وہ اگر مجنون تھا مجذُوبؔ پھر کیا ہم نہیں

(و)

تسکینِ دل ہے چارۂ دردِ جگر ہے تُو — آجا میری بغل میں مری جاں کدھر ہے تُو
اس جاں بلب مریض سے کیوں بے خبر ہے تُو — کس کو سناؤں حال مرا چارہ گر ہے تُو
اَے دل کسی کا قبلہ نما ہی مگر ہے تُو — فرماں روائے مملکتِ بحر و بر ہے تُو
ہٹتا نہیں ہے دل سے کسی دم ترا خیال — سوتا بھی ہوں تو خواب میں پیشِ نظر ہے تُو
بن ٹھن کے بُت ہزار مرے آئیں سامنے — کیدل آنکھ اُٹھاؤں دل میں مرے جلوہ گر ہے تُو
معلوم کس کو تیری وفائے جفا نما — ہیں بے خبر جو کہتے ہیں بیداد گر ہے تُو
مانندِ نَے شکر میں حلاوت میں غرق ہُوں — اَے درد آج دل میں برنگِ دگر ہے تُو
دل سے زباں یہ کہتی ہے اصرارِ عرض پر — کس کا کروں خیال اِدھر وہ اُدھر ہے تُو
نالہ مرا تلاش کر آیا ہے عرش تک — آخر پتہ تو دے کہ کہاں اَے اثر ہے تُو
واعظ کو کوثر اور مجھے ساقی کی ہے طلب — زاہد کو حورِ عین مجھے مدِ نظر ہے تُو
در پر کسی کے بیٹھ بھی رہ پاؤں توڑ کر — اَے دل خراب خوار یہ کیوں در بدر ہے تُو
داروں کے اور بھی ہیں بہت منتظر مگر — تیغ نگاہِ یار کی اَے دل سپر ہے تُو
اَے قصرِ آسمان و زمیں کیا تری بساط — اس کی تو اک نگاہ میں زیر و زبر ہے تُو
اظہارِ حال تجھ سے ہو کیا نالۂ دراز — مشکل سے میرے دفترِ دل کی سطر ہے تُو
آنکھوں میں صُورتِ دل خُوں گشتہ پھر گئی — ہاں طفلِ اشک اسی کا تو لختِ جگر ہے تُو
بولا سوال درد پہ ساقی بصد کرم — سب اور تیرے بعد میں ہیں پیشتر ہے تُو
ناصح دماغ چاٹتا رہتا ہے تو فضول — یہ دردِ سر تو تھا ہی مگر دردِ سر ہے تُو
بجھتی نہیں ہے آگ تری روئیے ہزار — اَے دل پناہ تجھ سے بلا کا شرر ہے تُو

بچتا نہیں ہے کوئی حسیں اے نگاہِ شوق — کس جلوہ گاہ حسن کی بگڑی نظر ہے تو
واعظ تجھے سرائے بتاتا ہے اے جہاں — رندوں سے پوچھئے تو بس اک رہگذر ہے تو
گُھٹنے دے داغ دل کے کر انجام پر نظر — اے نخلِ آرزو نہ سمجھ بے ثمر ہے تو
آتے ہی تیرے غنچۂ دل میرا کِھل گیا — کیا لائی بُو تے یار نسیمِ سحر ہے تو

ہوتا نہیں ہے بڑکا تری ختم سلسلہ
مجذوبؔ زلفِ یار کا مجنوں اگر ہے تو

نہیں گو تابِ نظارہ مگر دل کی یہی ضد ہے
بلا سے خاک ہو جائیں جمالِ یار دیکھیں تو
نہاں ہیں وہ تو دل میں ڈھونڈتے ہیں عالم میں
ذرا گردن جھکا کر طالبِ دیدار دیکھیں تو

رشک کیوں گردِ چمن دیکھ کے دیوار نہ ہو — تجھ میں اے حلقۂ آغوش جو وہ یار نہ ہو
چھیڑتا ہے مجھے ہنس ہنس کے وہ ماہ شب ہجر — ڈرتا ہوں غیر کا یہ طالعِ بیدار نہ ہو
چھین لے وہ تار نگاہ و دروندان پیری — دیکھے تو موت مبارک تجھے یہ ہار نہ ہو
آیا کہتا یہ دمِ نزع خیال لبِ یار — ابھی مایوس شفا اے دل بیمار نہ ہو
آیا آنکھوں میں اندھیرا جو طلب میں تھک کر — سمجھا میں یار کا یہ سایۂ دیوار نہ ہو
ہنستے ہو رونے پہ مرے کہیں رونا نہ پڑے — انھیں نالوں میں کوئی نالہ اثر دار نہ ہو
ہاں گرا اس تنِ خاکی پہ تو بجلی اے آہ — وصل ہے پھر یہ اگر بیچ میں دیوار نہ ہو
اے اجل ٹھہر ابھی اور مجھے گھلنے دے — کہ جنازہ مرا کاندھے پہ انھیں بار نہ ہو

طائرِ جاں قفسِ تن سے نکل جائے مگر
مرغِ دل دامِ محبت میں گرفتار نہ ہو

چھُپ کے خلوت میں تصور کی وہ آئے تو کہا — مطلع اس سے کوئی اور خبردار نہ ہو
صبح پیری نے کئے انجم دندان نابود — غافلو! حیف ہے تم اس پہ بھی بیدار نہ ہو
مہر ہے داغ فلک کو ہے یہ حسرت کہ وہ ہائے — جوں زمیں حاملِ نقشِ قدمِ یار نہ ہو
رہے آنکھوں میں تصور بھی ترا اے شہ حسن — قیدِ تنہائی پئے حسرتِ دیدار نہ ہو

کانٹے ہر گام بچھاتا ہے خیالِ مژگاں دل کو کیوں عشق کی راہ کاٹنی دشوار نہ ہو
یک بیک رنگِ شفق میں نظر آیا جو ہلال اُبھری یہ خوں میں نہا کر تری تلوار نہ ہو
چلتی ہے تیزی سے بسمل کی جو پتلی دمِ نزع پھر رہی آنکھوں میں اسکی تری رفتار نہ ہو

طُول اس ہرزہ سرائی میں نہ کھینچ اَب اَے حسنؔ
باعثِ کش مکشِ خاطرِ حضّار نہ ہو

(۵)

یہ کیا ترے ہوتے افسردہ ہے میخانہ
ہاں اے دلِ دیوانہ اِک نعرۂ مستانہ

ہو نُور سے پُر ساقی ہستی کا سیہ خانہ کر دیدہ و دل روشن لا شیشہ و پیمانہ
اللہ تری قدرت مسجد میں ہے میخانہ صُورت مری سنجیدہ سیرت مری رندانہ
کہتا ہُوا پھرتا ہے محشر میں یہ دیوانہ یارب مرا ویرانہ، یارب مرا دیوانہ
عالم مجھے ہو جائے میخانہ ہی میخانہ ہاں بعد اذاں اَے دل نعرۂ مستانہ

دیکھا نہ زمانہ میں **مجذوبؔ** سا مستانہ
فرزانہ کا فرزانہ، دیوانہ کا دیوانہ

تبدیل ہو اَب ساقی رسم و رہِ میخانہ خم کو تو بنا شیشہ کر شیشہ کو پیمانہ
جی میں ہے چڑھا جاؤں میخانہ کا میخانہ لا ساقیِ دریا دل پیمانہ پہ پیمانہ
دکھلا دے کشش اپنی اَے جلوۂ جانانہ گُلشن میں نہ بُلبل ہے محفل میں نہ پروانہ
اَب مجھ کو برابر ہے مسجد ہو کہ میخانہ سمجھا میں اذاں کو بھی اک نعرۂ مستانہ
ہے آمد و رفت اپنی اس بزم میں روزانہ اک دَر، درِ توبہ ہے اک دَر درِ میخانہ
اتنی تو پلا ساقی اب اس سے بھی کیا کم ہو لبریز تو ہو جائے یہ عمر کا پیمانہ
آنکھیں مری ہوتی ہیں اب بند ہمیشہ کو ہاں ایک جھلک اَب تو اے جلوۂ جانانہ
میں لاکھ چلا پھر بھی پہنچا نہ سرِ منزل کچھ تُو ہی سہارا دے اے لغزشِ مستانہ
ساقی نے بدل ڈالی دُنیا مری ہستی کی آنکھیں ہیں کہ میخانے دل ہے کہ پری خانہ
دے تاؤ نہ اس درجہ کر آنچ ذرا ہلکی تیزی پہ ہے مَے ساقی اُڑ جائے نہ میخانہ

میخانہ اُلٹ جائے کایا ہی پلٹ جائے — ہاں لائے قدم ساقی اک لغزشِ مستانہ
پہنچی ہے طلب میری تدبیر کی سرحد پر — لے اب تو خدا حافظ اے ہمتِ مردانہ
پہنچیں گے بھلا نالے کیا میری خموشی کو — اک شورشِ بلبل ہے اک سوزشِ پروانہ
عاشق تو ہے اے واعظ ہر وقت عبادت میں — اشکوں کا تسلسل ہے اک سبحہ صد دانہ

مجذوب کو جب دیکھا محفل کی طرف آتے
گھبرا کے پکار اُٹھے دیوانہ ہے دیوانہ

پھرے بحر و بر کب تک الٰہی — لگا دے بس پار میرا سفینہ
مَیں جنت میں بھی پھر رہا ہوں یہ کہتا — مدینہ، مدینہ، مدینہ، مدینہ
فلک ہجر میں چال کیا سست کردی — کہ ایک ایک دن اب ہے اِک اِک مہینہ

بیک جذب مجذوب تا بام پہنچا
جو سالک ہیں آئیں وہ زینہ بہ زینہ

ادا ہو مہربانی کا تری کیا مہرباں بدلہ
جگر بدلہ، نہ دل بدلہ، نہ سر بدلہ نہ جاں بدلہ

(ی)

بقول میرؔ ــ وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بقول امیر مینائی ــ یہ کس نے آتے ہی اُلٹی نقاب چہرے سے
کہ جھلملانے لگے سب چراغ محفل کے

مگر حضرت خواجہ صاحب نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمعِ محفل کی — پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی
سکوں میں بھی نمایاں ہیں مری بےتابیاں دل کی — تڑپنے کو ہے گویا مضطرب تصویرِ بسمل کی

طریقِ عشق میں دیکھے کوئی جولانیاں دل کی
کہ دم میں دونوں عالم سے گذر کر پہلی منزل کی

بس اب کیا غم یہ سُن لی ہے بشارت پیرِ کامل کی
سفیر کامیابی ہیں یہی ناکامیاں دل کی

بڑے خوش ہیں ابھی کھل جائیں آنکھیں اہلِ محفل کی
اگر پیشِ نظر کردُوں میں بزم آرائیاں دل کی

ہمیں تو رات دن اے ہمسفر چلنے سے مطلب ہے
سفر محدود ہو جن کا انہیں ہو فکر منزل کی

کبھی تکلیف فرما کر وہ آئے بھی تو کیا آئے
انہیں خلوت ہی میں رکھتی ہے حیرت اہلِ محفل کی

جو نالوں میں مزا تھا وہ کہاں ان سرد آہوں میں
مگر یہ پُرسکوں موجیں خبر دیتی ہیں ساحل کی

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکے اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

شبلی منزل میں نشست: حضرت پھولپوریؒ، شاہ وصی اللہؒ، حضرت ندویؒ اور مولانا مسعود علی ندویؒ جیسے اکابر تشریف فرما تھے۔ یہ غزل پڑھی۔ خواجہ نے اس شعر پر سہیل صاحب (شاعر) سے پوچھا سمجھ میں آیا؟ عرض کی اہلِ دل ہی اِس کو سمجھ سکتے ہیں۔ دماغ کا کام نہیں ہے۔ پھولپوریؒ نے فرمایا کہ قلب پر کسی خاص تجلیِ ربانی کا ظہور ہوا ہے۔

کوئی دیکھے تو یہ راہِ طلب میں آرزو میری
کہ میں بیٹھا ہوں منزل کرے خود جستجو میری
خُدا حافظ نہیں سُنتی جو تُو اے آرزو میری
نکلتی ہے تو لے پھر جا نہ میں تیرا نہ تو میری
نہیں منت کشِ تقریر شرحِ آرزو میری
ہوئی آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی سے گفتگو میری

وہ آئے نزع میں مجبوریاں مقدر کی
نکالیں حسرتیں دم بھر میں زندگی بھر کی

میں روک تھام تو سب کر چکا ہوں باہر کی
بُجھاؤں ہائے میں کیونکر لگی ہُوئی گھر کی

نہ ہوں گی ختم کبھی گردشیں مقدر کی
طلب ہے ایک مقیمِ حریمِ بے در کی

نہ روک روک کے چُلّو میں ڈال اے ساقی
انڈیل دے کہ مجھے پیاس ہے سمندر کی

اُٹھا اُٹھا ارے سینہ سے جلد ہاتھ اُٹھا
رُکی رُکی حرکت قلبِ مضطر کی

ہے۔ بیڑیوں میں بھی صحرا النورد، دیوانہ
رُکا تو پاؤں رُکیں گے نہ گردشیں سر کی

وہ وصل ہو کہ جدائی، وہ شوق ہو کہ تڑپ
بنے گی گت ہی بہر حال میرے بستر کی

یہ منہ لگا ہے ہزار دل کا پھر ہے لب بستہ
کھلی کسی پہ حقیقت نہ میرے ساغر کی

اندھیریاں مری شب میں ہیں قبر کی اے دل
تجلّیاں مرے دل میں ہیں روز محشر کی

کرے تو لوں کوئی دم بھر بھی ضبط سوز دروں
کہ سانس اور ہے اندر کی اور باہر کی

بچا بچا مجھے آ گریۂ ندامت آ
خبر لے دیدۂ دل میرے دامن تر کی

گھرا ہے رندوں سے ساقی عجب ہے ہنگامہ
صدائیں گونجتی ہیں میکدہ میں بھر بھر کی

ہمارے خوں کا پیاسا ہے آپ کا خنجر
ہمارے حلق کو ہے پیاس آب خنجر کی

یہ بستہ لب ہے نہ کہہ اس سے قل قل اے مینا
نہ چھیڑ دیکھ وہ بھر آئی آنکھ ساغر کی

ہوائیں آنے لگیں اب تو کوئے دلبر کی
بڑھا دے آہ ذرا چال قلب مضطر کی

تلاشِ یار جو ہے کر تلاش رہبر کی
کہ ہے یہ بھول بھلیاں ہزارہا در کی

مرا لہو ہی پیو، گر پیو نہ ساغر کی
قسم خدا کی تمہیں ہاں قسم پیمبر کی

جو نالے کرتے پھرے کو بکو تو یوں سمجھے
منادی دل نہ لگانے کی ہم نے گھر گھر کی

قضا کی طرح نہ آ کر ٹلی شبِ فرقت
کہ جان لے ہی کے بالیں سے یہ بلا سرکی

گلے پہ پھیر کے اک جاں بلب کے خنجرِ ناز
وہ آ کے بیٹھے ہیں جیسے بڑی مہم سر کی

کیا تو برق نے لاکھ اہتمام عجلت کا
نہ پھر بھی کھینچ سکی تصویر قلب مضطر کی

اشارہ تھا کہ رہے عمر بھر یہی صورت
وہ کھینچ لے گئے تصویر اپنے ششدر کی

دبی ہے تیری بغل میں مزے ہیں بوتل کے
لگا ہے منہ کو ترے بن پڑی ہے ساغر کی

نہ پوچھ چاہیئے کیا، لا بھی یار دیر نہ کر
وہی وہی ارے ہاں وہی تو ساغر کی

ہے آگئے اے دل بدست پائے صنم
چلا یہ جھک کے کدھر کو خبر تو لے سر کی

یہ نہ یہ غم نہیں ہاں ہو بھی رقص پریوں کا
اڑیں بھی تو تلیں یارو شراب احمر کی

بنا ہے خانۂ دل رشکِ آئینہ خانہ
یہ صنعتیں کوئی دیکھے مرے سکندر کی

لہو کے گھونٹ تو پیتے رہو تمہیں ہمدم
یہاں تو یار بس اب ٹھیرتی ساغر کی

برہنہ پا بھی ہے **مجذوب** سر برہنہ بھی
خبر نہ پاؤں کی اس کو نہ سدھ اسے سر کی

یاد بھی ہے وصل کی کچھ بات فرمائی ہوئی
یا وہ ان باتوں ہی باتوں میں گئی آئی ہوئی

کیا کرے اک ساتھ اک دُنیا کی ہے آئی ہوئی
کوُئے قاتل میں قضا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

روک روک اے جذبِ دل دامن چھڑا کر وہ چلے
جا رہی ہے کیسی دولت ہائے ہاتھ آئی ہوئی

آگئے تم کیا کہ دم اٹکا کا اٹکا رہ گیا
نزع میں رکھو گے یہ اچھی مسیحائی ہوئی

تلخ گوئی سے تری کیا ہو طبیعت بدمزہ
ہر ادا تیری ہمارے جی کو ہے بھائی ہوئی

کیا ہُوا ہم کو نصیب اس گلشن ایجاد سے
اِک کلی دل کی ملی سو وہ بھی مُرجھائی ہوئی

ہے طبیعت کا کسی پر آکے پھر جانا محال
کیا قضا بھی ٹلتے دیکھی ہے کہیں آئی ہوئی

سارے مُردوں میں مری میت نے ہلچل ڈال دی
کیا ٹھہرتی قبر میں یہ ان کی ٹھکرائی ہوئی

اب تو اے ناصح سمجھ میں آگیا سب کچھ مگر
یاد بھی رہتی ہو کوئی بات سمجھائی ہوئی

مر رہا تھا تو کہاں ؟ اے ناصحِ ناداں بتا
سب کو جب روزِ ازل تقسیم دانائی ہوئی

دیکھ لے کہتے ہیں اے مجنوں اسے جذبِ جنوں
دیکھ کر مجذوبؒ کو لیلےٰ بھی سودائی ہوئی

کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی
کیا مری فریاد خالی جائے گی

یُوں نظر تو مجھ پر ڈالی جائے گی
جب میں دیکھوں گا ہٹالی جائے گی

یُوں نظر عاشق پہ ڈالی جائے گی
دیکھ کر گردن جھُکا لی جائے گی

اک ذرا مرضی جو پالی جائے گی
پھر طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

بات وہ منہ سے نکالی جائے گی
جو نہ مانی اور نہ ٹالی جائے گی

نذرِ حسرت خُونِ دل، خُونِ جگر
یہ بڑے نازوں سے پالی جائے گی

ہائے ایسے میں ہے تو ساقی کہاں؟
کیا بھری برسات خالی جائے گی

دل میں دے دے کر حسینوں کو جگہ
حُسن کی دُنیا بسالی جائے گی

آئے گا گر بزمِ مے میں محتسب
اور اک بوتل منگا لی جائے گی

غیر کی مانیں گے بے چون و چرا
میں کہوں گا فی نکالی جائے گی

بس ملامت ہی کو ہیں احباب سب
کوئی صُورت بھی نکالی جائے گی

کیا خزاں کا غم گلوں کی یاد سے
رُوح پھُولوں میں بسالی جائے گی

آ رہا ہے جھومتا وہ مستِ ناز
اَب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

جب کسی سے لو لگالی جائے گی
تب یہ آشفتہ خیالی جائے گی

زاہدوں پر مَے اچھالی جائے گی
جان ان مُردوں میں ڈالی جائے گی

بے سوالی بھی نہ خالی جائے گی
دل کی بات آنکھوں سے پالی جائے گی

لاکھ ہو بحرِ محبّت پُرخطر
کشتیٔ دل اس میں ڈالی جائے گی

لرزہ بر اندام ہیں کون و مکاں
کس کی حسرت دل میں ڈالی جائے گی

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

داغِ دل چمکے گا بن کر آفتاب
لاکھ اس پر خاک ڈالی جائے گی

یاد تیری بڑھتے بڑھتے ایک دن
تا بحدِ بے خیالی جائے گی

ہم غریبوں کو دیئے جائیں گے داغ
غیر کو پھولوں کی ڈالی جائے گی

سب ترا پردہ دھرا رہ جائے گا
جب ذرا گردن جھکالی جائے گی

باندھ کر اس کا تصوّر چشمِ شوق
وادیٔ ایمن بنا لی جائے گی

کر سکے خم بھی نہ جس مَے کا سہار
وہ مرے ساغر میں ڈالی جائے گی

شیخ پینے کا ارادہ تو کریں
حوضِ کوثر سے منگا لی جائے گی

مستیاں **مجذوبؔ** اَب زیبا نہیں
وقعتِ پیرانہ سالی جائے گی

شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی
سرکشی سر سے نکالی جائے گی

آج بھی بوتل جو خالی جائے گی
مار کر سر توڑ ڈالی جائے گی

مَے بھی یوں طاہر بنا لی جائے گی
آبِ زمزم میں ملا لی جائے گی

کب نگاہِ لطف ڈالی جائے گی
کب مری آشفتہ حالی جائے گی

اَور تو نکلیں ہی گے خرقے سے کام
اس میں بوتل بھی چھپالی جائے گی

ڈال کر اُن پر نظر اَے چشمِ شوق
جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی

ہائے کہنا اُن کا عرضِ وصل پر
جاؤ کچھ صورت نکالی جائے گی

دے چکا ہوں دونوں عالم میکشو یہ گراں مے تم سے کیا لی جائے گی
اَور ہو جائیں گی پیدا سینکڑوں اک اگر حسرت نکالی جائے گی
اَب میں تلقینِ توبہ شیخ جی وقعتِ فرمانِ عالی جائے گی
کیا رہے گا دل یُونہی محرومِ فیض کیا یہ جھولی یُونہی خالی جائے گی
اَور کیا موقع ہے اَب تو قبر میں مستیٔ پیرانہ سالی جائے گی
پاس جو کچھ تھا وہ صرفِ مے ہُوا اَب نہ کیوں مسجد سنبھالی جائے گی
یہ سِن اَے مجذوبؔ اُس پر خُم پہ خُم
کب تری بے اعتدالی جائے گی

بلو تم یہ ہے مہربانی تمھاری بڑھاپا مرا نوجوانی تمھاری
بڑھاپے میں سب کی اجل جان لیوا مری جان لیوا جوانی تمھاری
غضب پر غضب ہے سِتم پر سِتم ہے یہ حُسن اور اُس پر جوانی تمھاری
جو بگڑے مری بات بگڑے بلا سے
مگر بات مجھ کو بنانی تمھاری

کیا جانے کس انداز سے ظالم نے نظر کی حالت ہی دگرگوں ہے مرے قلب و جگر کی
پھنکتا ہُوں شب و روز پڑا بسترِ غم پر ہوتی ہے بُری ہائے لگی آگ جگر کی
کاٹے نہیں کٹتا تری فرقت کا زمانہ ہوتی نہیں اَب شام جو مر مر کے سحر کی
اغیار سے ہنس ہنس کے کیا کرتے ہیں باتیں پرواہ ہی اُنھیں کیا ہے کسی دیدۂ تر کی
اندازِ تغافل بھی تو دلکش ہے تمہارا جھٹ پھیر لیا مُنہ کو جو بھُولے سے نظر کی
ہر لحظہ نگاہ کر کے گراتے رہے بجلی اچھی یہ رعایت ہے مرے سوزِ جگر کی
سب چھوڑ دیں اِس کُشتۂ غفلت کو خُدا پر
ناز اُن کا بڑھا اور بھی میں نے جو خبر کی

کہاں رُوئے زمیں پر تیرے مستانے نہیں ساقی چھکا ڈالے ہیں لاکھوں آفریں صد آفریں ساقی
سمجھتا ہُوں میں رازِ حُسن تیرا اَے حسیں ساقی یہ ہے اک عکس نُورِ قلب کا نُورِ جبیں ساقی

جو زیبِ حلقۂ رنداں ہے تو اَے مہ جبیں ساقی
تو وہ عالم ہے اَب جیسے ہو خاتم میں نگیں ساقی

اگر ملتی ہے تھوڑی سی دُردِ تہہ نشیں ساقی
تو بس پھر من و سلویٰ ہے مجھے نانِ جویں ساقی

مجھے ہر شے ہے ساقی جب سے تو ہے دلنشیں ساقی
شجر ساقی، حجر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی

ہوا اب سِرِّ وحدت کا مجھے عین الیقیں ساقی
کہ یکساں ہیں مرے داماں و جیب و آستیں ساقی

تری محفل میں کیا انوار ہیں اَے مہ جبیں ساقی
اُتر آیا زمیں پر آج کیا عرشِ بریں ساقی

ترے رندوں پہ سارے کُھل گئے اسرارِ دیں ساقی
ہُوا علم الیقیں[1]، عین الیقیں، حق الیقیں ساقی

شرابِ تلخ دے مجھ کو بجائے انگبیں ساقی
کہ نکلے رقص کرتی رُوح وقتِ واپسیں ساقی

عجب ہے تیرے میخانے کا اَے پیرِ مغاں عالم
کہیں ساغر، کہیں مَے کش، کہیں مینا، کہیں ساقی

ازل کے مست ہیں رکھتے ہیں ہم فطرت ہی مستانہ
ہمیں خم ہیں، ہمیں ساغر، ہمیں میکش، ہمیں ساقی

زبردستی لگا دی آج بوتل مُنہ سے ساقی
مَیں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

رہے ہشیار پی کر خم کے خم بھی تیرے متوالے
ترے اندازِ مَے بخشی پہ ہے صد آفریں ساقی

الٰہی خیر ہو مجذوب مے خانے میں آیا ہے
قدح کش لاابالی، جام نازک، نازنیں ساقی

یہاں تو محتسب ہر وقت ہے اب دلنشیں ساقی
جہاں گردن جُھکا کر بیٹھ جاؤں میں وہیں ساقی

پلا اتنی کہ مٹ جائے غمِ دُنیا و دیں ساقی
شرابِ تلخ ہو جائے نبات و انگبیں ساقی

میں فطری مست ہوں میرے ہزاروں ہمنشیں ساقی
شجر ساقی، حجر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی

مٹا دیتا ہے تو دم میں غمِ دُنیا و دیں ساقی
یہاں جس کو نہیں تسکیں، کہیں تسکیں نہیں ساقی

خُدارا اِک نگاہِ مست وقتِ واپسیں ساقی
دمِ رخصت تو خوش ہو جائے یہ جانِ حزیں ساقی

نہ میخانہ رہے کیوں رشکِ فردوسِ بریں ساقی
مَے گُلرنگ سے سیراب ہے یہ سرزمیں ساقی

مجھے اِک موجِ مے ہے یہ تری چینِ جبیں ساقی
شرابِ آتشیں کا جامِ چشمِ خشمگیں ساقی

بُرا سب کہہ رہے ہیں اہلِ دنیا اہلِ دیں ساقی
ترے رندوں نے بھی اُف ذلتیں کیا کیا سہیں ساقی

پلائے گا بلا انداز جب خود پی کے نکلے گا
کریں مَیکش نہ غم ہرگز جو ہے خلوت نشیں ساقی

نہ چھیڑ اے محتسب میں ہوں مَے وحدت کا متوالا
میں وہ میخوار ہوں جس کے ہیں ختم المرسلیں ساقی

---

[1] ایمان کے مختلف درجات۔ تفصیل کے لئے سورہ تکاثر ملاحظہ فرمائیں۔

لگی ہے آس کیوں کوثر کی ہم رندوں کو بھی زاہد — خبر بھی ہے وہاں ہونگے شفیع المذنبیں ساقی
تری اِن بخششوں پہ یاالٰہی جان و دل صدقے — کہ مجھ سے بدتریں کو بہتریں مے بہتریں ساقی

دو عالم سے ہُوا مجذوبؔ یک سُو ایک ساغر میں
ہُوئے طے سب مراحل اوّلین و آخریں ساقی

گھٹا اُٹھی ہے تو بھی کھول زُلفِ عنبریں ساقی — ترے ہوتے فلک سے کیوں ہو شرمندہ زمیں ساقی
نگاہِ مست اَور پھر اُف چشمِ سُرمگیں ساقی — مَے دو آتشہ ہے یہ شرابِ آتشیں ساقی
ٹلوں گا مَیں نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگیں ساقی — کہ جو مَے سب سے بہتر ہے وہ ملتی ہے یہیں ساقی
یہ کس بھٹی کی دی تُو نے شرابِ آتشیں ساقی — کہ پیتے ہی رگوں میں بجلیاں سی بھر گئیں ساقی
دمِ آخر تو اُٹھ جانے یہ چشمِ سُرمگیں ساقی — نگاہِ مست ملتے ہی نگاہِ واپسیں ساقی
مَیں ہُوں اب تک محرومِ گو ہے وقتِ واپسیں ساقی — مِری قسمت کی تیرے میکدہ میں کیا نہیں ساقی
مجھے سارے مزے جنّت کے حاصل ہیں یہیں ساقی — کہ کوثر مے ہے غلماں مغبچے، تو حُورِ عیں ساقی
دہانے پڑ رہے ہیں وَلولے مستی کے رندوں کو — غضب ہے دیکھنا تیرا چشمِ سُرمگیں ساقی
جو تر دامن ہے تیرا پاک داما نوں سے بہتر ہے — گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں ساقی
یہ فصلِ گل بایں اَبرِ سیاہ و برق تاباں ہے — کہ در کف ساغر و بر دوش زُلفِ عنبریں ساقی

انجمن بہارِ اُدب لکھنؤ کا سالانہ آل انڈیا مشاعرہ۔ سٹیج سیکرٹری سوز شاہجہانپوری نے رات تقریباً ۲ بجے خواجہ صاحب کو دعوتِ کلام دی۔ ان کے ظاہر کو دیکھ کر لوگ ہنس دیئے۔ لمبا قد، سُرخ سفید رنگت، سفید داڑھی، سفید براق سا اچکن نما انگرکھا۔ آواز آئی "یہ مسجد نہیں ہے" کسی ظریف الطبع نے نشستوں کے پچھلی طرف اذان دینا شروع کر دی۔ ایک مسخرے نے ہانک لگائی۔ "غلط جگہ آ گئے حضرت!" ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے خواجہ صاحب نے اپنے مسحُور کُن ترنّم اور والہانہ انداز سے یہ شعر پڑھا۔ ایکدم سنّاٹا، مکرّر کی صدائیں۔ پھر جو داد کا طوفان اُٹھا تو کان پڑی آواز سُنائی نہ دی۔ بعدہٗ خواجہ صاحب نے ذرا اٹک کے یہ شعر پڑھا۔ تو مجمع میں "ذرا ہلچل" پڑ گئی۔ داد کے ڈونگرے برسے۔ بےخودی میں غزل سرا۔ خُدا خُدا کر کے غزل ختم۔ ایک اور ایک اَور کی صدائیں۔ اِس ایک اَور کا نتیجہ یہ نکلا کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ آخر کار خواجہ صاحب مسجد کو سدھارے اور محفل برخاست ہُوئی۔

نظریں جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف کتنا ہے
دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دور بیں ساقی

کہاں سے مجھ کو پہنچایا کہاں پیرِ مغاں تو نے
مرا میخانہ اب لاہوت ہے روح الامیں ساقی

گدائے میکدہ ہوں مست ہوں اپنی گدائی میں
یہ ہے سنگِ درِ میخانہ مجھ کو شہ نشیں ساقی

ریائی گریہ ہم رندوں کو اے صوفی نہیں آتا
کہ رکھتا ہے لبِ خنداں دل اندوہگیں ساقی

یہی باتیں تو مجذوب اپنی بڑ میں بھی سناتا ہے
ذرا سنبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نے کہیں ساقی

جو برسات آئی دنیا بھر کی چیزیں بن گئیں ساقی
شجر ساقی، حجر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی

یہاں آنے کو ہے اک زاہدِ مسجد نشیں ساقی
بنا دے آج میخانے کو ہاں خلدِ بریں ساقی

جہاں میں آج تجھ سا کوئی دریادل نہیں ساقی
مے گلرنگ سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی

مے شفاف سب کو مجھ کو دردِ تہہ نشیں ساقی
یہ ہے اظہارِ شوق، اصرار یا شکوہ نہیں ساقی

مشامِ جاں معطر کن ز زلفِ عنبریں ساقی
ترحم کن کہ ایں وقت است وقتِ واپسیں ساقی

یہیں سے پاؤں گا ہر نعمتِ دنیا و دیں ساقی
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

کلیجے پھونک دے گی اف شرابِ آتشیں ساقی
ارے یہ ظلم کچھ خوفِ خدا تجھ کو نہیں ساقی

بہت پاتا ہوں میں رندوں میں خوفِ یومِ دیں ساقی
بنی ام الخبائث بھی شراب الصالحیں ساقی

کہوں میں کیوں نہ تجھ کو رحمۃ اللعالمیں ساقی
کہ تیرے فیض سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی

مری ہستی ہے فطری ایک دو میرے نہیں ساقی
شجر ساقی، حجر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی

طلوعِ آفتابِ حشر ہونے کو ہے گردوں پر
ترا بھی ہاں چلے دورِ شرابِ آتشیں ساقی

سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے
رہے گا رنگ عالم میں یہی تا یومِ دیں ساقی

عجب مشرب ہے تیرا تجھ کو اے مجذوب کیا سمجھیں
کہیں پیرِ مغاں تو ہے کہیں میکش کہیں ساقی

تصورِ عرش پہ ہے، وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا اب پوچھنا کیا، آسماں میرا زمیں میری

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خدارا یوں نہ آ بالوں کو کھولے جھومتا ساقی
ارے نیت نہ ڈانوا ڈول ہو جائے کہیں میری

اُدھر تُو در نہ کھولے گا اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

جو ہارا ہُوں کسی سے مَیں تو ہارا ہُوں مقدّر سے
جو ٹوٹی ہے کہیں ہمّت تو ٹوٹی ہے یہیں میری

جو صُورت گیرِ حُسن و عشق کی دُنیا کہیں ہوتی
ترے ضو کا فلک بنتا مرے ظل کی زمیں ہوتی

تمنّا ہے کہ اَب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی

کسی صُورت سے بے پردہ نگاہِ شرمگیں ہوتی
نکلتی تیری آنکھوں سے تو میرے دل نشیں ہوتی

بگڑتے لاکھ بن بن کر مگر ہیئت کہیں ہوتی
ہمیں اِک موجِ بحرِ حُسن جبیں بر جبیں ہوتی

مے شفاف اُڑتی اور تلچھٹ تہ نشیں ہوتی
ہمیں اُس کا فلک ہوتا ہمیں اسکی زمیں ہوتی

وہاں رہتے جہاں دود و فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکسترِ دل کی زمیں ہوتی

پتہ چلتا کہ غم میں زندگی کیونکر گذرتی ہے
ترے قالب میں کچھ دن کو مری جانِ حزیں ہوتی

ہجومِ آرزو ہے یا کوئی ہنگامۂ وحشت
خوشا وقتیکہ جب دل میں کوئی حسرت نہیں ہوتی

دکھا دیتے مزہ پھر تم کو ہم اپنے تڑپنے کا
جو عالم بے فلک ہوتا جو دُنیا بے زمیں ہوتی

ستاروں کو یہ حسرت ہے کہ ہوتے وہ مرے آنسو
تمنّا کہکشاں کو ہے وہ میری آستیں ہوتی

بھلا اَے زخمِ دل اُس چھوٹے منہ سے ان کے واروں پر
کبھی تو مرحبا ہوتا، کبھی تو آفریں ہوتی

نہیں کرتے وعدۂ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بیتاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

جو ان کو دیکھ لیتے ہم تو پھر کیا زندہ رہ جاتے
نگاہِ اوّلیں اَے دل نگاہِ واپسیں ہوتی

جو میخانہ میں ہے اُمّ الخبائث حضرتِ واعظ
پہنچ جاتی جو حجرہ میں شرابُ الصالحیں ہوتی

ذرا دیکھو تو تُم انصاف سے مجذوبؔ کی ہیئت
محبّت کے ریاکاروں کی یہ صُورت نہیں ہوتی

اگر تھوڑی سی حُبِّ حق بفیضِ پیر مل جاتی
تو ہاتھ آتی بڑی دَولت بڑی جاگیر مل جاتی

سرِ وحشی کبھی وابستۂ زُلفِ دوتا ہوتا
جو اِسکو باندھتے ایسی کوئی زنجیر مل جاتی

سبھی کچھ مجھ کو ملتا یہ دلِ پُردرد کب ملتا
اگر بدقسمتی سے غیر کی تقدیر مل جاتی

جو مَیں شوقِ شہادت میں سرِ مقتل پہنچ جاتا
تو بڑھ کر کس محبّت سے گلے شمشیر مل جاتی

اگر مجذوبؔ سے اُن کا کہیں مِلنا بھی ہو جاتا
تو ہوتا وصل کیا تصویر سے تصویر مِل جاتی

آپ کہتے ہیں کہ رُسوا مجھے کرتا ہے یہی
جس طرف ہو کے نکل جائے چرچا ہے یہی

اپنے طالب کو ذرا کچھ تو جھلک دِکھلا دو
کس بھروسہ پہ جئے کوئی جو پردہ ہے یہی

ہیں سرِ بزم یہ دُزدیدہ نگاہیں کس پر
تُم یہ سوجان سے ہاں دیکھ لو شیدا ہے یہی

کہ چلا ایک نظر میں جو ہزاروں بسمل
دیکھ لو ہائے مری جان کا لیوا ہے یہی

عُمر بھر اَب نہ نکلنا ہو ترے کوچہ سے
دم اسی در پہ نکل جائے تمنّا ہے یہی

حُسنِ خُوباں ہے فدا، نازِ بتاں سر بسجود
تُم نے دیکھا مرا بانکا مرا چھیلا ہے یہی

کر کے بسمل مجھے قاتل سرِ مقتل بولا
دیکھتا کیا ہے یہاں روز تماشا ہے یہی

شکوۂ جور پہ کس ناز سے فرماتے ہیں
کیوں کوئی آئے یہاں ہم کو آتا ہے یہی

آنکھ لڑتے ہی گئے ہوش کدھر اے ناصح
اب تمھیں دیکھ لو مجذوبؔ کو سودا ہے یہی

جگرؔ مُرادآبادی کے اِس شعر پر لکھی ہُوئی چہار غزلہ۔ شِعر درج ذیل ہے۔

ہر تمنّا دل سے رُخصت ہو گئی
اَب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

ایک تم سے کیا محبّت ہو گئی
ساری دُنیا ہی سے نفرت ہو گئی

یاس ہی اس دل کی فطرت ہو گئی
آرزُو جو کی وہ حسرت ہو گئی

جو مری ہونی تھی حالت ہو گئی
خیر اِک دُنیا کو عبرت ہو گئی

دل میں داغوں کی وہ کثرت ہو گئی
رُونما اِک شانِ وحدت ہو گئی

آ گئے پہلو میں راحت ہو گئی
چل دیے اُٹھ کر قیامت ہو گئی

عشق میں ذِلّت بھی عزت ہو گئی
لی فقیری بادشاہت ہو گئی

سوگ میں یہ کس کی شرکت ہو گئی
بزمِ ماتم بزمِ عِشرت ہو گئی

آ گئے تھوڑی سی زحمت ہو گئی — میرے جینے کی تو صورت ہو گئی
وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن — پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی
جی رہا ہوں موت کی اُمید پر — مر ہی جاؤں گا جو صحت ہو گئی
رنج دینے سے وہ باز آئے تو کب — رنج کھانے کی جب عادت ہو گئی
لاکھ جھڑکو اب کہیں ہٹتا ہے دل — ہو گئی اب تو محبّت ہو گئی
ناز کا باعث ہوا اپنا نیاز — شکر ہے پیدا شکایت ہو گئی
ایسی ضد کا کیا ٹھکانا ہے بھلا — بات جو کہہ دی وہ قسمت ہو گئی
چشمِ حیراں شکوۂ حرماں نہ کر — کچھ تو دیکھا جس سے حیرت ہو گئی
جا کے بہلاؤں الٰہی دل کہاں — اب تو وحشت میری فطرت ہو گئی

غیر سے باتیں ہیں ہم سے عذر تھا
آج تم کو خوب فرصت ہو گئی

دے گئی اُن کی شکر رنجی مزہ — درد میں پیدا حلاوت ہو گئی
خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ — شکر کر مٹی سوارت ہو گئی
دل میں شورش ہو مگر اتنا بھی کیا — بد مزہ اُن کی طبیعت ہو گئی
منعِ شئے واعظ ہے وجہِ حرصِ شئے — اب تو مے سے اور رغبت ہو گئی
پڑ گئی تھی اُن پہ بھولے سے نظر — بات اتنی تھی قیامت ہو گئی
بختِ خفتہ اور کب جاگے گا تو — اٹھ ارے صبحِ قیامت ہو گئی
اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست — سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی
اور بھی اُن سے تعلّق بڑھ گیا — دشمنئ خلق، رحمت ہو گئی
یا تو مسجد رات دن یا میکدہ — کیا سے کیا اَللّٰہ حالت ہو گئی

تیرے حیراں پوچھتے ہیں چونک کر
اہلِ جنّت کیا قیامت ہو گئی

میں بھی نازک طبع وہ بھی تند خو — خیر یہ گذری محبّت ہو گئی
قید کر صیّاد یا اب ذبح کر — جانِ بلبل گل کی نکہت ہو گئی
نزع میں بھی پوچھنے آیا نہ تو — انتہا او بے مروّت ہو گئی
حضرتِ دل آپ اور ارمانِ وصل — اللہ اللہ اب یہ ہمّت ہو گئی

اس کو ہر ذرّہ ہے اک دُنیائے راز — منکشف جس پر حقیقت ہو گئی
صبحِ پیری سر پہ اور مَیں بے خبر — اِنتہا اے خوابِ غفلت ہو گئی
اَب کہاں وہ رات دن کی صحبتیں — مِل گئے صاحب سلامت ہو گئی
آ پڑا ہُوں قبر میں آرام سے — آج سب جھگڑوں سے فُرصت ہو گئی

کر چُکے رِندی بس اب مجذوبؔ تُم
ایک چُلّو میں یہ حالت ہو گئی

کب رات ہو کب ان سے ہوں خلوت میں پھر بہم — رہتی ہے دُھن ہمیں یہی دن بھر لگی ہُوئی
رونے سے تو بھڑکتی ہے سینہ میں آگ اور — دل کی بجھاؤں ہائے مَیں کیونکر لگی ہُوئی
ممکن نہیں کہ عُمر بھر اَب چین ہو نصیب — اِک ایسی کاری چوٹ ہے دل پر لگی ہُوئی
باہر کا بند و بست تو سب کر لیا مگر — بجھتی نہیں ہے ہائے یہ اَندر لگی ہُوئی

تھانہ بھون میں آج بھی تُم جا کے دیکھ لو
پیاسو! سبیلِ ساقیٔ کوثر لگی ہُوئی

(ے)

کسی کی یاد میں زندگی اپنی گذرتی ہے — مری چشمِ تصوّر مصحفِ رُخ حفظ کرتی ہے
کہیں رو کے سے رُکتی ہے یہ ٹھہرائے ٹھہرتی ہے — نظر ملتے ہی وہ برقِ نگاہ دل میں اُترتی ہے
یہی دُنیا کہ جس دُنیا پہ دُنیا ناز کرتی ہے — ترے رِندوں کے دل سے نشہ چڑھتے ہی اُترتی ہے
ہو قتلِ عام یا جاں بخشیٔ عشاق ہو جائے — جو کہتی ہے تری چشمِ سخن گو کر گزرتی ہے
اسی کی تو بدولت پھرتی ہے برباد عالم میں — ہماری آہ پھر بھی دم اسی ظالم کا بھرتی ہے
ذرا بچتا رہے ظالم کہ چشمِ مست ساقی کی — نگاہ میں زاہدِ صد سالہ کو مے خوار کرتی ہے
بنا دیتا ہے تیرا عکسِ رُخ اس کو بھی آئینہ — تری تصویر پتھر میں بھی تو اے بُت اُترتی ہے
ہوس کی کیا ترے بدنام محبت کو — وہ رُسوا ہُوں کہ بدنامی بھی مجھ کو نام دھرتی ہے
اسے دونوں جہاں سے غم نے کھو رکھا ہے کیا کہئے — مصیبت میں ہے جاں اپنی نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے

کروں ضبطِ فغاں کی ہائے کیا تدبیر اَے ہمدم
دَبانے سے طبیعت اَور بھی دُونی اُبھرتی ہے

بقا بحرِ فنا میں غرق ہو کر ہم نے حاصل کی
یہ کشتی بھی عجب ہے ڈُوب کر ہی پار اُترتی ہے

نہا کر تو نہ جانے حُسن کا عالم ہی کیا ہو گا
پسینہ پُونچھنے سے جب ترے ہی رنگت نکھرتی ہے

زوال اِس آفتابِ شیشۂ دل کو نہیں ہوتا
شرابِ عشق اَے ساقی کہیں چڑھ کر اُترتی ہے

ہمارا داغِ دل جو مہر کو کرتا ہے شرمندہ
کسی کو دیکھتے ہی اسکی بھی صُورت اُترتی ہے

کیا ہو یاد انھوں نے یہ مریضِ غم کی کب قسمت
جو ہیں یہ ہچکیاں ہم قضا کو یاد کرتی ہے

اندھیرا نزع میں آنکھوں تک چھایا پُتلیاں پھیلیں
نظر اَب انکی رُخ پر زلف بن بن کر اُترتی ہے

نہیں احساس پی کر عشق کی دارو نے بیہوشی
کہ دل پر بن رہی کیا جگر پر کیا گذرتی ہے

گذرتی ہے تمہاری خوب غیروں میں تمھیں مطلب
گذُرتی ہے ہماری جان پر جو کچھ گذرتی ہے

نرالا رنگ ہے دُنیا سے ان کی زلفِ پُرخم کا
سنورنے میں بگڑتی ہے بگڑنے میں سنورتی ہے

گذرتے ہیں ہمارے سامنے سے جب وہ اٹھلاتے
کسی کو کیا خبر دل پر ہمارے کیا گذرتی ہے

سببِ حُسن مجھ سے اپنے بسملوں کی سخت جانی کا
ترے ہوتے قضا آتی ہُوئی مقتل میں ڈرتی ہے

رُکا بیٹھا ہے کوئی کہاں تک آپ کی خاطر
یہاں تو اَب جنابِ شیخ پینے کی ٹھہرتی ہے

گھٹاؤں پر گھٹائیں آتی ہیں ساغر پہ ساغر
بھری برسات میں ساقی کہیں نیت بھی بھرتی ہے

دمِ سرد۔ آہ گرم اس جان کو دونوں مصیبت ہیں
کبھی ہر وقت پھنکتی ہے کبھی ہر دم ٹھٹھرتی ہے

شعروں میں ہم کو درسِ بقا و فنا دیئے
جو عشق کے طریق تھے وہ سب بتا دیئے

اَے سوزِ عشق تُو نے مجھے داغ کیا دیئے
جیسے چراغ دل میں ہزاروں جلا دیئے

کس نے حریمِ ناز کے پردے اُٹھا دیئے
دیکھے نہ جو کبھی تھے وہ جلوے دکھا دیئے

چپکے سے پاس آکے ذرا مُسکرا دیئے
اِس اک کرم نے جتنے ستم تھے بھُلا دیئے

اَے جذب لا بٹھا دل و دیدہ میں اَب انھیں
تُو نے تو میرے دونوں جہاں جگمگا دیئے

آ میرے دل کی بزمِ تمنا میں اَب تُو آ
دیتے تھے جو دھُواں وہ دیئے سب بجھا دیئے

اِک حرف بھی زباں سے نکالا نہ آپ نے
سب رازِ حُسن کیسے یہ سمجھا بجھا دیئے

ہونے دیا نہ ہوش کو مغلوبِ عشق میں
جتنے بھی دل میں جوش اُٹھے سب دبا دیئے

سنتے ہو کیا کہ اس رہِ دشوارِ عشق نے　　　میں کیا ہوں رہبروں کے قدم ڈگمگا دیئے
اس پرتوِ جمال نے روشن کیے ہنر　　　اور اس قدر کہ عیب مرے سب چھپا دیئے
جب مجرمانِ عشق سے کی اس نے بازپرس　　　کچھ کہہ سکے نہ منہ سے مگر سر جھکا دیئے
اے مہرِ حسن یہ تری ذرّہ نوازیاں　　　شاہوں کے تُو نے پیش گدا سر جھکا دیئے
قائم رہے یہ ہمتِ مردانہ دم ترا　　　اکھڑے ہوئے قدم بھی مرے پھر جما دیئے
اے عشق خوار یہ تری ذلّت پسندیاں　　　مسند نشیں بھی خاک پہ تُو نے بٹھا دیئے
دینار اور درم جو دیئے تیری راہ میں　　　اب ان کو کیا کہوں کہ لئے میں نے یا دیئے
مجذوبؔ نا سزا تو یہ سن کر ہی رو دیا　　　حاکم نے تم کو چھوڑ دیا بے سزا دیئے
مجذوبؔ تو ہے جامع رندی و اتقا
زاہد بھی تم نے ہم صفِ رنداں بٹھا دیئے

گھر کیا ایسا تصوّر میں تری تصویر نے　　　دی مجھے تقریر کی لذّت تری تحریر نے
آہ بھی کی جب دلِ بیگانۂ تدبیر نے　　　آ کے جب سو بار رگڑی ناک خود تاثیر نے
صورتِ بسمل گذاری عمر بھر نخچیر نے　　　تیر سے بڑھ کر کام کیا احتمالِ تیر نے
کب ذرا چلنے دیا چھوٹی ہوئی تقدیر نے　　　ہر قدم پر ٹھوکریں کھائیں مری تدبیر نے
کب کیا بے دل مجھے حسّاد کی تحقیر نے　　　بھر لیا ہے روپ ذلّت کا مری توقیر نے
خواب کی لذّت سے بھی محروم ناحق کر دیا　　　کر کے بیدار اضطرابِ حسرتِ تعبیر نے
اہلِ دل جتنے تھے سب کے ہو گئے کر گوشِ ہوش　　　آہِ بے آواز کی کس عاشقِ دلگیر نے
ہائے کس انداز سے وہ چشمِ خوابیدہ ہے باز　　　ہائے کیا پھینکے ہیں تیر اس ترکشِ بے تیر نے
لاکھ کہیئے مار ڈالا باور آتا ہے کسے
ہائے کیا جھوٹا کیا اس قتلِ بے شمشیر نے

تیرے قدموں سے چھڑانا حشر نے چاہا بہت　　　شکل ہی بدلی نہ میری خاکِ دامن گیر نے
تازیانہ ہو گئی اے محتسب بہرِ سمند　　　اور بھڑکایا ہے شوقِ مے تری تعزیر نے
ڈالتے ہو خاک کس پر کچھ خبر ہے حاسدو　　　تجھ کو چمکایا ہے کس کے حسنِ عالمگیر نے
شاہدِ مقصود پاس آ کے کھنچا ہے مرے　　　تنگ کر رکھا ہے اس بیگانۂ تدبیر نے

میرے گوشِ جان سے گوشِ ہوش سے پوچھے کوئی
کیا کہا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں تری تصویر نے

جبہہ سا رکھنا تھا جب دَر پر تغافل کیش کے
خامہ فرسائی ہی کی کیوں کاتبِ تقدیر نے

اینٹ سے اینٹ آج زنداں کی بجی اُٹھا وہ شور
دی تڑپ کر جان کس وارفتۂ زنجیر نے

لاکھ کوشش کی کہ ہو جائے ہم آغوشِ اثر
دے دیئے دھکّے مری تدبیر کو تقدیر نے

لاکھ اثر پھرتا رہا پیچھے مگر اے ذوقِ غم
کب کیا رُخ نالۂ بیگانۂ تاثیر نے

شرحِ حُسنِ یار ہے حُسنِ حسینانِ جہاں
حل کیا اس مصحفِ رُخ کو اسی تفسیر نے

کب رُکا نالہ ہمارا پھیر لی تو نے نگاہ
کس نے منہ موڑا ہمارے یا تمہارے تیر نے

یا جنازہ کی وہ رفعت یا یہ پستی قبر کی
ذِلّتیں کیا کیا دکھائی ہیں مری توقیر نے

خیر ہے یا رب یہ پہنچا کون در پر یار کے
صور سا پھونکا وہاں پر حلقۂ زنجیر نے

جبہہ سائی سے ترے در کی ہُوا میں سرخرُو
کیسی چمکا دی مری تقدیر اس تدبیر نے

مَیں ہُوا پیدا تو بیکس پا کے فوراً رکھ لیا
اپنے گہوارہ میں مجھ کو گردشِ تقدیر نے

اَے منجم چرخ گرداں بن گئے روزِ ازل
خاک اُڑائی تھی جو میری گردشِ تقدیر نے

مجذوبؔ کو جو لانا ہے
کام اس کا مگر سُن لو رونا ہے رُلانا ہے

افسانۂ غم اپنا ہنس ہنس کے سُنانا ہے
ہنستوں کو رُلانا ہے روتوں کو ہنسانا ہے

مجذوبؔ اسے کیا سمجھے رونا ہے کہ گانا ہے
آنکھوں میں تو آنسو ہیں اور لب پہ ترانا ہے

مجذوبؔ ترا پیرو آج ایک زمانہ ہے
پینا یہ ترا گویا دُنیا کو پلانا ہے

آتے ہی یہ کہتے ہو لو اب ہمیں جانا ہے
بدتر ہے نہ آنے سے یہ آنے میں آنا ہے

لے مدرسہ اب رُخصت میخانہ کو جانا ہے
معلوم کو اب اپنے مشہود بنانا ہے

کیوں قیس کے قصہ کو سُنتے ہو فسانہ ہے
مجذُوب خود اک زندہ مجنون زمانہ ہے

جب دل ہی لگا بیٹھے ہر ناز اُٹھانا ہے
سو بار اگر رُوٹھیں سو بار منانا ہے

جس طرح بھی ممکن ہو آج اُن کو منانا ہے
گھس گھس کے جبیں در پر بگڑی کو بنانا ہے

ہاں یار ستالے تُو جتنا بھی ستانا ہے
شکوہ نہ کبھی لب پر لایا ہوں نہ لانا ہے

عشاق میں مجذوبؔ یگانہ ہے
برباد محبت ہے، رسوائے زمانہ ہے

لاحول ولا قوۃ کیا اُلٹا زمانہ ہے
عورت تو ہے مردانی اور مرد زنانہ ہے

سر رکھ کے ہتھیلی پر میدان میں آنا ہے
اکھڑے ہُوئے قدموں کو قاتل کے جمانا ہے

کیا میرے گنہ ہوں کا اللہ ٹھکانہ ہے
اور ہائے مجھے اک دن منہ تجھ کو دکھانا ہے

ساقی مئے احمر دے ساغر کو مرے بھر دے
پھُوٹی ہے شفق کیسی کیا وقت سُہانا ہے

وہ بارگاہ عالی خود سب سے ہے مستغنی
آئے جسے آنا ہے جائے جسے جانا ہے

جو آگ کی خاصیّت وہ عشق کی خاصیّت
اک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بہ خانہ ہے

کر فضل کہ نسبت ہے سرکارِ دو عالمؐ سے
اور اُس سے میں بیعت ہُوں جو قطبِ زمانہ ہے

حُسن اپنی جگہ تاباں عشق اپنی جگہ سوزاں
یہ رونقِ محفل ہے وہ زینت خانہ ہے

سمجھو نہ رگیں ان کو یہ تار ہیں بجلی کے
یہ دل نہیں پہلُو میں بجلی کا خزانہ ہے

یہ حُسن کی بے رنگی فیشن کی ہے نیرنگی
سُرمہ ہے نہ مسی ہے زلفیں ہیں نہ شانہ ہے

بڑبڑا رہا ہُوں میں گو کچھ نہ کوئی سمجھے
وہ خُوب سمجھتا ہے جس کو کہ سنانا ہے

زخمی بھی کیا کِس کو سینے میں چھُپے دل کو
شاباش ہو تیر افگن کیا خُوب نشانہ ہے

کیوں تُم نے بنایا ہے مجذُوبؔ کو دیوانہ
کیوں رازِ نہاں اپنا دُنیا کو سنانا ہے

عبث کہتا ہے چارہ گر یہاں تک تھا یہاں تک ہے
وہ کیا جانے کہ زخمِ دل کہاں تک تھا کہاں تک ہے

مرا خاموش ہو جانا دلیل مرگ ہے گویا
مثال نے مرا جینا فغاں تک تھا فغاں تک ہے

نہ دھوکے دے مجھے ہمدم وہ آیا ہے نہ آئے گا
پیامِ وعدہ وصلت زباں تک تھا زباں تک ہے

کٹی روتے ہی اب تک عمر آگے دیکھئے کیا ہو
بتاؤں کیا کہ دل میں غم کہاں تک تھا کہاں تک ہے

وہاں تک قیس کب پہنچا وہاں فرہاد کب آیا
بیاباں میں گذر اپنا جہاں تک تھا جہاں تک ہے

مجھے تو عُمر بھر رونا ہے یارو کوئی موسم ہو
یہ مت سمجھو مرا نالہ خزاں تک تھا خزاں تک ہے

قدم راہِ اثر میں اُس نے رکھا تھا نہ رکھا ہے
یہ وہ نالہ ہے جو اب تک زباں تک تھا زباں تک ہے

مرے ہی دل تک آنا تھا مرے ہی دل تک آنا تھا
خدنگِ ناز کا پلّہ یہاں تک تھا یہاں تک ہے

تکلّف یہ تری خاموشیاں تجھ کو مٹا دیں گی
زمانے میں تیرا چرچا فغاں تک تھا فغاں تک ہے

نہ دل کا تذکرہ تم میرے رُوبرو کرتے ۔۔۔ نہ ذکر چھوڑتے کچھ اَور گفتگُو کرتے
کہاں کہاں دل صد چاک میں رفو کرتے ۔۔۔ کہاں تک آہ نہ اظہارِ آرزُو کرتے
دل و جگر کو نہ اپنے اگر لہو کرتے ۔۔۔ تو اور کیا ترے ناکام آرزُو کرتے
تمہیں کہو کہ اگر عرض کچھ عدو کرتے ۔۔۔ تم اختیار یہی طرزِ گفتگُو کرتے
نگاہِ شوق سے ہم شرحِ آرزُو کرتے ۔۔۔ کسی کی چشمِ سخن گو سے گفتگو کرتے
مرا وہ شوق سے ہاں خونِ آرزُو کرتے ۔۔۔ مگر نہ از رہِ ہمدردی عدُو کرتے
رہِ طلب میں اُٹھیں پاؤں کس توقع پر ۔۔۔ اُمید ملنے کی ہوتی تو جُستجو کرتے
دیا نہ یاس نے اتنا بھی عمر بھر موقع ۔۔۔ کہ دل کو ہم کبھی مسرُورِ آرزُو کرتے

لگایا مُنہ جو نہ ساقی نے تھا وہ فرزانہ
کہ ملتا جام تو پھر کیوں نہ آرزُو کرتے

قدم قدم پہ صدائیں ہیں نحن اقرب کی ۔۔۔ یُونہی گذر گئی اِک عُمر جُستجو کرتے
لحاظِ حُسن کیا میرے جذبے نے ورنہ ۔۔۔ زیارتیں مری آ آ کے خُوب رُو کرتے
ہمیں تو عید کی اے دوستو خُوشی ہوتی ۔۔۔ معانقہ جو کہیں خنجر و گلُو کرتے
بجائے سجدہ بہایا کئے کھڑے آنسُو ۔۔۔ نماز سب نے پڑھی ہم رہے وضُو کرتے
جفا پہ اُن کی تمنائے مرگ تُف اَے دل ۔۔۔ نہ آئی شرم تجھے ایسی آرزُو کرتے
ہَیں رُوسیاہ مگر عاشقوں میں ہم بھی ہَیں ۔۔۔ کبھی تو دید سے ہم کو بھی سرخرو کرتے
جواب ملتا انھیں اپنی لَن تَرَانی کا ۔۔۔ وہ گفتگو تو کبھی ہم سے دوبدو کرتے

گیا نہ قید میں رہ کر بھی پاؤں کا چکر — رہے قفس میں بھی ہم گشتِ چار سُو کرتے
رہا خزاں ہی سماں ہمیشہ پیشِ نظر — چمن میں خاک ہم احساسِ رنگ و بُو کرتے
نہ دل نواز ہی جب عُمر بھر کوئی پایا — تو کس اُمید پہ ہم کوئی آرزو کرتے

یہ حال کیا ہے کہ جب ملنے آئے اے مجذوبؔ
سُنا تمہیں کسی غائب سے گفتگو کرتے

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
اور اب جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

جہاں میں ہر سُو ہے اس کا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے
وہ ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے

کسی کے زندہ شہید ہیں ہم، نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے
ہمیں تو ہے اس سے بڑھ کے رونا کہ دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

کچھ اور ہی اب ہے میری دُنیا جو کوئی پیشِ نظر نہیں ہے
وہ حال قلب و جگر نہیں ہے، وہ رنگِ شام و سحر نہیں ہے

قرار سے جس پہ جم کے بیٹھوں، کوئی اب ایسا در نہیں ہے
وہ آستاں جب سے ہائے چھوٹا کوئی مرا مستقر نہیں ہے

ہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری نم نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

فضائے گردوں فضائے پرواز تیری بے بال و پر نہیں ہے
بلند تر اس سے اُڑ کہ یہ منتہائے فکرِ بشر نہیں ہے

نہیں وہ اَب دُور دل میں گھر ہے کلام ہر دم بیکِ دِگر ہے
نفس نفس میرا باخبر ہے، وہاں کی اَب کیا خبر نہیں ہے

بلا ہے یہ ذوق عاشقی کا، بنا ہے جنجال میرے جی کا
ذرا خیال آ گیا کسی کا تو نیند رات بھر نہیں ہے

اَرے یہ کیا ظُلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دَم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

نہیں جہاں جائے عیش و عشرت، سنبھل سنبھل ورنہ ہوگی حسرت
یہ دارِ دُنیا ہے دارِ عبرت، یہ کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے

نہ دُخترِ رز سے دوستی کر، جو منہ لگایا تو بس پڑی سر
یہ بیٹھ جائے جو پاس دم بھر، تو پھر مفر عُمر بھر نہیں ہے

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے، چلانے والا شہِ شہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے، بس اَور کوئی مفر نہیں ہے

پگھل رہا ہے دل ان کا ہاں ہاں کئے جا اے دل کئے جا آہیں
جسے سمجھتا ہے بے اثر تو وہ آہ بھی بے اثر نہیں ہے

طلب میں کر تو کمی نہ طالب، یہ نُورِ دل ہو نہ جائے حاجب
یہ صبحِ کاذب ہے صبحِ کاذب، سحر نہیں ہے سحر نہیں ہے

یہاں کی راحت ہے کوئی راحت، یہاں کی زحمت ہے کوئی زحمت
یہ اِک سرا ہے مقامِ غُربت، یہ کوئی رہنے کا گھر نہیں ہے

رہے گی ہر دم زُباں پہ جاری سُناتے گذرے گی عُمر ساری
یہ داستانِ اَلم ہماری، طویل ہے مختصر نہیں ہے

اِسی پہ رکھ اپنی بس نظر تُو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تُو
خود اِس سے ہے لاکھ بے خبر تُو، وہ تجھ سے تو بے خبر نہیں ہے

یہ کچھ ہے کم نعمتِ اِلٰہی، کہ مجھ کو مالی ہوس نہ جاہی
نصیب ہے مجھ کو دل کی شاہی نہ ہو اگر تاج سر نہیں ہے

تھکا مسافر ہے شام سر پر، کوئی ساتھی نہ کوئی رہبر
پھر ایسی منزل کہ اس سے بڑھ کر کوئی سفر پُرخطر نہیں ہے

کبھی نظر میں جمال تیرا، کبھی نظر میں جلال تیرا
بس اَب ہے دل اور خیال تیرا کسی کا اس میں گذر نہیں ہے

نہ ہوش اپنا نہ ہم نشیں کا، نہ جانِ زار و دلِ حزیں کا
خیال ہر دم ہے اِک حسیں کا، بس اب کسی کی خبر نہیں ہے

یہ تیری مجذوبؔ دل کی سوزش یہ تیری مجذوبؔ سر کی شورش
یہ کوئی مجمر ہے دل نہیں ہے، یہ کوئی بھٹی ہے سر نہیں ہے

دِل میں جو ہو کہ باغ و بہاراں سے کھیلئے — صد گُل بہ جیب و خار بداماں سے کھیلئے
مجذوبؔ آپ مست ہیں دُنیا ہے آپ کی — کہسار بحر و باغ و بیاباں سے کھیلئے
بچّوں کا کھیل ہے یہ کوئی کھیل عشق کا — صد گونہ رنج و حسرت و حرماں سے کھیلئے
اَب تک جو کھیل تھا وہ مگر دلربا سے تھا — اَب کھیلئے تو تیغ سرافشاں سے کھیلئے
یہ کھیل، کھیل ہو نہ کہیں کھیل کھیل میں — اتنا نہ قلبِ خستہ و بریاں سے کھیلئے

آہ و فغاں رہے نہ رہے گریہ و فغاں
بس دل ہی دل میں غمِ جاناں سے کھیلئے

پیری میں بھی ہوس ہے کہ اِس طفلِ دل کے ساتھ
پھر ذوق و شوق حسرت و ارماں سے کھیلئے

یہ کھیل دل کے لینے کے جو کھیلتے ہیں آپ
مجھ سے نہ کھیلئے کسی ناداں سے کھیلئے

یارانہ اَب نہ کیجئے مجذوب مست سے
ساماں جلا کے سوختہ ساماں سے کھیلئے

مجذوب وجد و رقص میں بس رہیئے روز و شب
پی پی کے اَب تو گردشِ دوراں سے کھیلئے

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے
روئے زمیں کو کوچۂ جاناں کئے ہوئے

اب اپنے گھر کو بے سر و ساماں کئے ہوئے
بیٹھا ہوں عزمِ کوچۂ جاناں کئے ہوئے

کیا دل لگے یہاں کہ مرحوم تیری یاد
دل کو ہے ایک شہرِ خموشاں کئے ہوئے

ہے شوق و ضبطِ شوق میں دن رات کشمکش
دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کئے ہوئے

زبانِ حال ملی عشق میں بیاں کے لئے
رہا نہ کام دہن میں کوئی زباں کے لئے

زباں ہے شعلۂ دل عشقِ بے زباں کے لئے
نشاں ہیں داغِ جگر حسنِ بے نشاں کے لئے

بنا ہوں ہائے سراپا میں امتحاں کے لئے
بدن زمیں کے لئے دل ہے آسماں کے لئے

جو انتہا ہو ترے حسنِ بیکراں کے لئے
تو صبرِ دل کے لئے ہو سکونِ جاں کے لئے

سکوتِ شمع ہے زیبا مری زباں کے لئے
بیاں کی ہوتی ہے حاجت کہیں عیاں کے لئے

مرے وہاں کے لئے یا جئے یہاں کے لئے
اکیلا دم کرے کیا کیا کہاں کہاں کے لئے

کہیں کا حکم تو ہو جائے نیم جاں کے لئے
یہ اِس جہاں کے لئے ہے کہ اُس جہاں کے لئے

چمن میں خار ملے ہم کو آشیاں کے لئے
بہار نذر ہے اُس حسنِ امتحاں کے لئے

میں محوِ فکر ہوا جب سے بے نشاں کے لئے
مشاہدہ کا درجہ ہے مرے گماں کے لئے

بس اب ہے مہرِ خموشی مری زباں کے لئے
جواب طورِ تتمہ تھا داستاں کے لئے

دہائی ہے دلِ عاشق غمِ جہاں کے لئے
یہ ایک روگ ہی کیا کم تھا میری جاں کے لئے

پلٹ کے آہ قیامت ہوئی جہاں کے لئے
کماں ہے چرخ مری تیر بے کماں کے لئے

جو آج جسم میں رہنا ہے موت جاں کے لئے
کوئی چلا تو نہیں گھر سے امتحاں کے لئے

ملی ہے زیست ہمیں مرگِ ناگہاں کے لئے
بنا ہے باغِ جہاں غافلو خزاں کے لئے

نہ بن پڑی کوئی صُورت سکونِ جاں کے لئے
اَب انتظار میں ہوں مرگِ ناگہاں کے لئے

نہ تابِ ضبط نہ قُدرت ہمیں بیاں کے لئے
خلاصہ یہ کہ مصیبت ہے رازداں کے لئے

اب اُس کی یاد سے ایما ہے داستاں کے لئے
نہ جیتے جی جسے موقع دیا بیاں کے لئے

لگائی ضبط کی شرط اُس نے امتحاں کے لئے
تو گویا تھی ہی نہ جنبش کبھی زُباں کے لئے

ہے جان لینا ہی کیا شرطِ امتحاں کے لئے
تڑپ رہا ہے بہت اب تو دل فغاں کے لئے

وہ جلوہ گر ہیں لبِ بام کل جہاں کے لئے
ہیں وقفِ سجدہ مگر ہم تو آستاں کے لئے

وہ حال پُوچھنے آئے ہیں ایسے وقت کہ جب
ترس رہا ہوں میں اِک جنبشِ زباں کے لئے

اَب امتحاں کے لئے رہ گیا ہے کیا باقی
کہ جاں تو نذر ہوئی قصدِ امتحاں کے لئے

چلی تھی لے کے اَزل سے کہاں کی بے تابی
کہ موت سے بھی ہُوا کچھ سکوں نہ جاں کے لئے

چلے تھے دوڑ کے کچھ ہے خبر بھی حضرتِ دل
وہ سونپتے ہیں غمِ عشق جاوداں کے لئے

ہمیشہ رہتا ہُوں اک بے خودی کے عالم میں
جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے

سُنو تو کہتی ہے کچھ قبر میری لاش مری
وہ ہے دہن یہ زباں میری داستاں کے لئے

زبانِ شمع کی مانند ہوں تو گرمِ فغاں
صدا نہیں ہے مگر ہاں مری فغاں کے لئے

نہ رازِ حسن کی تفصیل پوچھ اے ہمدم
خلاصہ یہ ہے کہ آفت ہے رازداں کے لئے

وہ دُور بیٹھے ہی دیتے ہیں دل کو داغ پہ داغ
یہ باغ ہائے ترستا ہے باغباں کے لئے

ہزاروں سر بکف آئے کھڑے ہیں مقتل میں
ہیں منتظر تری اک جنبشِ زباں کے لئے

نہ بیٹھ مطمئن اے دل کہ ہے یہ نادانی
وہ امتحاں سے گریزاں ہیں امتحاں کے لئے

دبی زباں سے یہ بولا سرِ نیاز اپنا
ستم روا کوئی رکھتا ہے بے زباں کے لئے

نمازِ عشق کو پایا ہے وہ خمِ ابرو
وضو کو اشک ملے ہیں فغاں اذاں کے لئے

ہیں مثلِ آسیہ گردش میں آسمان و زمیں
یہ کس کے واسطے ایک مشتِ استخواں کے لئے

ہے ایک رنگ پہ صحرا مرا چمن والو
بنے ہیں باغ ہی نیرنگیٔ جہاں کے لئے

جو سر بکف ہوں تو احباب کیوں ہیں خیر طلب
کہ ارمغاں ہے یہ اک اپنے مہرباں کے لئے

جہاں میں عشق نے خونریزیاں جو کیں اب تک
وہ سرخیاں تھیں مرے دل کی داستاں کے لئے

ہے عیش تلخ کہ ہوں وقفِ حسرت و ارماں
ہے باغ ہیچ کہ ہیں خار آشیاں کے لئے

جو خود ہو جان سے بیزار اُس سے جان کی طلب
طریقہ سیکھ کے آ میرے امتحاں کے لئے

جلو میں دودِ فغاں کے شرارِ آہ بھی ہوں
کہ ہے نہ صورتِ انجم بھی آسماں کے لئے

خیالِ خام جہاں ہے خیالِ جمعیت
قفس میں فکر ہی بے جا ہے آشیاں کے لئے

نہیں یہ نالۂ نے جو سنو مزے لے کر
کلیجہ تھام کے بیٹھو مری فغاں کے لئے

بھرا ہے آہوں سے دل اور ہر اک آہ ہے تیر
رہے گا خوب یہ ترکش مری کماں کے لئے

سنا جو نالۂ ناقوسِ دل مؤذن نے
رکھے ہی رہ گیا کانوں پہ ہاتھ اذاں کے لئے

حریمِ عشق میں اللہ رے دلِ نالاں
مقرر اَب تو مؤذن ہوا اذاں کے لئے

دہائی تم سے ہے مہدی کہ ہو گئے آفت
سراج و منظر و آشفتہ میری جاں کے لئے

سکوتِ بزمِ سخن میں ہے واہ کیا کہنا
نہ چھوڑا کوئی بھی مضموں کسی زباں کے لئے

بنے ہیں بہرِ تصدق یہ آسمان و زمیں
ہیں منتظر تری اک جنبشِ زباں کے لئے

چمن میں ہم کو تو ہر وقت بس رہا یہی غم
یہ ہائے باغ و بہار اور یہ خزاں کے لئے

ابد تک آپ رہیں منتظر ہی حضرتِ دل
وہ منہ ازل سے بنا ہی نہیں ہے ہاں کے لئے

کروں میں ہائے کب تک ضبط اے ظالم ترے ڈر سے
نکلنے ہی کو ہے اب آہ میرے قلبِ مضطر سے

وہی ہے رند پینے کیلئے جو عمر بھر ترسے
بھلا وہ مے ہی کیا جو منہ لگا لینے دے ساغر سے

بہت ڈانٹا بہت ڈپٹا بہت گرجے بہت برسے
مگر نکلے نہ بے وعدہ لئے ہم کوئے دلبر سے

وہ کیا آنسو ڈھلک جائے جو آئے دل دیدۂ تر سے
وہ قطرہ خارج از مے ہے چھلک جائے جو ساغر سے

سکوں دشمن تلاطم آشنا دِل ہوتا جاتا ہے
وفورِ موج سے گرداب ساحل ہوتا جاتا ہے

تماشا گاہِ اُلفت کوئے قاتل ہوتا جاتا ہے
جو داخل ہوتا جاتا ہے وہ بسمل ہوتا جاتا ہے

کسی کے حُسن میں اَب عشق شامل ہوتا جاتا ہے
بقدر مہر ظالم اَور قاتل ہوتا جاتا ہے

بمقدارِ جنوں **مجذوبؔ** عاقل ہوتا جاتا ہے
کہ ہوش اپنا تو زائل ان کا حاصل ہوتا جاتا ہے

وفورِ غم سے اَب احساس باطل ہوتا جاتا ہے
سکون دل کا باعث خود غمِ دل ہوتا جاتا ہے

خموشی کی طرف **مجذوبؔ** مائل ہوتا جاتا ہے
جو سر تا پا زباں تھا سر بسر دل ہوتا جاتا ہے

مری نظروں میں بے وقعت مرا دل ہوتا جاتا ہے
حقیقت میں یہ اَب وقعت کے قابل ہوتا جاتا ہے

نگاہِ خلق میں دُنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

خُدا پر چھوڑ دو چارہ گرو اب مرحلہ میرا
تم آساں کرتے جاتے ہو یہ مشکل ہوتا جاتا ہے

قدم مجذوبؔ کے رُکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
رفیق اِک اِک جُدا منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

جو تیری یاد فُرقت میں مری دمساز بن جائے
تو میرے دل کی ہر دھڑکن تری آواز بن جائے
ترس کچھ آ چلا صیّاد کو ہاں پھڑپھڑائے جا
یہ شاید صُورتِ پرواز ہی پرواز بن جائے
نمایاں ہو نہ چہرے سے نہ آنکھوں سے نہ باتوں سے
محبّت راز، اندر راز، اندر راز بن جائے
حَرم سے کرتا ہے کِس رند کو شیخِ حَرم خارج
جہاں پہ بیٹھ جاؤں جلوہ گاہِ ناز بن جائے
جو مَیں ڈالوں نگاہیں حُسن میں سب جذب ہو جائے
کوئی تو ناز بن جائے کوئی انداز بن جائے
نہ اُف بھی میں نے کی پھر بھی جفا کا تیری شُہرہ ہے
مرا کیا بس خموشی بھی اگر آواز بن جائے
مسیحا ہو، قضا ہو، یاس ہو، اُمید ہو، وہ ہُوں
کوئی تو چارہ ساز خاطرِ ناساز بن جائے
اگر اندر سے نکلے ساتھ لے کر دل کی آہوں کو
مری آواز پھر تو صور کی آواز بن جائے
جو نغمہ چھیڑ دے مُطرب تو اتنا محو ہو جاؤں
کہ میرا سازِ ہستی نغمۂ بے ساز بن جائے

گاڑی چلی گئی تو حضرت نجمؔ سے فرمایا۔
جناب شوکت تھانوی مرحوم کے اِس شعر پر لکھی گئی غزل ہے۔
ع ہر انسان فرضِ انسانی سے غافل ہوتا جاتا ہے
زمانہ آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

پیئے تو مے تو تیرا نغمہ بے کیف اے واعظ
لبِ ساغر سے مل مل کر لبِ اعجاز بن جائے
مزا اے حسن جب ہے عشق کا بھی کیف ہو تجھ میں
کہ پھر یہ تیر و نشتر تیرا ہر انداز بن جائے

پلٹ دو فرش، ہلا دو عرش اب بھی ناتوانو تم
اگر تم سب کی آوازوں کی اِک آواز بن جائے

اے خدا پیدا نہ کرتا آب اور گل سے مجھے
ہاں بناتا اشک اور خاکسترِ دل سے مجھے

چارہ گر پالا پڑا ہے سخت مشکل سے مجھے
دردِ دل سے دل زیادہ دردِ دل دل سے مجھے

کیوں خوش ہوں مرغوب شغلِ درد دل سے مجھے
اس نے فارغ کر دیا سارے مشاغل سے مجھے

یہ جکڑنا چارہ گر طوق و سلاسل سے مجھے
روکتا ہے عشق میں قطعِ منازل سے مجھے

غرقِ الفت کو غمِ مستقبل و ماضی نہ ہو
بر کنارے بیخودی رکھ ہر دو ساحل سے مجھے

میزباں گلفام ہے ساقی لالہ رُو مے آتشیں
خون آتا ہے نظر اس رنگِ محفل سے مجھے

فکرِ تربت کیوں ہے کچھ لاشہ بھی ہے مجھ زار کا
وہ دبا دیں خود مری خاکسترِ دل سے مجھے

رہ گیا گرداب بس حسرت سے کھا کر پیچ و تاب
لے چلے سمجھا کے جب احباب ساحل سے مجھے

اِن کے کُوچہ میں پہنچتے ہی میں بیخود ہو گیا
شوقِ منزل لے کے پہنچا دُور منزل سے مجھے

مَیں ہوں بیخود جب سے دل ہے آشنائے بحرِ عشق
دل نے رخصت کر دیا ہے یعنی ساحل سے مجھے

تھک کے مَیں چُپ ہو گیا تھا لیکن اے صیاد پھر
ہوک سی اُٹھنے لگی شورِ عنادل سے مجھے

ہے یہ بربادی وہ آبادی کہ گویا مِل گیا
اِک جہاں ہر ذرّۂ خاکسترِ دل سے مجھے

ضعف کی کچھ حد بھی ہے یاں زیست کی صورت نہیں
غش پہ غش آتے ہیں اب تو جنبشِ دل سے مجھے

کر رہا ہے اِک جہانِ حُسن کو پیشِ نظر
بڑھ کے ہے وہ خال اپنے آنکھ کے تِل سے مجھے

جا بجا ہیں تیرے کُوچہ میں جو تیرے نقشِ پا
ہوتے ہیں معلوم یہ بکھرے ہوئے دل سے مجھے

بند ہو کر پھر نہ جنت میں بھی یہ آنکھیں کھلیں
کیا بتاؤں کیا نظر آیا درِ دل سے مجھے

نور تو کیا جانے کیا ہو گا ترا اے جانِ جاں
روشن آتا ہے نظر عالم ترے ظل سے مجھے

رہ نوردِ عشق کو رہزن بھی ہے اک رہنما
ہاں چلا چل کی صدا آئی جلاجل سے مجھے

ہے ترا مشرب بقا، زاہد مرا مشرب فنا
ہے ارادت اہلِ دل سے تجھ کو بیدل سے مجھے

میں ہوں فیضِ عشق سے مجذوبِ رشکِ سالکاں
کیوں نہ ہو ہے بھی ارادت پیرِ کامل سے مجھے

ذرہ ذرہ دل ہے فیضِ عشقِ کامل سے مجھے
دل ہزاروں مل گئے خاکسترِ دل سے مجھے

لے چلے کیوں سوئے مرقد کوئے قاتل سے مجھے
ہو چکے سب مرحلے طے پہلی منزل سے مجھے

کیا بھلا ہوتا افاقہ وحشتِ دل سے مجھے
اور وحشت بڑھ گئی طوق و سلاسل سے مجھے

سابقہ پڑنا جو تھا بیتابیٔ دل سے مجھے
شوق تھا بچپن میں رقصِ مرغِ بسمل سے مجھے

کس مصیبت سے تو پکڑا تھا کنارا اے خدا
آ کے موجیں لے چلیں پھر ہائے ساحل سے مجھے

کاہشِ غم سے گلہ ہے ان کو کیا الزامِ دل
کیونکہ ہر بار آ کے پہچانیں وہ مشکل سے مجھے

جب فنائے عشق ہوں کرتا ہوں پھر کیوں خودکشی
آ کے روکے ہے ہوش اس تحصیلِ حاصل سے مجھے

ہٹ نہیں سکتا خیالِ زلفِ یار اے بے خودی
کر نہیں سکتا جدا کوئی مرے ظل سے مجھے

دفن کر دو یوں ہی میت کو شہیدِ عشق کی
غسل آنکھیں دے چکیں خونابۂ دل سے مجھے

نزع میں آئے جو وہ نکلا یہ کہتا دم ترا
مرحبا تو نے چھڑایا سخت مشکل سے مجھے

دوڑ کر پہنچا یہ کہتا اس غبارِ رہ میں قیس
کچھ نظر اس گرد میں آئے تھے محمل سے مجھے

جب ہو وہ پرتو فگن پھر ظلمتِ ہستی کہاں
کر دیا دور اس کے جلوہ نے مرے ظل سے مجھے

جب سے قیدِ ضبط سے میں نے چھڑایا آہ کو
دیتی ہے ہر دم دعائیں وہ تہِ دل سے مجھے

شیخ کے ہیں سلسلے کل جاری اے زلفِ یار
ہے یہاں وابستگی صد ہا سلاسل سے مجھے

فیضِ عشقِ زلف و رخ نے تیرے مستغنی کیا
اہلِ قبض و بسط سے محجوب و واصل سے مجھے

درد سے رہ رہ کے بندھ جاتی ہیں میری مٹھیاں
فرصت اک دم کو نہیں ہے عقدِ انامل سے مجھے

کاہشِ غم نے کئے آثارِ ہستی سب فنا
اب کریں محسوس اچھا سوزشِ دل سے مجھے

تابعِ سنت ہوں میں کیا اہلِ بدعت سے غرض
خادمِ اشرف ہوں مطلب کیا اراذل سے مجھے

بحرِ غم جس کا کنارا اک ازل ہے اک ابد
پار کرنا ہے شکستہ کشتیٔ دل سے مجھے

دیتے ہیں تشبیہہ اے مجذوب یہ سن کر غزل
کوئی حافظ، کوئی خسرو، کوئی بیدل سے مجھے

آئے تھے کہنے حالِ دل بیٹھے ہیں لب سِیئے ہُوئے
سَر اپنا خم کئے ہُوئے اپنا سا مُنہ لِئے ہُوئے

چھیڑو نہ ہم کو زاہدو بیٹھے ہیں ہم پیئے ہُوئے
چاہتے ہو جو لوٹنا زُھد کو تُم لِئے ہُوئے

کیسے گئے تھے شوق سے لینے اِس آشنا کو ہم
ویسے کے ویسے رہ گئے اپنا سا مُنہ لِئے ہُوئے

جان سے بھی عزیز کیوں مجھ کو نہ ہوں یہ داغِ دل
ہائے کِسی کو کیا خبر کِس کے ہیں یہ دیئے ہُوئے

کہنے کو ہجر ہے مگر دل کی کِسی کو کیا خبر
پھرتے ہیں اِس نگار کو پہلو میں ہم لِئے ہُوئے

ہوگئے زندہ مُردہ دل جب یہ سُنا وہ آئیں گے
جب یہ سُنا نہ آئیں گے مر گئے پھر جیئے ہُوئے

چاہتے ہیں نہ فاش ہو ان کو جو مجھ سے ربط ہے
رہتے ہیں سب کے سامنے خود کو جو وہ لِئے ہُوئے

میرے در پہ تو عبث اے گردشِ ایام ہے
بے خودوں کو حِس ہی کیا کب صبح ہے کب شام ہے

خوں نہیں اب میری رگ رگ میں مےِ گلفام ہے
اب مرے اندر ہی میخانہ لفیضِ عام ہے

سانس کیا اُکھڑا ہُوا ہے نزع کا ہنگام ہے
کیا کہیں تم سے خُدا حافظ ہمیں اب کام ہے

میری قسمت میں دلِ پُرخوں بجائے جام ہے
کیوں نہ ہو واقف ہر اِک کے ظرف سے قسام ہے

نالہ و فریاد ہی سے کام صبح و شام ہے
اور بھی کچھ کام تجھ کو اے دلِ ناکام ہے

اَب کہاں وہ مہرِ وش کیا گردشِ ایّام ہے
شام اپنی صبح تھی یا صبح بھی اَب شام ہے

خیر ہے پردہ نشیں کیوں آج قصدِ بام ہے
آج ارادہ کیا ہے کیا منظور قتلِ عام ہے

میں تو ہوں ہی رند، زاہد پارسا تو بھی نہیں
میں اگر ہوں جام بر کف تو نظر بر جام ہے

اُس مقامِ عشق پر ہوں اَب میں اے بلبل جہاں
نالہ و فریاد اِک آوازِ بے ہنگام ہے

دل فقط دے کر تو ہاں تکلیف ہی تکلیف تھی
جان بھی دے دی تو اَب آرام ہی آرام ہے

ایسی بدمستی تو ہو ہاں ایسی مدہوشی تو ہو
سر بسر آلودۂ مے میرا جامۂ احرام ہے

آبنی ہے جان ہی پر اَب تو یا رب خیر ہو
ہر قدم پر خطرہ، منزل دُور سر پر شام ہے

رابطِ بے ربطیِ حُسن و عشق کیا کیجئے بیاں
بام بے زینہ ہے وہ یہ زینۂ بے بام ہے

کب عیادت کو وہ آئے جبکہ وقتِ نزع تھا
کب جنازہ پر وہ پہنچے جبکہ اذنِ عام ہے

دم رُکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رُکا
میرا دَورِ زندگی ہے یہ جو دورِ جام ہے

یُوں تو سر آنکھوں پہ حضرت آپ کے لُطف و کرم
یہ مگر تذلیل مجھ نا اہل کا اکرام ہے

جذب میں مستانہ ہے مجذُوب آکوٹھے پہ آ
قابلِ دید اِک تماشا آج زیرِ بام ہے

مَیں جو بزمِ ہوش میں پہنچا تو ہر سُو شور اُٹھا
آپ کیوں آئے یہاں مجذوب کا کیا کام ہے

اَب کہاں وہ دن کہاں وہ ساقیٔ گُلفام ہے
اَب بجائے دَورِ ساغر گردشِ ایام ہے

یا نویدِ وصل تھی یا مَوت کا پیغام ہے
عشق کا آغاز کیا تھا اَور کیا انجام ہے

راہ لے صحرا کی جا، مجنوں ابھی تو خام ہے
عشق کے ہم پُختہ کاروں میں ترا کیا کام ہے

ہے خوشی باقی نہ غم یعنی فنائے تام ہے
خانۂ دل میں مرے بس اَب خُدا کا نام ہے

قطعِ راہِ عشق بھی کیا ہر کِسی کا کام ہے
ہر طرف کانٹے بچھے ہیں ہر قدم پر دام ہے

حرص ہے طولِ امل ہے نفس نافرجام ہے
بیٹھ کر کعبہ میں بھی کیا قلتِ اصنام ہے

ہے بس اَے بُلبل یہی تمہیدِ زندان و قفس
بستۂ زنجیر ہیں گل تو اسیرِ دام ہے

تیری مستانہ اداہی کے کرشمے ہیں یہ سب
میری رندانہ روش تو مفت میں بدنام ہے

اِنتظار اَب حد سے گذرا آ کہیں پیکِ اجل
جاں مری سر تا قدم پیغام ہی پیغام ہے

اَے دلِ ناکام ہاں ہمّت نہ ہرگز ہارنا
ہے وہی تو کامیابِ عشق جو ناکام ہے

کیا خبر تھی ابتدا کے وہ مزے نکلیں گے یُوں
رات ہی اَب چین ہے مجھ کو نہ دن آرام ہے

بخت یہ کیا بخت ہے، پھوٹا ہوا اِک ٹھیکرا
دل ہے یہ کچھ دل میں دل ٹوٹا ہوا اِک جام ہے

ساری دُنیا کا ہمیں آرام بھی تکلیف تھا
اَب ترے در پر ہمیں تکلیف بھی آرام ہے

ہجر میں ساقی بجائے ابرِ تر ہے چشمِ تر
اَور اپنا یہ دلِ پرخُوں بجائے جام ہے

اَے دل اس دار و رسن ہی سے وہاں پہنچے گا تو
لے لپک کر یہ کمندِ بام ہے وہ بام ہے

تُو ہی دل ہے، جاں ہے تو ہی سب کچھ ہے مرا
تُو ہی دیں ہے، تو ہی ایماں ہے تو ہی اسلام ہے

ہو گئیں مفقود کیا دُنیا سے آنکھیں اَے خُدا
پُوچھتے پھرتے ہیں سب مجذُوبؔ کس کا نام ہے

مَیں جو بزمِ ہوش میں پہنچا تو ہر سُو شور اُٹھا
آپ کیوں آئے یہاں مجذُوبؔ کا کیا کام ہے

یہ حقائق یہ معانی، یہ روانی، یہ اثر
شاعری تیری ہے اَے مجذُوبؔ یا الہام ہے

قیامت خیز مرا نعرۂ مستانہ ہوتا ہے
نہ چھیڑو چھیڑنے والو! بُرا دیوانہ ہوتا ہے

نظر کردہ ترا کب طالبِ پیمانہ ہوتا ہے
تری اِک اِک نظر میں کیفِ صد پیمانہ ہوتا ہے

عبث تو معترض اَے ناصحِ فرزانہ ہوتا ہے
مقدر سے کوئی **مجذُوبؔ** سا دیوانہ ہوتا ہے

روانہ سُوئے کعبہ یُوں ترا مستانہ ہوتا ہے
کہ بوتل تو بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہوتا ہے

کہیں دیوانہ ہوتا ہے کہیں فرزانہ ہوتا ہے
تری زُلفوں کا دیوانہ عجب دیوانہ ہوتا ہے

مَیں اَے پیرِ مُغاں جب تک نہیں پیتا نہیں پیتا
مگر پینے پہ آتا ہُوں تو ختم پیمانہ ہوتا ہے

بجائے مَے لہو کے گھونٹ مَیں کب تک پیئے جاؤں
بس اَب لبریز میرے صبر کا پیمانہ ہوتا ہے

مگر اے محتسب تجھ کو بھی ہے کچھ شوق رِندی کا
جبھی آتا ہے تُو جب رنگ پر میخانہ ہوتا ہے

مرے اَشعار کیا ہیں سَر بسر میرے سوانح ہیں
مرا ہر شعر میرے دِل کا اِک افسانہ ہوتا ہے

پریشاں حالیاں مجذُوب کی اوروں کو زحمت ہیں
چھلکتا ہے جبھی گردش میں جب پیمانہ ہوتا ہے

نہیں مجذُوب دم بھر کو بھی تیری یاد سے غافل
بڑا ہشیار مطلب کا ترا دیوانہ ہوتا ہے

خوشامد میں ہیں سب مجذُوب کی وہ رُخ نہیں کرتا
ترے عاشق میں بھی اِک نازِ معشوقانہ ہوتا ہے

حقیقت میں تو مَے خانہ جبھی مَے خانہ ہوتا ہے
ترے دستِ کرم میں جب کبھی پیمانہ ہوتا ہے

طریقِ عشق میں جو جس قدر دیوانہ ہوتا ہے
وہ بس اتنا ہی اے اہلِ خرد فرزانہ ہوتا ہے

ترے ہوتے یہ کیا اے جلوۂ جانانہ ہوتا ہے
یہ سب معمورۂ عالم ابھی ویرانہ ہوتا ہے

بنے توبہ شکن جب داخلِ مَے خانہ ہوتا ہے
نہ پُوچھو پھر جو رنگِ محفلِ رندانہ ہوتا ہے

کبھی عالم گُلستاں اور کبھی ویرانہ ہوتا ہے
جو ہوتا ہے بپاسِ خاطرِ دیوانہ ہوتا ہے

بظاہر دیکھنے میں ہوتی ہے سج دھج فقیرانہ
دماغ ان کے گداؤں کا مگر شاہانہ ہوتا ہے

اِدھر لڑتی ہیں نظریں دل اُدھر آپس میں ملتے ہیں
حسینوں سے عجب انداز پر یارانہ ہوتا ہے

کبھی پیشِ نظر وہ گُل کبھی نظروں سے پوشیدہ
کبھی عالم گلستاں اور کبھی ویرانہ ہوتا ہے

بہار آئی ہُوا سودا ، خزاں آئی بڑھی وحشت
جو ہوتا ہے بپاسِ خاطرِ دیوانہ ہوتا ہے

قیامت ہے ترے مجذوبؔ کا مجنون ہو جانا
وہ جب دیوانہ ہوتا ہے غضب دیوانہ ہوتا ہے

پہنچنے کو ہے تا حدِّ سکوں مجذوبؔ کی شورش
ہمیشہ کے لئے خاموش اَب دیوانہ ہوتا ہے

حُسن کے راز کو پُوچھے کوئی حیرانوں سے — عشق کے رمز کو سمجھے کوئی دیوانوں سے
اجنبیت نہیں دل کو ترے بیگانوں سے — کُچھ وہ گھُل مل گئے ایسے مرے ارمانوں سے
دل جو ملتا ہے تو بس سوختہ سامانوں سے — اُنس اگر کچھ ہمیں ہوتا ہے تو ویرانوں سے
اِک نظر دیکھ لو بہلاؤ نہ پیمانوں سے — سُن کے مست آنکھوں کو ند آئے ہیں میخانوں سے
مرہم آئے مرے زخموں کو دوا خانوں سے — نمک اے آہ اُڑا لا تُو نمک دانوں سے
آ گئیں یاد وہ آنکھیں مجھے پیمانوں سے — غم مرا اور بڑھا عیش کے سامانوں سے
بھاگتا ہے دلِ سوزاں عبث ارمانوں سے — جس جگہ شمع گئی گھر گئی پروانوں سے
ربط و ضبط اپنا کچھ ایسا بڑھا پیمانوں سے — کچھ تعلق ہے یگانوں سے نہ بیگانوں سے
قول ہے دشتِ جنوں کا ترے دیوانوں سے — وہ جو حاضر ہیں دلوں سے تو یہ ہیں جانوں سے

ساقیوں سے ہمیں مطلب ہے نہ میخانوں سے
مست رہتے ہیں تری آنکھوں کے پیمانوں سے

اَور بھی کچھ نہ ہو ملتے تو ہیں مہمانوں سے — تیرے پاس آئے تھے ہم تو بڑے ارمانوں سے
چارہ گر سُن لے کہ کھودے گا ہمیشہ کو اَثر — آپڑی ضد جو مرے درد کو درمانوں سے
اپنے گلزار کی جا خیر منا بادِ بہار — چھیڑ اچھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے
دشت پیما ہے کوئی اور بھی مجنوں اَے قیس — آمقابل میں نکل تجھ کے میدانوں سے
شوق سے مٹھیاں بھر بھر کے مجھے مٹی دے — آج تو لاد دیا آپ نے احسانوں سے
کیا پلائے گا ہمیں گھونٹ لہو کے ساقی — خُوں چھلکتا ہے تری آنکھوں کے پیمانوں سے

بل کی لیتی ہی رہے شانوں کی حد سے نہ بڑھے
زُلف سے کہہ دو نہ اُلجھے وہ پریشانوں سے

غم تو ہیں سینکڑوں دیں دل میں جگہ کس کس کو
اب تو ہم آ گئے تنگ آپ کے مہمانوں سے

نہیں چلتی کوئی تدبیر سیہ بختی میں
زُلفِ پُرخم یہ سُلجھتی ہے کہیں شانوں سے

اہلِ بزم آ کے اب اے شمع کہاں بیٹھیں گے
پہلے ہی بھر گئی محفل ترے پروانوں سے

یا تو ہم کو بھی اجازت ہو نہیں بہرِ کرم
اس تصور کو بھی رکوائیے دربانوں سے

آئیں اب دور میں ہم رندوں کے خم اے ساقی
شوق مے بڑھ چلا شیشوں کے بھی پیمانوں سے

جلوہ افروز ہے ہر شمع میں جلوہ تیرا
کوئی محفل نہیں خالی ترے پروانوں سے

نہ چلا یہ بھی پتہ دل میں کوئی چیز آئی
ملتے جلتے تھے ترے تیر جو ارمانوں سے

چاہیئے کوئی بہانہ ہمیں رونے کے لئے
آنکھیں بھر آئیں چھلکتے ہوئے پیمانوں سے

ہائے وحشت مجھے اب حد وحشت بھی دکھائے
کچھ نہ سیری ہوئی دُنیا کے تو میدانوں سے

عشقِ بلبل میں کچھ چاہیئے تھا سوز کا رنگ
مانگ لیتی وہ گل شمع ہی پروانوں سے

اہلِ ظاہر نہیں سمجھے تجھے اے سادہ جمال
کوئی اس حسن کو پوچھے ہم ادا دانوں سے

بار بار آئیں نہ کیوں ڈھونڈھنے دل میں میرے
تیر نہ بچھڑے تھے تمہارے کہیں پیکانوں سے

کس قدر ہوش رُبا ہوتا ہے پُر درد کلام
پوچھیئے گفتۂ مجذوبؔ کے دیوانوں سے

بےکسی ہی سے حصولِ مُدعا ہونے کو ہے
کوئی مت پوچھو مجھے میرا خدا ہونے کو ہے

دشمنیٔ خلق میری رہنما ہونے کو ہے
اب مرادِ دستِ طلب دستِ دُعا ہونے کو ہے

دلربا پہلو سے اُٹھ کر اب جُدا ہونے کو ہے
کیا غضب ہے کیا قیامت ہے یہ کیا ہونے کو ہے

تُو نے چاہا تھا بُرا، میرا بھلا ہونے کو ہے
آبِ خنجر حلق میں آبِ بقا ہونے کو ہے

آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے
جان ہی جاتی رہے گی اور کیا ہونے کو ہے

اے دلِ پُرآرزو کر دے سرِ تسلیم خم
دیکھو کن ہاتھوں سے خونِ مدعا ہونے کو ہے

ابرِ رحمت ہے سراسر یہ بلاؤں کا ہجوم
صبر کر اے دل کہ اب فضلِ خدا ہونے کو ہے

ہاں بلا سے جان ہی نکلے مگر نکلے نہ آہ
ہوشیار اے دل کہ وہ صبر آزما ہونے کو ہے

آتا ہے تجھے جز حکم سزا اور بھی کچھ ہے
کہنا مجھے ہاں ٹھہرو ذرا اور بھی کچھ ہے

اے دل ابھی دیکھی ہے کہاں اُن کی تجلّی
اُس نور کے پردے میں چھُپا اور بھی کچھ ہے

اہلِ نظر اس حسن کو پوچھیں مرے دل سے
ہر ناز میں اک طرفہ ادا اور بھی کچھ ہے

ہستی کا نشاں کچھ ہے تو اک تیرا تصوّر
بیمار محبّت میں رہا اور بھی کچھ ہے

عُشاق کو کوچے سے نکلواتے ہی دیکھا
قانونِ محبّت میں سزا اور بھی کچھ ہے

گو تم پہ لُٹا بیٹھا ہوں گھربار سب اپنا
باقی ابھی کہتی ہے قضا اور بھی کچھ ہے

افسانہ مرا سُن کے وہ کس طنز سے بولے
حاصل بجز اظہارِ وفا اور بھی کچھ ہے

دل کش ترے انداز لگاوٹ کے تو ہیں ہی
خفگی کی اداؤں میں مزا اور بھی کچھ ہے

مر جاؤں گا گھُٹ کر جو کنایوں سے بھی روکا
مدِ نظر اخفا ہی ہے یا اور بھی کچھ ہے

لے آیا ہے اب شوق مرا نقدِ دل و جاں
اے گرمیٔ بازارِ جفا اور بھی کچھ ہے

ہاں شیخ جی میخانہ میں کل واعظ رہا خوب
یہ سچ ہے مگر ہم نے سنا اور بھی کچھ ہے

آج اُن سے یہ کہنا ہے کہ استاذِ ازل سے
تم نے بجز انکار پڑھا اور بھی کچھ ہے

حظ ہجر کی راتوں سے بڑھا وصل کے دن کا
زُلفیں ہوں تو چہرے کا مزا اور بھی کچھ ہے

ہم جب ہیں گنہگار کہ سُنتے ہوں مزامیر
ان ساز کے پردوں میں چھُپا اور بھی کچھ ہے

پاس اُن کے نہ جا تو ابھی اے عاشقِ صُورت
پوچھیں گے محبّت کی بنا اور بھی کچھ ہے

جب آ کے کبھی اُس نے ہمیں دی ہے تسلّی
دردِ دلِ رنجور بڑھا اور بھی کچھ ہے

کہتے ہیں وہ شوخی سے مرے دل کو مٹا کر
حسرت تجھے اب سچ تو بتا اور بھی کچھ ہے

ہستی کا پتہ دیتا ہے تیرا بھی تو رہنا
باقی ابھی اے ذوقِ فنا اور بھی کچھ ہے

اس دستِ نگاریں پہ نہ جا اے دلِ ناداں
کھول آنکھ کہ ہمرنگِ حنا اور بھی کچھ ہے

سُن تو ادھر اے یار! یہ آتی ہے کہاں سے
کر یاد ترا وعدہ ذرا اور بھی کچھ ہے

کس ناز سے وہ اُٹھ گئے کہہ کر دمِ مطلب
آتا تمھیں بس اس کے سوا اور بھی کچھ ہے

مجذوبؔ کی آنکھوں سے تو دیکھے کوئی منکر
موجود کہیں تیرے سوا اور بھی کچھ ہے

تم سا کوئی ہمدم کوئی دم ساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

یہ نغمۂ دلکش مرا بے ساز نہیں ہے
وہ بول رہے ہیں مری آواز نہیں ہے

جانباز ہے مجذوبؔ سخن ساز نہیں ہے
وہ بول رہے ہیں مری آواز نہیں ہے

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

مجذوبؔ ہوں پیتا ہی چلا جاتا ہوں پیہم
پروانہ ہے بلبل کا سا انداز نہیں ہے

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے
پھر ذرا مُطرب اِسی انداز سے

کام مُطرب سے نہ ہم کو ساز سے
آشنا ہیں طُور کی آواز سے

نغمہ پیدا ہے کہ نغمہ ساز سے
ہُوک سی اُٹھتی ہے اس آواز سے

اِنتہا پر ہے نظر آغاز سے
ہوں مخاطب طُور کی آواز سے

آشنا بیٹھا ہوں یا نا آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

آشنا اچھا ہے یا نا آشنا
اس کو پُوچھو آشنائے راز سے

اِک نظر میں آشیاں گُم گشتہ کو
بھانپ لیں ہم ہیئتِ پرواز سے

ہوش دلبر کا تو اے مجذوبؔ رکھ
بس ارے پی بس مگر انداز سے

لڑکپن میں ہم عشق کا کھیل کھیلے
وہ تُتلا کے کہنا الیلے، الیلے

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے
کہ دل میں لگے ہیں حسینوں کے میلے

ارے کل یکایک چلے آنے والے
بہت آج گھبرا رہے ہیں اکیلے

ہم اس بت سے کرتے ہیں عرضِ تمنا
نہ جو منہ سے بولے نہ جو سر سے کھیلے

ارے کچھ تو مجذوبؔ یاروں کا حق بھی
یہ چھُپ چھپ کے پینا اکیلے اکیلے

ٹکڑے ٹکڑے ترے ہاتھوں سے میرا دل ہو جائے
کِسی قابل جو نہیں وہ اِسی قابل ہو جائے

راہِ اُلفت میں یہ واضح تجھے اَے دل ہو جائے
یہ وہ رستہ نہیں جس میں کہیں منزل ہو جائے

بن کے آئینہ جو اِس رُخ کے مقابل ہو جائے
پھر تو یہ دل مرا دل کہنے کے قابل ہو جائے

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تُو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

جس جگہ بیٹھ رہوں تھک کے وہ منزل ہو جائے
جس جگہ ڈُوب کے رہ جاؤں وہ ساحل ہو جائے

ہائے مجبور تڑپنے سے بھی بسمل ہو جائے
کہ نہ آلُودۂ خُوں دامنِ قاتل ہو جائے

آج تو وہ نظرِ مُرشدِ کامل ہو جائے
یہ جو مجذُوب ہے سرتا بقدم دل ہو جائے

جو بھی ہوتا ہے اِدھر یا اُدھر اَے دل ہو جائے
دُو بدُو آج تو ان سے سرِ محفل ہو جائے

بے مرّوت کوئی اِتنا بھی نہ اَے دِل ہو جائے
تھا نہ مٹّی میں تو پھُولوں ہی میں شامل ہو جائے

اپنے دل کی میں حقیقت کا خلاصہ کہہ دوں
حسرتیں سب کی جو مل جائیں مرا دل ہو جائے

اَب تو اَے ضبط یہ آہیں نہیں سانسیں ہیں مری
روک لوں اِن کو تو جینا مرا مُشکل ہو جائے

حاصِلِ عشق یہی ہے کہ نہ ہو کچھ حاصِل
اُس کو حاصِل ہی نہ سمجھو کہ جو حاصِل ہو جائے

حُسن اور عشق سے مل جائے اماں ناممکن
ہائے کیونکر کوئی بے دیدہ و بے دل ہو جائے

دِل ہی دلبر ترا بن جائے پھر اے مجذوبؔ
دل ہی دل میں جو فنا آرزوئے دل ہو جائے

جذبِ دل سے آرزُوئے دِل عجب مشکل میں ہے
بارہا یہ دل سے نکلی پھر بھی میرے دل میں ہے

کیا کروں یاربّ کِدھر جاؤں کشاکش دل میں ہے
اِک کشش گرداب میں ہے اک کشش ساحل میں ہے

آج تو ہر وار پر اِک تازہ دم بسمل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازُوئے قاتل میں ہے

پار لگ کر بھی ہنوز اَے ناخُدا ڈر دل میں ہے
دیر سے ساحل پہ ہوں اور پھر بھی شک ساحل میں ہے

جلوہ گر کس شان سے اُمید میرے دل میں ہے
اَب تو میرا حال بھی بس حکمِ مُستقبل میں ہے

اِک مسلسل کیف ذوق و شوقِ منزل دل میں ہے
خیر یہ مقصد تو حاصل سعیِ لاحاصل میں ہے

حوضِ کوثر موجزن پیرِ مُغاں کے دل میں ہے
کِس میں ہے جو بات میرے مُرشدِ کامل میں ہے

سب کا منظورِ نظر ہے جاگزیں ہر دل میں ہے
عشق بھی **مجذوبؔ** کا اب حسن کی منزل میں ہے

صبر و ہمت چاہیئے جب تک کہ آب و گل میں ہے
جو بھی دشواری ہے رہرو بس اسی منزل میں ہے

کوئی حسرت ہے نہ اب کوئی تمنا دل میں ہے
شکر ہے اب عشق اپنا آخری منزل میں ہے

گھر پہ رکھ کر آئے جتنی عقل جس عاقل میں ہے
سوچ کر رکھے قدم **مجذوبؔ** اس محفل میں ہے

ہو بہو منظر نظر میں اور تصور دل میں ہے
گو نہیں ہے پھر بھی **مجذوبؔ** آپ کی محفل میں ہے

خیر تیری یاد کی، ہر دم جو میرے دل میں ہے
اک یہی مشکل کشا بس میری ہر مشکل میں ہے

کس غضب کی ہائے تنگی! قید آب و گل میں ہے
دل بھی ہے اک کشمکش میں جان بھی مشکل میں ہے

سوزِ حسرت کے سوا بس اور کیا اب دل میں ہے
ایک ہی تو شمع اس اجڑی ہوئی محفل میں ہے

ایک سے ہے ایک بڑھ کر گو تمنا دل فریب
کیا تمنا اب ہو جانِ ہر تمنا دل میں ہے

ہوش کس کو ہے یہاں بیٹھے ہیں سب کھوئے ہوئے
کوئی کیا جانے کہاں ہے جو تری محفل میں ہے

قطعِ راہِ عشق اے رہرو کبھی ممکن نہیں
اک سفر ہے تا بہ منزل اک سفر منزل میں ہے

رقص میں تیغِ ادا ہے وجد میں تیرِ قضا
آج کس بسمل کی آمد کوچۂ قاتل میں ہے

یوں تو ہے اکثر دلوں میں آمد و رفت آپ کی
دیکھنا لیکن جو ہے وہ یہ کہ گھر کس دل میں ہے

ساری مُردہ آرزوئیں پھر سے زندہ ہو گئیں
جب سے تُم آئے ہو اِک حشرِ تمنّا دل میں ہے

کوئی مطرب رات دن پردہ میں ہے مضراب زن
راز میری نغمگی کا اضطراب دل میں ہے

فطرتاً جاذب ہے برقِ حُسن برقِ عشق کا
یہ جو میری آنکھ میں تِل ہے سویدا دل میں ہے

مُشکلیں کِس خُوگرِ مُشکل پہ ڈالی اَے فلک
مُشکل آسانی میں آسانی مجھے مشکل میں ہے

کیا ہوا ناری ہے نارِ عشق سے عاری ہے تُو
اور یہ آتش مدعا آدم کی آب و گِل میں ہے

رَہ نہ یُوں غفلت میں اَے مجذوبِ مجنوں ہوشیار
دل پہ رکھ ہر دم نظر لیلیٰ اسی محمل میں ہے

روک ارے بس روک اپنے جذب کو مجذوب روک
عشق بھی ہے کش مکش میں حُسن بھی مشکل میں ہے

غیر اور مجذوب کی بابت مَیں کر دُوں فیصلہ
فرق بس ان میں وہی ہے جو زبان و دل میں ہے

بند کروائیں نہ مُنہ مجذوب کا بکنے بھی دیں
اِک اسی کے دم سے رونق آپ کی محفل میں ہے

رُوح مثلِ شعلۂ جوالہ ہے رقصاں مری
کِس مزے کی ہائے سوزش داغہائے دل میں ہے

وہ نہیں آتے نہ آئیں تا بکے اَب اِنتظار
آج کر ڈالیں گے ہم بھی جو ہمارے دِل میں ہے

دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زُباں سے کوئی قائل دل میں ہے

کوئی محرم نہیں سب حال مرا راز میں ہے
ناشنیدہ ہے وہ نغمہ جو مرے ساز میں ہے

کوئی ہو بندہ ترا اک نگہ ناز میں ہے
جانے کیا سحر تری چشم فسوں ساز میں ہے

عشق پروانہ کا انجام بھی آغاز میں ہے
اس کا ہر مرحلہ طے ایک ہی پرواز میں ہے

بے خود شوق یہاں جلوہ گہ ناز میں ہے
طور پر بحث ابھی صورت و آواز میں ہے

مجھ کو جو نوحہ غم میں ہے وہی ساز میں ہے
گوش زد تیری ہی آواز ہر آواز میں ہے

ہچکیاں بھی مری سن لو مرے نالے تو سنے
ٹھہرو اک نغمہ ابھی اور مرے ساز میں ہے

حسن اخفا اسے سمجھوں کہ کہوں حسن ادب
راز داں ہو کے بھی دل جستجوئے راز میں ہے

جان رگ رگ سے کھنچی آتی ہے کانوں کی طرف
کس قیامت کی کشش اف تری آواز میں ہے

وہ مزا ہے مرے نالوں میں کہ نغموں میں نہیں
کیف صد ساز مری خاطر ناساز میں ہے

کھنچ رہی ہیں جو رگیں نزع کے عالم میں مری
طائر روح مرا کوشش پرواز میں ہے

ناحق الزام انا الحق کا ہے منصور کے سر
لب مطرب کے جو نغمہ ہے وہی ساز میں ہے

پر شکستہ نہ سمجھ بلبل قدسی ہوں میں
پر جبریل مرے بازوئے پرواز میں ہے

میں بنا خاک سے کیوں خاک میں ملنے کے لئے
مرا انجام بھی مضمر مرے آغاز میں ہے

بات کو تم نے بڑھا رکھا ہے ناحق اتنا
فیصلہ ایک نگاہ غلط انداز میں ہے

یوں تو اس پیکر ہستی میں مرے کچھ بھی نہیں
کوئی مطرب ہو تو ہر نغمہ مرے ساز میں ہے

کر نظر دل پہ مرے قول انا الحق پہ نہ جا
صورت عجز مرے آئینہ ناز میں ہے

تیری خاطر سے میں ہر بات پہ چپ ہوں ورنہ
ایک ہنگامہ مری طبع سخن ساز میں ہے

لاکھ اٹھاؤ کہیں اٹھتا ہے یہ مجذوبؔ کا سر
سجدہ مچلا ہے ترے در پہ جبیں ناز میں ہے

پابند محبت کبھی آزاد نہیں ہے
اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

غم تو ہیں مگر شکوہ و فریاد نہیں ہے
ناشاد بھی عاشق نہیں گو شاد نہیں ہے

نالہ نہیں، شیون نہیں، فریاد نہیں ہے
جیسے کوئی مجھ پر تری بیداد نہیں ہے

دن رات ترے ذکر سے اور فکر سے ہے کام
کچھ اور سوا اس کے مجھے یاد نہیں ہے

کیا نزع کے عالم ہی میں رکھنا ہے ہمیشہ
کیوں کچھ لب جاں بخش سے ارشاد نہیں ہے

کیا باغ میں رہنے کا مزہ جب ہو یہ کھٹکا
بیٹھا تو کہیں تاک میں صیاد نہیں ہے
مجذوبؔ سے مدہوش کے لبؔ ہیں حقائق
یہ کیا ہے جو اللہ کی امداد نہیں ہے

نور دیکھا اس کا ہر سو پھر بھی وہ مستور ہے
جلوہ تو کیا ہوگا اس کا جس کا پردہ نور ہے

صبر آموزِ دلِ مہجور برقِ طور ہے
دور تھا جب پاس تھا اب پاس ہے تو دور ہے

بس چلا چل قطعِ راہِ عشق گر منظور ہے
یہ نہ دیکھ اے ہمسفر نزدیک ہے یا دور ہے

اُف بھی کر سکتے نہیں نالوں کا کیا مذکور ہے
جتنے ہم مجبور ہیں بلبل کہاں مجبور ہے

رفعِ خود بینی و تکمیلِ فن منظور ہے
میری رندی میں بھی زہد و اتقا مستور ہے

سب پڑے سوتے ہیں اور اپنی ہے دنیا ہی الگ
اک ہجومِ شوق ہے ہم ہیں شبِ دیجور ہے

وہ بھی دن تھے اے رقیبو تم تھے منظورِ نظر
عرض تم کرتے تھے ہم کہتے تھے نامنظور ہے

کر جدا ان کے تصور کو تو اے بے خودی
اک یہی لے دے کے غمخوارِ دلِ مہجور ہے

وصل کی یہ بیخودی ہے شرحِ جبر و اختیار
ہے یہی موقع جہاں مختار بھی مجبور ہے

حسرتِ دید میں کچھ اس غضب کی آہ کی
دل پہ گر گر پڑنے کو مضطر آج برقِ طور ہے

سینہ ہے داغوں سے جنت بلبلِ قدسی ہے دل
عشق نے کایا پلٹ دی روح کیا ہے حور ہے

محو ہے جو یادِ زلف و رخ میں اسکو کیا خبر
روزِ روشن ہے جہاں میں یا شبِ دیجور ہے

مشکلیں عاشق کو ہیں بس قبل از دلِ لگی
کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

المدد ہاں المدد اے جذبِ حسن اے جذبِ عشق
پا شکستہ ہے مسافر اور منزل دور ہے

بے تامل مجھ کو رکھ دو تم اندھیری قبر میں
جسم کو کیا دیکھتے ہو روح غرقِ نور ہے

میں نظر کردہ ہوں اس پیرِ مغاں کا صوفیو!
جس کے دل کی سرزمیں کا ذرہ ذرہ طور ہے

معرفت اتنی ہی کافی ہے طریقِ عشق میں
یہ سمجھ میں آگیا ہے وہ سمجھ سے دور ہے

ولولوں کو اور نالوں کو دبایا تو مگر
دل میں اب اک حشرِ بے ہنگامۂ بے صور ہے

حجاب اوروں کو دنیائے دنی معلوم ہوتی ہے
مجھے ہر سو تری جلوہ گری معلوم ہوتی ہے

مجھے ہر دم اجل سر پر کھڑی معلوم ہوتی ہے
مری ہر سانس مجھ کو آخری معلوم ہوتی ہے

مری ہستی مجھے خود بھی مٹی معلوم ہوتی ہے
ابھی اس بے خودی میں کچھ خودی معلوم ہوتی ہے

تری تصویر سی ہر سُو کھنچی معلوم ہوتی ہے
تصوّر کی یہ سب صورت گری معلوم ہوتی ہے

مژہ تر ہیں نہ آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے
انھیں اس دل کے رونے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

یہ کَے دن کی بہارِ باغ ہے کَے دن کی رونق ہے
مجھے پھولوں کے ہنسنے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

اہم سمجھا تھا مَیں نے ابتدائے عشق میں جن کو
اب ان باتوں پہ خود مجھ کو ہنسی معلوم ہوتی ہے

خیالی روشنی روشن خیالی آج کل کی ہے
یہ ظلمت ہے جو سب کو روشنی معلوم ہوتی ہے

محبت ہے محبّت پھونک ڈالے گی دو عالم کو
یہ چنگاری سی جو دل میں دبی معلوم ہوتی ہے

مجھی شوریدہ سر سے رونقیں تھیں بزمِ عالم میں
انھیں بھی آج محفل میں کمی معلوم ہوتی ہے

مَیں رونا اپنا روتا ہوں تو وہ ہنس ہنس کے سُنتے ہیں
انہیں دل کی لگی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے

اک ایسا وقت بھی آتا ہے دورانِ محبّت میں
کہ نغمہ نوحہ اور شادی غمی معلوم ہوتی ہے

یہ اُڑ اُڑ کر جو گرتے جا رہے ہیں روز طیّارے
مجھے تو یہ سزائے سرکشی معلوم ہوتی ہے

جو مَیں دن رات یُوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہُوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

مگر مجذُوبؔ تو محوِ خیالِ زُلفِ پیچاں ہے
تری جو بات ہے اُلجھی ہُوئی معلوم ہوتی ہے

بنا رکھی ہے مجذُوبؔ اپنی حالت کیوں خراب ایسی
تری صُورت تو یہ اچھی بھلی معلوم ہوتی ہے

وہ جلوہ تو ہر سُو عیاں ہو رہا ہے — حجابِ خودی درمیاں ہو رہا ہے
عیاں ہو کے پھر وہ نہاں ہو رہا ہے — طلب کا مری امتحاں ہو رہا ہے
بہار آئی دل شادماں ہو رہا ہے — مگر یہ تہِ آسماں ہو رہا ہے
گھٹا چھائی ہے کیا سماں ہو رہا ہے — فلک پر ہے جوبن جواں ہو رہا ہے
ترا ذکر وِردِ زُباں ہو رہا ہے — یہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے
عیاں حالِ دِل بے بیاں ہو رہا ہے — کہ عاشق سراپا زباں ہو رہا ہے
چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو — جواں آج پیرِ مُغاں ہو رہا ہے
ٹپکتی ہے ہر ہر بُن مُو سے مستی — سراپا مئے ارغواں ہو رہا ہے
دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہیں آنکھیں — بڑھاپے میں بھی جانِ جاں ہو رہا ہے
نکلتی ہیں ہر مُوئے تن سے شُعاعیں — یہ کِس مہ کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی
نظر کردہ برقِ تپاں ہو رہا ہے

وہ نامہرباں مہرباں ہو رہا ہے — دلِ بدگماں بدگُماں ہو رہا ہے
تصوّر کی دیکھو تو معجز نمائی — کہ مجھ پر تمہارا گُماں ہو رہا ہے
مَیں مجذُوبؔ ہُوں میری باتیں ہیں سچّی — عبث معترض بدگُماں ہو رہا ہے
جوانی ڈھلی مٹ چلے دِل کے ارماں — بھرا باغ نذرِ خزاں ہو رہا ہے
جبھی کچھ مَیں کہتا ہُوں جب دیکھتا ہُوں — کہ دل بھی مرا ہم زُباں ہو رہا ہے

پلا دی ہے کِس تیز بھٹی کی ساقی
کہ مجذُوبؔ آتش بجاں ہو رہا ہے

یہ کیوں پڑ رہی ہیں غضب ناک نظریں
یہ کیا آج اے مہرباں ہو رہا ہے

غزل خواں ہُوں میں اور وہ کہہ رہے ہیں
کہ ماتم سا دیکھو کہاں ہو رہا ہے

محبت بھی کیا عاشقو ہے تجارت
یہ کیوں ذِکرِ سُود و زیاں ہو رہا ہے

کوئی شاید آتے کو ہے پھر مصیبت
دلِ زار پھر شادماں ہو رہا ہے

چراغاں مری قبر پر ہو رہے ہیں
عیاں مر کے سوزِ نہاں ہو رہا ہے

نظر پڑ گئی تجھ پہ مجذوب کس کی
کہ محبوبِ ہر دو جہاں ہو رہا ہے

اگر ہے یہ مجذوبؔ کی بڑ تو پھر کیوں
مرا ہم زباں اِک جہاں ہو رہا ہے

میں ہوں اور حشر تک اُس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر، سرِ سودائی ہے

خانۂ دل میں عجب انجمن آرائی ہے
رُوکشِ بزمِ دو عالم مری تنہائی ہے

رات دن میں ہُوں تری یاد ہے تنہائی ہے
کام ہی کچھ ہے نہ فُرصت ہی کبھی پائی ہے

وہ ہیں پہلو میں شبِ تار ہے تنہائی ہے
آج تو حضرتِ دل آپ کی بن آئی ہے

تیرے بسمل کو بس اب موت کی نیند آئی ہے
یہ تشنج نہیں یہ آخری انگڑائی ہے

جان بھی آ کے مرے جسم میں پچھتائی ہے
زندہ در گور ہے مجبورِ شکیبائی ہے

میں نے کمبخت طبیعت ہی عجب پائی ہے
یہ جدھر آئی ہے بس ہو کے بلا آئی ہے

میں ہی محروم ہُوں اِک خلق تماشائی ہے
کیا غضب ہائے یہ ذوقِ جبیں سائی ہے

دل ازل کا ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اِک چوٹ پرانی وہ اُبھر آئی ہے

عالمِ عشق و محبّت میں بہار آئی ہے
آنسوؤں کی ہے جھڑی غم کی گھٹا چھائی ہے

کس کے آنے کی خبر نزع میں سُن پائی ہے
جان رگ رگ سے جو آنکھوں میں سمٹ آئی ہے

مجھے کہاں گردشِ تقدیر کہاں لائی ہے
بادہ پیمائی تھی یا بادیہ پیمائی ہے

بزمِ عالم میں عجب مُردہ دلی چھائی ہے
جام و مینا ہے نہ جامی ہے نہ مینائی ہے

بعد مدت کے مرے لب پہ فغاں آئی ہے
ہاں سنبھل جائیں جنھیں نازِ شکیبائی ہے

اب بھی مجذوب جو محرومِ پذیرائی ہے
کیا جنوں میں ابھی آمیزشِ دانائی ہے

تو تو مجذوب فقط نام کا سودائی ہے
حکمت آموزِ ارسطو تری دانائی ہے

جلوہ گر عالمِ کثرت میں ہے وحدت ہر سو
آئینہ خانہ میں تو محو خود آرائی ہے

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بہ اندازِ بہار آئی ہے

نازِ تقویٰ سے پھر اچھا ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے پھر اچھی مری رسوائی ہے

درد یہ اور کہ ملتا تو وہ مر ہی جاتا
کر کے نالہ بھی مجھے نازِ شکیبائی ہے

میں ہوں مجبور جو مطلق نہیں دنیا پہ نظر
میرا کیا بس ہے مری دور کی بینائی ہے

میری دنیا ہی الگ ہے مرا عالم ہے جدا
میں ہوں اور دل ہے اور اک گوشۂ تنہائی ہے

اللہ اللہ ترے آتے ہی ہجوم اشکوں کا
حسرتِ دید بھی مشکل سے نکل پائی ہے

تیرا دیوانہ ہوں میں ہوش سنبھالا جب سے
تیرا متوالا ہوں میں جب سے سمجھ آئی ہے

کل تو مستی کا وہ عالم تھا کہ تھی رقص کناں
آج یہ حال کہ انگڑائی پہ انگڑائی ہے

میں نہ زندوں میں نہ مردوں میں ادھر ہوں نہ ادھر
دونوں عالم سے جدا عالمِ تنہائی ہے

کبھی دلدادہ تمنا کا تمنائی تھا
اب تمنّا متمنّی تمنائی ہے

درِ زنداں کی طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
جب یہ سنتا ہوں کہ عالم میں بہار آئی ہے

ایک مدت ہوئی توبہ کئے پھر بھی ہے یہ حال
آنکھ ساغر کو بھی دیکھ کے بھر آئی ہے

حسن خود حسن ہوا تیرے حسیں ہونے سے
روئے زیبا ترا خود زینتِ زیبائی ہے

ہوش نے بھی مرے اب چھوڑ دیا ہے مجھ کو
میں بھی موجود نہیں وہ مری تنہائی ہے

ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را
اس کے برعکس مری کیوں شبِ تنہائی ہے

خلق سے کوئی تعلق ہے اچھا نہ برا
یعنی گمنام ہوں شہرت ہے نہ رسوائی ہے

ہنس بھی دو ہنس بھی دو ہاں ہاں چلو بس روٹھ چکے
اب ہنسے اب ہنسے دیکھو وہ ہنسی آئی ہے

قدرِ مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو
شہرتِ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے

ساری دُنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب
تب کہیں جا کے ترے دل میں جگہ پائی ہے

جو ہم ترکِ علائق کر کے کُوئے یار میں آئے
تو خارستاں سے گویا گُلشنِ بے خار میں آئے

یکایک کُھل گئیں آنکھیں جو بزمِ یار میں آئے
اُٹھے پردے ہٹی تاریکیاں انوار میں آئے

غزل خواں شادماں رقصاں گہے گریاں گہے خنداں
عجب انداز سے ہم کوچۂ دلدار میں آئے

مقامِ وجد ہے اے دل مگر جائے ادب بھی ہے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

انھیں کے باغِ حسنِ بے خزاں کا یہ تو گلچیں ہے
کہاں سے پھول اتنے دامنِ کہسار میں آئے

نہ رکھ غیر طلب اے دل غرض کچھ بزمِ ہستی سے
یہاں ہم یار ہی کو ڈھونڈنے اغیار میں آئے

اِدھر ہیں رند مستی میں اُدھر ہیں وجد میں صوفی
مزے ہر رنگ والے کو مرے اشعار میں آئے

چُھڑا کر جان اپنی مجذوب بے طرح بھاگا ہے
خُدا ہی ہے جو وہ اب لوٹ کر گھر بار میں آئے

حضرتِ دل کر لیا اپنا انھیں — تُم تو نکلے یار جادوگر کُھلے
کیا خبر کس وقت ہو کیسی نظر — یوں نہ آ نکلا کرو تم سر کُھلے
مرنے والے کا شبِ غم کون ہے — ہو کفن جب ماہ کی چادر کُھلے
ہو مزا واعظ بنے پیرِ مغاں — رازِ میخانہ سرِ منبر کُھلے
نوجوانی تو گنوا دی شرم میں — اب کُھلے وہ بھی کیا بہتر کُھلے
چُھپ کے جانا ہے کہاں کہیے حضور — آج کیوں پاؤں کے زیور کُھلے

ملتے ہی سب کہہ سنایا حالِ دل
ضبط کس کو، کون رہ رہ کر کھلے

نہ آپ جانبِ مستِ شباب دیکھیں گے
جنابِ شیخ تقدّس مآب دیکھیں گے
جو غور سے خطِ شوق آنجناب دیکھیں گے
تو لفظ لفظ میں مضمر کتاب دیکھیں گے
یہ غیر ہے یہ ہے مجذوبؔ دونوں حاضر ہیں
اب آپکی نظرِ انتخاب دیکھیں گے

اٹھیں گے حشر میں کہتے ہوئے کہ ہائے غضب
رہے گا خوب عنوان داستاں کے لئے
جئے یہاں کے لئے یا مرے وہاں کے لئے
اکیلا دم کرے کیا کیا کہاں کہاں کے لئے
سبب نہ پوچھ کہ ابتدا کی باتیں ہیں
فغاں ہی اب تو سبب ہے مری فغاں کے لئے
عطائے آہ لیا جامۂ فنا پہنا
بتا اے دل یہ تیاریاں ہیں کہاں کے لئے
نہ سمجھو بڑ اسے مجذوبؔ کی بغور سنو
یہ ایک گنجِ معانی ہے نکتہ داں کے لئے

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
مَیں خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے
اک عرصے سے انجمن میں مری جانِ حزیں ہے
یہ بھی ہے کوئی بات کہ ہاں ہے کہ نہیں ہے
گردش کا یہاں کچھ اثر اے چرخ نہیں ہے
جسم اپنا کہیں بھی ہو مگر دل تو وہیں ہے
بیکس کا دو عالم میں ٹھکانا بھی کہیں ہے
برگشتہ فلک مجھ سے ہے بیزار زمیں ہے
پردہ ہی سے ہے تابِ نظر ہم کو میسّر
پردہ ہی پردہ در اے پردہ نشیں ہے
وہ اُٹھ بھی گئے بزم سے کب کے مگر اب تک
اللہ ری حیرت جو جہاں تھا وہ وہیں ہے
اک شہرِ طلسمات ہے یہ عالمِ فانی
در اصل یہاں کوئی مکاں ہے نہ مکیں ہے

جو وہم و گماں ہے اسے رُتبہ ہے یقیں کا
مورِد ہے گماں کا جو سزاوارِ یقیں ہے

اعدا، تو پھر اعدا ہیں ملا دوست بھی ایسا
جو دُشمنِ دل دُشمنِ جاں دُشمنِ دیں ہے

اَب میری زیارت کو چلی آتی ہے دُنیا
آئینہ کسی کا یہ مرا داغِ جبیں ہے

تھا عالمِ بالا میں تو گردش میں فلک تھا
اَب جب سے میں دُنیا میں ہوں گردش میں زمیں ہے

فریاد کہ اِک بندۂ حق کوئے بُتاں میں
آوارہ دل آوارہ سر آوارہ جبیں ہے

ہر وقت ہے پیشِ نظر اِک حُسن کی دُنیا
اَب تو ہے جو آنکھوں میں تو ہر چیز حسیں ہے

دُنیا کو فرشتو! اگر ہی نظروں سے نہ دیکھو
اِس قعر میں بھی رہ کے کوئی عرش نشیں ہے

زوروں پہ ہیں جوشِ غضب جوشِ شہادت
لاشہ تو کہیں سر کہیں تلوار کہیں ہے

ہوتا ہی نہیں صاف غبار اِسکو ہے کتنا
میرے لئے یا ربّ فلک ہے کہ زمیں ہے

اِتنے نہیں مل سکتے ہیں مُردے کہیں یکجا
اِتنے کہیں آسُودہ تہہ خاک نہ ہوں گے
محشر کے تو قابل اِسی کُوچہ کی زمیں ہے

وہ بُت کبھی ہے اور کبھی پہلو میں نہیں ہے
مُجھ سا بھی کسے دوزخ و جنّت کا یقیں ہے

یہ آج تصوّر میں مرے کون حسیں ہے
ہر مو شجرِ طور ہے دِل عرش بریں ہے

غفلت کا نہیں وقت دمِ بازِ پسیں ہے
آجا کہ کوئی ہجر میں مرنے کے قریں ہے

[illegible] ہیں سب ہیچ ہیں یہ عیش کے ساماں
جب تُو ہی نہیں گھر میں تو پھر کچھ بھی نہیں ہے

سر میں ہے مرے سودا کہ ہے تاج میں گوہر
دل میں ہے مرے داغ کہ خاتم میں نگیں ہے

جو چیز سرِ راہ پڑی پائی تھی تم نے
مجھ کو تو کہا مُردہ مرا سَر تو نہیں ہے

ہم خُوب سمجھتے ہیں تجھے اے خمِ گردوں
صُورت ہے تواضع کی تواضع یہ نہیں ہے

آجاتے ہیں بے پردہ حسیں یُوں مرے آگے
جیسے مری آنکھیں ہی نہیں دل ہی نہیں ہے

دُگدے میں مرا دل ہے پڑا ہوں چہ کنم میں
آنکھوں سے تو اقرار ہے اور لب پہ نہیں ہے

تیوری ہی چڑھی رہتی ہے انکی مرے آگے
وہ چیں بجبیں کیا مری تحریرِ جبیں ہے

کچھ بھی نہ ہو اِک تو ہو تو سب کچھ ہے مرے پاس
سب کچھ ہو مگر تُو نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہے

ناصح میری حالت پہ نہ کر ہائے ملامت
کر شُکر مرا دل ترے پہلو میں نہیں ہے

کھویا ہُوا تکتا ہے بس اِک ایک نظر کو
مجذُوب تری بزم میں ہے بھی تو نہیں ہے

خُدا پر چھوڑ دو چارہ گرد اب مرحلہ میرا
تُم آسان کرتے جاتے ہو یہ مشکل ہوتا جاتا ہے

دم یہاں اُکھڑا ہُوا ہے نزع کا ہنگام ہے
کیا کہی ہے لو خُدا حافظ ہمیں اَب کام ہے

اَب کہوں کب تک دُعا یہ کر وہ کر میرے لیے ۔۔۔ ہوں وہ جانِ دو جہاں المختصر میرے لئے
وہ نہیں ہے فتنہ گر یہ ہے سزا اعمال کی ۔۔۔ یہ ہے میری ذات خود ہی فتنہ گر میرے لئے
سمجھے اس تقسیم کو ساقی کوئی کم ظرف کیا ۔۔۔ جام مے اغیار کو خُونِ جگر میرے لئے
یہ مرا دل اور جگر اور سر توان کے واسطے ۔۔۔ دردِ دل دردِ جگر اور دردِ سر میرے لئے

خزاں کے دَور دکھائے فلک ہزار مُجھے
بنا دیا ہے کسی نے سدا بہار مجھے
جو آ گئے ہو مرے گھر تو جا نہیں سکتے
جب اختیار تمھیں تھا اَب اختیار مُجھے

سخت جانی تیرے قرباں بچا اَوروں کو ۔۔۔ وہ دکھا زور کہ شل بازُوئے قاتل ہو جائے
شوخ رفتاری کا اپنی دیکھ تو مُڑ کر اَثر ۔۔۔ ساتھ ہی اُٹھ کر رواں ہر نقش پا ہونے کو ہے
کرتے جاؤ آرزو پُوری کسی مُشتاق کی ۔۔۔ اِک ذرا ٹھیرو کوئی تُم پر فدا ہونے کو ہے
خم کے خم خالی کرے ساقی جو اِک سانس میں
ایک دو ساغر میں اس کا کیا بھلا ہونے کو ہے

ہم تو ہونے دیں نہ واقف راز سے ۔۔۔ بس چلے بھی دیدۂ غمّاز سے
اہلِ محفل فرشِ محفل ہو گئے ۔۔۔ بزم میں آئے وہ اِس انداز سے
سب نے کر دی حرزِ جاں وردِ زباں
بات جو نکلی لبِ اعجاز سے

جو آجاؤ خلوت میں یُوں تم اکیلے
تو پھر کیوں نہ آغوش میں کوئی لے لے

اَب ایسے میں کیا کہہ سکے کوئی ظالم
جو چُپکے ہی سے چٹکیاں دل میں لے لے

حسینو! چلو کر دیا مال سستا
جو پہلو میں آجائے وہ دل کو لے لے

اِدھر آ۔ کلیجے سے تجھ کو لگا لیں
کہ تُو بھی اکیلا ہے ہم بھی اکیلے

بہت غم سہے دکھ بہت ہم نے جھیلے
کیے عشق کیا جان پر اپنی کھیلے

تجھے ہم تو مجذوبؔ جب مرد جانیں
کہ اس نفسِ سرکش کو قابو میں لے لے

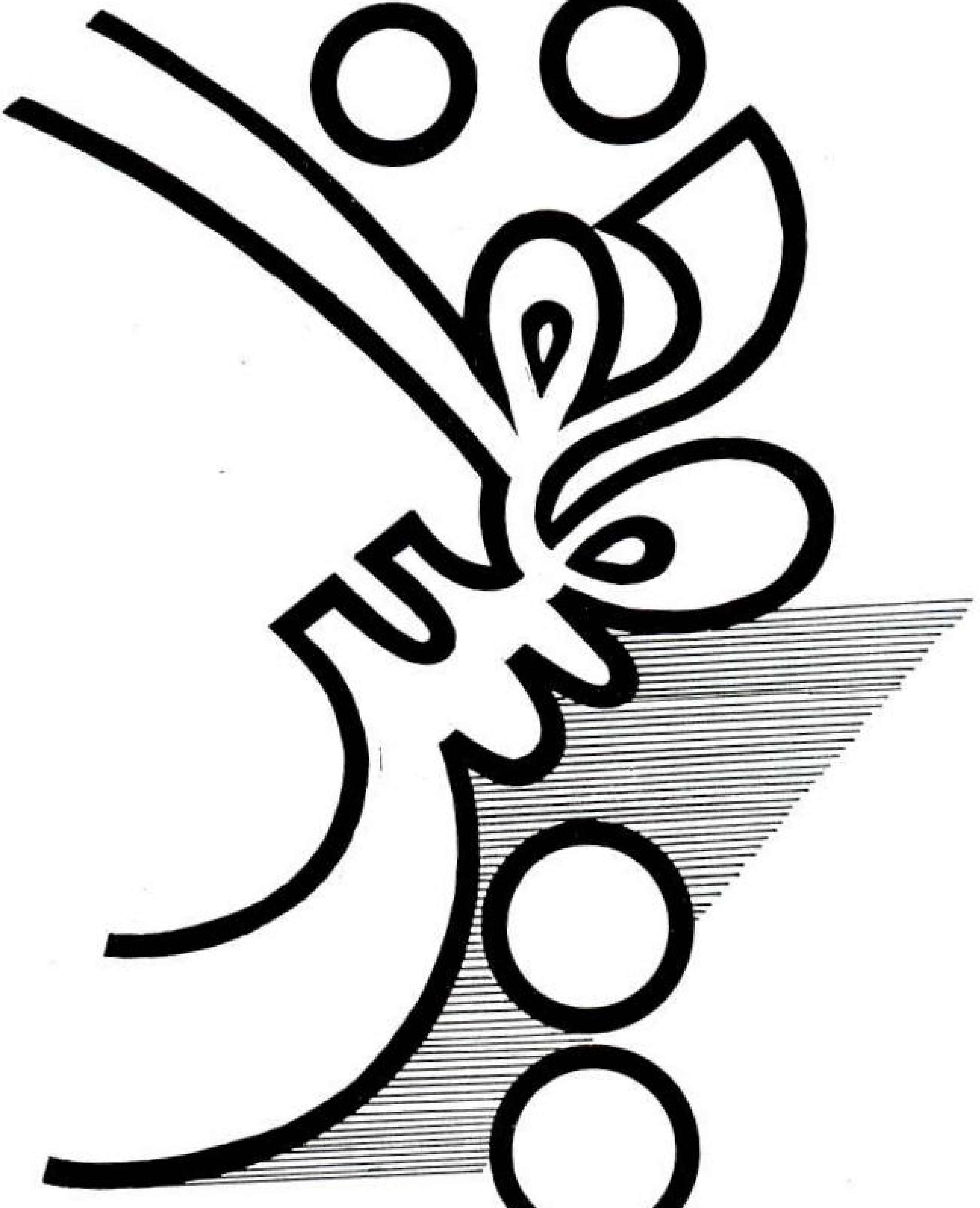

حسن این نظم از بیان مستغنی است
بر فروغ خور کسی جوید دلیل

تضمین بر اشعار جناب شفق عمادپوری

فیض توحید سے صد قالب یکجاں ہم تھے
کب اس انداز سے اوراقِ پریشاں ہم تھے
ایسے افسردہ تھے کب شعلہ بداماں ہم تھے
"یاد ایام کہ ملت کے نگہباں ہم تھے
جس پہ اسلام تھا نازاں وہ مسلماں ہم تھے"

معرکوں میں تھے جواں برہنہ شمشیر تھے ہم
خانقاہوں میں مگر پیر دل کے بھی پیر تھے ہم
کیا خوش اقبال تھے کیا صاحب تقدیر تھے ہم
"رزم میں خالدِ جانباز کی تصویر تھے ہم
بزم میں آئینۂ بوذرؓ مسلماں ہم تھے"

زور سے ہوتے تھے ہم زیر نہ تدبیروں سے
ہاں اگر ہوتے تھے مجبور تو تقدیروں سے
لیتے تھے سینوں پہ ڈرتے نہ تھے ہم تیروں سے
"گرجے تکبیروں سے برسے کہیں شمشیروں سے
جس کو روکا نہ سمندر نے وہ طوفاں ہم تھے"

تمنائے مجذوب بہ لقائے محبوب

نہیں جانا ہوا ہے جانبِ میخانہ برسوں سے
بھرا ہے دل میں شوقِ نعرۂ مستانہ برسوں سے
کبھی کعبہ تھا دل اب تو ہے بتخانہ برسوں سے
ترستا ہوں تجھے اے جلوۂ جانانہ برسوں سے
ہے برگشتہ کسی کی نرگسِ مستانہ برسوں سے
لئے پھرتا ہوں میں اپنا تہی پیمانہ برسوں سے

نہیں اب شمع و گل اور بلبل و پروانہ برسوں سے
زبانوں پر ہے میرا اور ترا افسانہ برسوں سے

نہیں پنہاں ہوا وہ زینتِ کاشانہ برسوں سے
گذرتی ہے یونہی اب بے مئے و پیمانہ برسوں سے

وہ ہُو حق، اب کہاں افسردہ ہے میخانہ برسوں سے
نہیں قائم ہوئی ہے مجلسِ رندانہ برسوں سے

نہیں ہے اب میسر صحبتِ جانانہ برسوں سے
غمِ فرقت میں ہوں اب آستنِ جانانہ برسوں سے

خدارا بابِ رحمت کھولدے ہاں کھول دے ساقی
کھڑا کھٹکا رہا ہوں میں درِ میخانہ برسوں سے

صراحی در بغل ساغر بکف مستانہ وار آ جا
لگائے آسرا بیٹھا ہے اک مستانہ برسوں سے

نہ آئی میری نوبت ہائے ساقی میری محرومی
برابر گو ہے گردش میں ترا پیمانہ برسوں سے

بعید انصاف سے ہے غیر کو ترجیح مجھ پر ہو
وہ کل عاشق ہوا میں ہوں ترا دیوانہ برسوں سے

غضب ہے غیر سا نا آشنا اب آشنا ٹھہرے
وہ ہو بیگانہ جسکے ساتھ تھا یارانہ برسوں سے

نہ رہ سکتا تھا ہرگز بے مئے و معشوق جو دم بھر
وہی ہے ہائے اب بے شاہد و پیمانہ برسوں سے

چھٹے سب دردِ اب اک سلسلہ اشکوں کا جاری ہے
یہی ہے اب تو اپنا سبحۂ صد دانہ برسوں سے

بجز عجز و نیازِ بندگی میں اور کیا جانوں
کہ دل ہے زیرِ مشقِ نازِ معشوقانہ برسوں سے

مرا دل گردِ فانوسِ خیالِ شمع رو ہر دم
ہے بے تابانہ گرداں صورتِ پروانہ برسوں سے

مجھے ساقی کر اس دربار میں جانے کے پھر قابل
دلِ بے کیف ہے ناقابلِ نذرانہ برسوں سے

ڈھلک جائے مری آنکھوں سے اک آنسو بھی کیا ممکن
مرا لبریز ہے گو صبر کا پیمانہ برسوں سے

عجب ہے جمع شوق و غم کی کیفیات گونا گوں
مرا دل ہو رہا ہے اک عجائب خانہ برسوں سے

تصورِ خوابِ فرشِ خاک بسترِ سنگِ در تکیہ
میسر اب کہاں وہ شوکتِ شاہانہ برسوں سے

ہزاروں آئے دن ہیں انقلاب اس دور میں لیکن
ہے اک حالت پہ قائم شورشِ دیوانہ برسوں سے

کبھی مجنوں سناتا تھا اور اب مجذوب سے سن لو
چلا آتا ہے دنیا میں مرا افسانہ برسوں سے

سمجھنے ہی نہیں دیتا یہ شورِ بلبلِ نالاں
مجھے درسِ خموشی دیتا ہے پروانہ برسوں سے

بنا کر خم مجھے اب اک گوشہ میں بٹھلا دے
میں ہوں گردش میں ہر دم صورتِ پیمانہ برسوں سے

بس اب ملنے لگے مجذوب کو بھی بادۂ صافی
کہ اے ساقی یہ ہے دُوری کشِ میخانہ برسوں سے

انہیں آخر مری یاد آئی اور اس پیار سے آئی
نہیں آیا ہے اس جانب مرا دیوانہ برسوں سے

بس اب آجا بس اب آجا کرم فرما کرم فرما
صدائیں دے رہا ہے کوئی بیتابانہ برسوں سے

بس اب آجا کرم فرما بدل مجذوب کی صورت
کہ بے سرمہ ہیں آنکھیں بال ہیں بے شانہ برسوں سے

تری اس رہگذر کے میں نثار اس لطف کے قرباں
کیا پھر آشنا اسکو جو تھا بیگانہ برسوں سے

نہیں ہوتا ادائے حقِ نعمت کچھ نہیں ہوتا　　مرا سر گو ہے وقفِ سجدۂ شکرانہ برسوں سے
دلِ پُرشوق روز اُس بزم میں اسطرح جاتا ہے　　کہ دیکھی ہو نہ جیسے صُورتِ جانانہ برسوں سے
مَیں ہُوں مدّت سے دیوانہ ترا اَے حُسنِ بے پروا　　دیئے بیٹھا ہُوں تجھ کو پیشگی بیعانہ برسوں سے

ترا مجذوبؔ جذبِ حُسن ہی سے کام نکلے گا
عبث ہے تو مریدِ ہمّتِ مردانہ برسوں سے

مدحِ شیخ

یہ رُوئے انور، یہ خُوئے زیبا، جمال ایسا کمال ایسا
خُدا کی قُدرت کا ہے کرشمہ، جمال ایسا کمال ایسا

کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا، جمال ایسا کمال ایسا
دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ، جمال ایسا کمال ایسا

یہ رنگِ جلوت، یہ کیفِ خلوت، یہ جامعیت خُدا کی قُدرت
یہ علم و حکمت یہ زُہد و تقویٰ، جمال ایسا کمال ایسا

جہان سارا تو چھان مارا، بتاؤ انصاف سے خُدارا
کہیں بھی اَے مہر و ماہ دیکھا، جمال ایسا کمال ایسا

بھلا وہ سمجھے تو کیسے سمجھے، بھلا وہ جانے تو کیسے جانے
جو قلب اور عقل کا ہو اندھا، جمال ایسا کمال ایسا

نذرِ شیخ

وہی بے ہوش ہے جو آپ کا مستانہ نہیں　　خود وہ دیوانہ ہے جو آپ کا دیوانہ نہیں
دوست ہوتے ہیں فِدا جلتے ہیں دشمن تجھ سے　　کون ہے جو ترے حُسن کا پروانہ نہیں
روزِ روشن کی طرح تیرا نمایاں ہے کمال　　کورِ باطن ہے وہ جس نے تجھے پہچانا نہیں

لا ادھر جام کہ نا اہل ہیں منکر ساقی — درخورِ ہر کس و ناکس ترا پیمانہ نہیں
شور واعظ ہے اسی وقت تک اے پیرِ مُغاں — گُونجا جب تک کہ ترا نعرۂ مستانہ نہیں
تُو نے پیروں کے دیئے کھول سب اترے پترے — جاہلوں کو بھی اب آسان ہے بہکانا نہیں
پڑ گئیں جھُوٹے مشائخ کی دوکانیں پھیکی — چال چلتی کوئی اب ان کی فریبانہ نہیں
خار کھاتے ہیں شب و روز حسد میں تیرے — اور کیا کھائیں چڑھاوا نہیں نذرانہ نہیں
خود ہی مِٹ جائیں گے سب حق کے مٹانے والے — لاکھ کوشش کریں مٹتا ترا افسانہ نہیں
کرتے ہیں اہلِ حسد تیری ہوا خیزی کیا — ممکن اِن ذرّوں سے خورشید کا چھُپ جانا نہیں
اِس زمانہ میں ہے محروم ازل یہ شناخت — یعنی جو معتقدِ حضرتِ مولانا نہیں

شاہ صاحب جو سمجھتا ہے تو بھک منگوں کو
تُو نے دیکھی وہ ابھی صُورتِ شاہانہ نہیں

پنشن

پنشن ہوئی خوش ہوں سہی قورما قلیا — کافی ہے تسلّی کے لئے موٹھ کا دلیا
کھاتا ہُوں خُدا کا دیا بے منّت و محنت — کرنی نہ ہے خوشامد بس اب ڈھونی ہے ڈلیا

پنشن ہوئی ملتا ہے بس اب کھانے کو دلیا — لیکن یہی دلیا ہے مجھے قورما قلیا
بے فکر ہوں دلشاد ہوں آزاد ہوں بالکل — رہنا ہے ”بنارس“ نہ بس اب جانا ہے ”بلیا“

کھانے کو بُرا کیا ہے مرا موٹھ کا دلیا — پوشش کو بُری کیا ہے مری کالی کملیا
صد شُکر مرا پیٹ بھرا جسم ڈھکا ہے — گو اطلس و دیبا ہے نہ اب قورما قلیا

پنشن بھی بہت ہے مری کیوں کھاؤں میں دلیا — اب بھی مجھے دیتا ہے خُدا قورما قلیا
صد شکر کہ اب بھی مجھے ہر شئے ہے میسّر — اب بھی وہی کُرتہ وہی اچکن ہے چھکلیا

جو منِش ہو گئی ہے تو واہ کیا بات ہے اپنی
فراغت ہو گئی جس طرح غم ہائے دُنیا سے

سحر اپنی ہے شام اپنی ہے دن اپنا ہے رات اپنی
یُونہی ہو آخرت میں بھی خُداوندا نجات اپنی

تنبیہِ غافل از مجذوبِ عاقل

دکھائے گا یہ تا کے خاکداں اپنی بہار آخر
حقیقت منکشف ہو گی ہٹے گا یہ غبار آخر

یہ غفلت تابکے آنے کو ہے روزِ شمار آخر
یہ اُترے گا یہ اُترے گا ترا اِک دن خمار آخر

بھلا کب تک تو پہنچے گا غافل تا مزار آخر
ارے ہے توسنِ عمرِ رواں پر تو سوار آخر

تنِ خاکی پہ تا کے یہ لباسِ زر نگار آخر
یہ ہو گا ایک دن زیرِ کفن مُشتِ غبار آخر

خزاں ہو جائے گی یہ ایک دن تیری بہار آخر
ترے انجام کا اِک روز ہو جائے گا کار آخر

کبھی اغیار سے خالی کرے گا بھی کنار آخر
ترے پہلو میں ہو گا بھی کبھی تیرا نگار آخر

یہ کیوں ہر دم ہے وضعِ غیر میں تو پیشِ یار آخر
تجھے عار آئے گی کب اے سراپا ننگ و عار آخر

ملے گا خاک میں یہ عارضی عزّ و وقار آخر
تجھے اِس مٹنے والی شے پہ کیوں ہے اِفتخار آخر

یہ تا کے تیری آرائش یہ تا کے تیری زیبائش
تنِ سیمیں ترا ہو گا غذائے مور و مار آخر

یہ تیرا خانۂ رنگیں ، یہ تیرا بسترِ زرّیں
بفرشِ خاک سونا ہے تجھے زیرِ مزار آخر

اَرے خوش ہو نہ دو روزہ بہارِ عالَم پر
نہ صیادِ اجل کا تا بکے ہو گا شکار آخر

دمِ ہنگامۂ محشر یہ گُم ہو جائے گا یکسر
جہاں کا شور و غوغا، غل غپاڑہ، خلفشار آخر

خیالی روشنی یہ سب تری روشن خیالی ہے
سمجھ رکھا ہے جس کو نور وہ نکلے گا نار آخر

بُتانِ گُلبدن تو جن پہ اپنی جان دیتا ہے
تری دُنیا و دیں کی راہ میں بوئیں گے خار آخر

ترے کہنے میں جو اعضا ہیں ترے عیب کھولیں گے
ترے ہو جائینگے دشمن یہ تیرے دوستدار آخر

پئے دُنیا کیا تُو نے اَرے غافل نہ کیا کیا کچھ
اَرے اَب کچھ تو کر لے تُو پئے پروردگار آخر

پئے دیں تجھ سے اِک تھوڑی سی محنت بھی نہیں ہوتی
پئے دُنیا فداکار اَور تُو ہے جاں نثار آخر

جو سَر سے یُوں پٹک دینا تھا اس بارِ امانت کو
تو پھر تُو نے لیا ہی کیوں تھا اپنے سر یہ بار آخر

پئے دُنیا بہت ہے، عاقبت میں ہو پئے دیں بھی
یہاں کیوں عاقبت بینی نہیں تیرا شعار آخر

جہاں رہنا ہمیشہ ہے وہاں کا بھی تو ساماں کر
اَرے تا کے یہ عیش و عشرتِ ناپائیدار کر

نہ کر آلودۂ عصیاں امانت ہے امانت جاں
یہ واپس کرنی ہے تجھ کو حیاتِ مستعار آخر

نہ سمجھے گا خُدا کو اَور نبی کو بھی مسیحا گر
تو پھر اَے بدگماں کس کا کرے گا اعتبار آخر

کہے دیتا ہُوں اے اَصحاب یہ بے دینیاں تیری
کریں گی تجھ کو خوار آخر، کریں گی تجھ کو خوار آخر

تپِ دق ہے اور اس پر یہ سمجھتا ہے کہ اچھا ہوں
یہ حالت دیکھ کر کیوں ہو نہ دل میرا فگار آخر

جسے رنگِ چمن دل سے نہ لب پر آنے دیتا تھا
وہ نالہ لب پہ آج آ ہی گیا بے اختیار آخر

ہوا مرنے کو مجذوبؔ اب تو چھوڑ اعمالِ بد اپنے
یہ تا کے تیرے کار آخر یہ تا کے حالِ زار آخر

ارے او روسیہ کس منہ سے اور کیا لے کے جائے گا
تجھے ہونا ہے پیش اک روز پیش کردگار آخر

پہنچنے والے پہنچے تا بہ منزل تو رہا پیچھے
ارے اٹھ بھی یہ غفلت تا بہ کے غفلت شعار آخر

بس اب مرنے کو ہے جاگے گا تو کیا حشر کے دن کو
تجھے کس وقت کا اب رہ گیا ہے انتظار آخر

کوئی حد ہے بڑھاپا آخر شرا امروز و فردا میں
کبھی تو آئے گا بھی تا بکار اے نابکار آخر

عمل سے بھی تو اے مجذوبؔ غافل اب مبدل ہو
یہ تیرا غم یہ تیری چیخ یہ تیری پکار آخر

ہزاروں بار توبہ کی مگر ہر بار پی لی ، پی لی
ترا اس بار بھی بدعہد کیا ہو اعتبار آخر

دعا پر ختم کرتا ہوں کہ حق توفیقِ طاعت دے
کہے جاؤں وہی اک بات کب تک بار بار آخر

سوال و جواب صوفی و مجذوب

از صوفی صاحب :-

اک خادمِ دیرینہ ہوں نقشِ کفِ پا ہوں
اکسیرِ محبت ہوں زرہ عشق و وفا ہوں
صوفی کا لقب آپ نے بخشا ہے وگرنہ
میں اشک ہوں یا درد ہوں یا آہِ رسا ہوں

اس میکدۂ عشق کا مستانہ ہوں میں بھی
ہیں شمع اگر آپ تو پروانہ ہوں میں بھی
بچھڑے ہوئے محبوب کے مجذوب جو تم ہو
کم فہم سہی عاشق و دیوانہ ہوں میں بھی

از مجذوب صاحب :-

یہ قرب مبارک تجھے اے صوفیٔ صافی
مجذوب کو اک دور کی نسبت بھی ہے کافی
اس رند کے حق میں تو دعا کر دے خدارا
توفیقِ ندامت سے ہو غفلت کی تلافی
بخشے تجھے اللہ بلندی مراتب
مجھ کو ہو عطا میرے گناہوں کی معافی

نہ لیڈر بن کے اطراف جہاں میں نام پیدا کر
نہ لیکچر دے کے ہر جلسہ میں اک کہرام پیدا کر
بس اپنے دل میں مسلم جذبۂ اسلام پیدا کر
جو لبریز مے توحید ہو وہ جام پیدا کر
ابھی ہیں بے اثر بالکل بلند آہنگیاں تیری
نہیں کچھ دل کی شرکت صرف چلتی ہے زباں تیری

حیات بعد الممات

ممات مجذوب

وہ حق کے ساتھ رابطۂ دل نہیں رہا
مجذوب اس لقب ہی کے قابل نہیں رہا
وہ آنکھ اب نہیں ہے وہ اب دل نہیں رہا
مجذوب منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا

ناگفتنی ہے حال مرا، کچھ نہ پوچھیے
کہنے کے اور سننے کے قابل نہیں رہا

وہ آنکھ جو نہ غیر کو دیکھے نہیں رہی
وہ دل جو ہو نہ غیر پہ مائل نہیں رہا

میں لاکھ توبہ کرتا ہوں بنتی نہیں کبھی
اب اپنے عزم کا تو میں قائل نہیں رہا

اِس کے سوا کہ آپ ہی میری مدد کریں
کچھ چارہ میرے مرشدِ کامل نہیں رہا

تاراج کر لیا ہے مجھے شیطان و نفس نے
جو کچھ کیا تھا آپ سے حاصل نہیں رہا

وہ حال ہو گیا ہے کہ گویا کبھی بھی میں
خدام میں حضور کے داخل نہیں رہا

ناچار بہرِ چارہ چلا آیا سرنگوں
ورنہ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا

اب رات دن ہے ذکرِ بتاں اور شغلِ عشق
اللہ کا میں ذاکر و شاغل نہیں رہا

پہلو میں میرے وہ دلِ ناپاک ہے حضور
میں پاس بیٹھنے کے بھی قابل نہیں رہا

قابو میں میرے اب مری آنکھیں نہیں رہیں
کہنے میں میرے اب یہ مرا دل نہیں رہا

کوئی گناہ ہو کرنے میں کچھ باک ہی نہیں
جو خوفِ حق تھا بیچ میں حائل نہیں رہا

بے فکر آخرت سے کچھ ایسا ہوا ہوں میں
جیسے کہ موت ہی کا میں قائل نہیں رہا

اب میری غفلتوں کی کوئی حد نہیں رہی
مجھ سا جہاں میں اب کوئی غافل نہیں رہا

توفیقِ توبہ کثرتِ عصیاں نے سلب کی
بحرِ گناہ کا اب کوئی ساحل نہیں رہا

ہر وقت معصیت کا تقاضا ہے نفس میں
دل خیر کی طرف مرا مائل نہیں رہا

پڑنے لگا ہے اب تو فرائض میں بھی خلل
یہ ہی نہیں کہ شوقِ نوافل نہیں رہا

پہلی سی فکرِ جائز و ناجائز اب نہیں
حفظِ حدود و پاسِ مسائل نہیں رہا

جب سے شریکِ حال عنایت بتوں کی ہے
اللہ کا تو فضل ہی شامل نہیں رہا

وہ ذوق و شوقِ قلب وہ نعرے نہیں رہے
وہ رنگِ گل وہ شورِ عنادل نہیں رہا

وہ وہ کئے ہیں جرم کہ انصاف تو یہ ہے
بدکار اب میں رحم کے قابل نہیں رہا

کس سے کہوں، کہوں نہ جو حضرت سے حالِ دل
گو منہ تو میرا عرض کے قابل نہیں رہا

اے خضرِ راہ کیجئے بس جلد رہبری
رخ سوئے قعر ہے سوئے منزل نہیں رہا

یہ التجا کرم کی بلا حق کے ہے حضور
حق کو تو کرچکا ہوں میں زائل نہیں رہا

طاعت ہی بس حیات ہے اور معصیت ممات
کیا زندہ ہوں میں زندوں میں شامل نہیں رہا

یہ آسرا ہے آپ سا کامل ہے مہرباں
گو ہیچ ہے میں تو ہاں کسی کے قابل نہیں رہا

دستِ کرم ہو جانبِ مجذوبؔ پھر دراز
مخدوم آپ کا کبھی سائل نہیں رہا

حیاتِ مجذوب

مجذوبؔ نارسیدہ کو واصل بنا دیا
ناقص کو اِک نگاہ میں کامل بنا دیا

فہمیدِ کیدِ نفس کے قابل بنا دیا
مجذوبؔ کو بھی آپ نے عاقل بنا دیا

نقشِ بُتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو آنکھیں دل کو مِرے دل بنا دیا

عشقِ بُتاں ہوا ہے مبدّل بحُبِّ حق
وجہِ فنا کو زیست کا حاصل بنا دیا

کیا ناخُدا ہیں آپ بھی اِس بحرِ عشق کے
گرداب ہولناک کو ساحل بنا دیا

فیضِ نظر سے نفس کی کایا پلٹ گئی
جو تھے رذائل اِن کو فضائل بنا دیا

غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے
آگاہ حق سے غیر سے غافل بنا دیا

مردودِ بارگاہ ہوا باریاب پھر
مہجور و نامُراد کو واصل بنا دیا

اُس روسیہ کو آپ نے جو ننگِ بزم تھا
پرتو سے اپنے رونقِ محفل بنا دیا

اُس قلبِ ناسزا کو جو ننگِ وجود تھا
ایسا نوازا ناز کے قابل بنا دیا

ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں
اِتنا اُبھارا صدرِ افاضل بنا دیا

میرے دلِ سیاہ کو انوارِ قلب سے
خورشیدِ پُرضیائے کے مماثل بنا دیا

پھر سہل کر دیا مرے سرکار آپ نے
مَیں نے جس امرِ سہل کو مشکل بنا دیا

چسکا لگا کے یادِ خُدا کا حضور نے
بیزارِ کاروبار و مشاغل بنا دیا

دلدادہ کر دیا مجھے خلوت کا آپ نے
اِس بزمِ بے ثبات سے بددل بنا دیا

دینی اُمور میں تو کیا مجھ کو مستعد
اور دُنیوی اُمور میں کاہل بنا دیا

مشکل تھا دین سہل تھی دُنیا اب آپ نے
مشکل کو سہل، سہل کو مشکل بنا دیا

مجھ پاشکستہ کو بھی سہارے نے آپ کے
آمادہ بہرِ قطعِ منازل بنا دیا

کر کر کے وار نفس پہ تیغِ نگاہ سے
قاتل کو میرے آپ نے بسمل بنا دیا

مغلوبِ نفس تھا مگر اب نفس کُش ہوں مَیں
بسمل کو گویا آپ نے قاتل بنا دیا

انوارِ ذکر رہتے ہیں گھیرے ہوئے مجھے
خلوت کو میری آپ نے محفل بنا دیا

مَیں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اَب حضور نے
کیا مجھ کو میرے مُرشدِ کامل بنا دیا

بخشی حیاتِ قلب وہ عیسیٰ نفَس ہیں آپ
مُردہ کو زندہ بخشنے کے قابل بنا دیا

ہاں کیوں نہ ہو وہ ذاتِ مقدس ہے آپکی
رندوں کو جس نے صُوفیِ کامل بنا دیا

کرکرکے سہل وہ وہ دقائق بیاں کئے
نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا

صحبت سے اپنی منطقی و فلسفی کو بھی
قُرآن اور حدیث کا عامِل بنا دیا

ہمت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے
مجُھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنا دیا

آزاد تھے جو مذہب و ملّت سے اُن کو بھی
وابستۂ چہار سلاسل بنا دیا

ہم جیسے ہرزہ گو بھی تو اَب ذاکروں میں ہیں
زاغوں کو ہمنوائے عنادل بنا دیا

غاصب جو تھے وہ صاحبِ جود و سخا ہوئے
اَور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

وہ وہ نتائج اَخذ کئے ہیں کہ آپ نے
ادنیٰ اُمور کو بھی مسائل بنا دیا

آہن کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے
ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا

دیکھا نہ کوئی مصلحِ اخلاق آپ سا
دیووں کو بھی فرشتہ شمائل بنا دیا

دُنیا کو راہِ راست دکھائی حضور نے
جب کج رووں نے پیروِ باطل بنا دیا

کیا طُرفہ ہے طریقِ ہدایت حضور کا
گم کردہ رہ کو رہبرِ منزل بنا دیا

کر دیجئے بس اَب مجھے اپنے سے بیخبر
اِس اپنے علم نے مجھے جاہل بنا دیا

مجذُوبؔ دَر سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

حقیقتِ نفس

نفس کو اسپِ تیز گام سمجھ
عقل کو اسکی تو لگام سمجھ

تجھ کو بخشا گیا ہے یہ رہوار
اسکو خالق کا لطفِ عام سمجھ

تیز چلنا تو کام ہے اِس کا
اور چلانے کو اپنے کام سمجھ

تیز جائے گا یہ جدھر لے چل ہاتھ میں اپنے تو لگام سمجھ
چلنے پائے ذرا نہ ٹیڑھی چال اپنے ذمّہ یہ اہتمام سمجھ
لے چلا تو جو سوئے خیر اسکو سب بنے پھر تو اپنے کام سمجھ
اور اگر اس کو پھیرا جانبِ شر کام ہی اپنا پھر تمام سمجھ
اسکی نیکی بدی ہے تیرے ہاتھ اپنے کو بد کہ نیک نام سمجھ
جو سمجھ آپ کو سمجھ اسکو بدلگام اور نہ خوش خرام سمجھ
اسکی ٹھوکر کو اپنی ٹھوکر کہہ گام کو اس کے اپنا گام سمجھ
اسکے اندر ہیں خیر و شر دونوں اس کو حکمت کا اک نظام سمجھ
شر نہ ہوتا تو خیر کب ہوتی اس کو اک حسنِ انتظام سمجھ
اس ھی صورت سے نظمِ عالم ہے خیر و شر کو بھی صبح و شام سمجھ
نفس گویا ہے اک توسنِ شوخ اس سے غفلت کو تو حرام سمجھ
لاکھ پا جائے اس پہ تو قابو خود کو اک شہسوارِ خام سمجھ

یہ سدھانے سے سدھ بھی جاتا ہے
مجھ سے اک اس کا انتظام سمجھ

طریقۂ اصلاح

یہ جو اڑ جائے تو بھی بس اڑ جا اک مفید اسکو انتظام سمجھ
یہ کیا رام یوں تو پھر تا عمر اُس کا اپنے کو تو غلام سمجھ
جب یہ چلنے لگے اشاروں پر بس اسی وقت اسکو رام سمجھ
ورنہ کر بار بار پھر کوشش اپنی کوشش کو ناتمام سمجھ
عمر بھر رام اگر نہ ہو بالفرض پھر بھی فرض اسکی روک تھام سمجھ
عمر بھر رہ یونہی مشقت میں اس ریاضت میں اجرِ تام سمجھ
ہو سہولت سے یا مشقت سے اپنے ذمّہ تو فرض کام سمجھ
نفس کو تو بجبر روکے رکھ واجب اس کا بھی بس دوام سمجھ

لاکھ اصلاح اپنی تُو کر لے
قاصر اپنے کو تو مدام سمجھ
حق تقویٰ ادا ہوا ہے نہ ہو
اپنے تقویٰ کو ناتمام سمجھ
چُست دُنیا میں ہے تو اپنے کو
دین میں بھی نہ سست گام سمجھ
جو نہ امکاں میں ہو ترے اِن کا
اپنے ذمہ نہ اہتمام سمجھ
اب بھی سمجھے نہ جو حقیقتِ نفس
وہ سمجھ ہے برائے نام سمجھ

بڑ نہ مجذُوبؔ کی سمجھ اسکو
اسکو مصلح کا اِک پیام سمجھ

فریبِ خوابِ ہستی

یہ اشعار خواجہ صاحب نے اپنے صاحبزادے حافظ فیض الحسن عوزی کی وفات پر فرمائے۔

نگاہوں سے جو اوجھل جلوۂ جانانہ ہو جائے
مری نظروں میں کیوں تاریک پھر دُنیا نہ ہو جائے
نصیحت تیری ناصح شکوۂ بے جا نہ ہو جائے
رواں بے اختیار آنکھوں سے کیوں دریا نہ ہو جائے
کروں کیا صبر کا لبریز جب پیمانہ ہو جائے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی
بلند اپنا تخیّل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اِتنی سی حقیقت ہے "فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکرِ گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اِک مجذُوبؔ کو اس غم کدہ میں شادماں پایا
جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

اشعار متعلّقہ تکیہ

تکیہ سے سر اُٹھایئے وقتِ نماز آگیا — ناز کا وقت اب نہیں وقتِ نیاز آگیا
تکیہ رکھئے مگر ایسا کیجئے — تکیہ اللہ پر رکھا کیجئے

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو — ہو گئی صبحدم گرمِ تماشا تو بھی ہو

پھول سے رُخ کے لئے پھول سا تکیہ ہو جمیل — کیونکہ مشہور ہے الجنس الی الجنس یمیل

تکیہ جائز ہے جب اس قصد سے آرام کریں — تازہ دم ہو کے جو اُٹھیں تو بہت کام کریں
نہیں جائز جو یہ نیت ہو کہ بس سو سو کر — شام سے صبح کریں صبح سے پھر شام کریں

کچھ نفس کا بھی حق ہے نہ اب کام کیجئے
تکیہ پہ رکھ کے سر بس اب آرام کیجئے

تکیہ پہ آرام ہے آرام پہ ہے کام — ناکام ہے کرتا ہے جو آرام ہی آرام

سونے والے کبھی مرقد میں بھی سونا ہو گا — کہ جہاں کوئی نہ تکیہ نہ بچھونا ہو گا

مزے میں خوب سو تکیہ پہ سر رکھ — مگر اللہ پر اپنی نظر رکھ

یہ تکیہ ہے یا زانوئے حور ہے
مزیّن ہے دلکش ہے پُرنور ہے
گداز اس قدر ہے کہ رکھتے ہی سر
معاً کسل دن بھر کا سب دور ہے

قندِ پارسی

گر مطربِ حریفاں ایں پارسی بخواند
در رقص و حالت آرد پیرانِ پارسا

عندلیبِ بوستانِ راز ہوں
ہمنوائے بلبلِ شیراز ہوں

قطعات

مرا مہر سیہ چشماں ز دل بیروں نخواہد شد — قضائے آسماں ایں است دیگر گوں نخواہد شد
مرا روز ازل کارے بجز رندی نہ فرمودند — ہر آں قسمت کہ آں جا شد کم و افزوں نخواہد شد
جمالِ من ہمی دارم کہ پنہاں مہر او دارم
کنار و بوس و آغوشش چگویم چوں نخواہد شد

زِ چشمِ محوِ حیرت کیف صد پیمانہ می ریزم
من آں مستم کہ از جامِ تہی میخانہ می ریزم
چہ داند خلق رندیِ منِ درویش صورت را
مے صافی بزیر دلق در پیمانہ می ریزم

نیابی تا ابد زیں بعد ہر گز ایں چنیں وقتے
بصد کوشش عنانِ توسنِ عمرِ رواں درکش
بیادِ دوست اے مجذوبؔ گم کن ہستیِ خود را
چو عمرِ جاوداں خواہی بجاں آں جانِ جاں درکش

دعائے طالبین بدرگاہِ ربّ العالمین

الٰہی رحم کن بر حالِ زارم — مدد فرما کہ رفت از دست کارم
مرا از دست بردہ نفس و شیطاں — بود ہر لحظہ بیم دین و ایماں
بچشمِ لطف قلبِ من نگہدار — نگردد تا ز راہِ صدق زنہار
بچشمِ لطف سوئے من نظر کن — مرا از نفس و شیطاں بے خطر کن
دلم را کن زسِرِّ خویش آگاہ — کہ نبود در طریقِ عشق گمراہ
بحقِ حضرتِ اشرف علی شاہ — کہ عبدست اشرف و اعلیٰ و ذی جاہ
ز طبعم دور کن کبر و منی را — شرافت بخش ایں نفسِ دنی را
بگرداں نفسِ ما را مطمئنہ — قہا الوسواس من ناسٍ وّجِنّہ
بگرداں حال زشتم را بگرداں — مرا بر نفس غالب کن چو مرداں
ز قلبم حبِّ غیرِ خود بدر کن — بیادِ خود ز عالم بے خبر کن
چناں پُر از مئے خود کن دلم را — نیارم در نظر صد جامِ جم را
ہزاراں با تو واصل شیخ و شاب اند — بدرگاہت ہزاراں باریاب اند
منِ ناکارہ را ہم بخش بارے — منِ آوارہ را ہم دہ قرارے
رہم دہ پیشِ من صد سدِّ باب است — حجاب اندر حجاب اندر حجاب است
منِ محجوب را مجذوب گرداں — محبِ خویش وہم محبوب گرداں
کرامت کن الٰہی استقامت — عنایت کن عنایت کن عنایت
بخود مشغول دار اندر حیاتم — اگر میرم بدہ یا رب نجاتم
حیاتم را حیاتِ پاک گرداں — مماتم را مماتِ پاک گرداں

دمِ آخر بخیر انجام ما کن
بخلدم زیرِ پائے مصطفےٰ کن

دعوت السالکین بسوئے رجوع الی الصادقین

نہ تنہا اے دُعاگو ایں دُعا کن
دُعا کن ہم تلاشِ رہنما کن

دریں رہ رہنما شرطِ وصول است
بخود سعی تو بے کار و فضول است

مگر رہبر بسے کم در جہانند
بشکلِ رہنمایاں رہزنانند

اگر خواہی شدن یابندۂ حق
مشو از ہر کسے جویندۂ حق

بجو از حضرتِ اشرف علی شاہ
کہ ہست اہلِ جہاں را حجۃ اللہ

ز جد و جہد او تجدید دیں شد
بصدقِ اسلافِ خود را جانشیں شد

بعالم کاملیں را او امام ست
میانِ انجم او ماہِ تمام است

مسمّٰی بود چوں از غیب اشرف
بعہدِ خویش شد لاریب اشرف

بعلمِ ظاہر و باطن یگانہ
حکیم الاُمت و قطبِ زمانہ

برائے دردہائے دل دوائے
پئے امراضِ روحانی شفائے

زہر مصلح بعہدِ خود بہ است او
کہ ہم جرّاح و ہم مرہم بہ است او

پئے تادیب چوں پُر قہر گردد
فدائے قہرِ او صد مہر گردد

بصورت مظہرِ شانِ جلالی
بمعنی مظہرِ شانِ جمالی

چہ پُر مہر آں نگاہِ خشمگین است
کہ دردِ دل ہا محبّت آفریں است

نگاہِ مستِ او بیگانہ وار است
مگر دزدیدہ بر ہر نے گسار است

جہاں سوز دا گر در غمزہ آید
شکر ریزد اگر در خندہ آید

بسوز داو ہزاراں دل بہ آہے
کند سرمست صدہا در نگاہے

چہ گویم حالِ آں کو را ندیم است
عجب مجموعۂ اُمید و بیم است

عجب حال است پیشش حالِ بندہ
بہ خندہ گریہ و در گریہ خندہ

بہ گویائیست صد اصلاح کوشی
ہزاراں معنیٔ دارد خموشی

لے ولبعدش از متوسلین و خلفایش باید جوئید ۔ ۱۲

دلیل و ہادیٔ راہِ شریعت　　امام و قدوۂ اہلِ طریقت

برائے وعظ گفتن او چو خیزد　　بسے درہا بے گلہا بریزد

الا اے طوطیٔ گویائے اسرار　　مبادا خالیت شکر ز منقار

زنور حق چو قلبش نور گشتہ　　وجودِ او سراپا نور گشتہ

رخش آئینۂ حسن نگارے　　برانگیزد بہ دلہا عشقِ یارے

سرِ او عقل صد فرزانہ دارد　　کنارِ او دلِ دیوانہ دارد

صراحی در بغل تسبیح در دست　　کسے کم دیدہ چوں او زاہدِ مست

بہ ذکر اللہ اُو رطب اللسان است　　بیاد حق دلش هم شادماں است

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے　　کہ بر لب ساغر و در بر نگارے

عجب پُر جوش کیف ایں شراب است　　کہ او در عین پیری در شباب است

بہ دل بُردن عجب او را کمال است　　عجب او دلبر دیرینہ سال است

ببیں اے خواجہ جاہِ اشرفِ ما　　بیا در خانقاہِ اشرفِ ما

بخواہی دید اگر تو خواہی آمد　　کہ فقر اندر قبائے شاہی آمد

عجائب کارہائے کارسازند　　کہ یک جا مجتمع ناز و نیاز اند

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینند　　گہے بر پُشتِ پائے خود نہ بینند

نہ تنہا صورتِ شاہانہ دارد　　کہ ہم صد ہیبتِ شاہانہ دارد

نہ ملکے و نہ تختے و نہ تاجے　　مگر شاہانہ می دارد مزاجے

ہر اہلِ دل زباں آرد دلیرے　　گم است اینجا جو گُربہ پیشِ شیرے

کسے را پیشِ او تابِ سخن نیست　　چناں گویا زباں اندر دہن نیست

چہ پیشش حاجتِ اظہارِ حال است　　کہ حلِ عقدہ ہا بے قیل و قال است

چہ جائے قیل و قال و گفتگوئے　　کہ ایں بزم است بزمِ دیدہ روئے

بگوشِ ہوش بشنو ہر سخن را　　مزن دم قفل زن پیشش دہن را

رہے پیدا بدواز دل بہ دل کن　　دلش را بادل خود متصل کن

دلے کو بادلِ او بستہ گردد　　اگر خارے بود گلدستہ گردد

بکن خود را تو غائب در دلِ او　　تماشا کن عجائب در دل او

تن او با ہمہ بالائے فرش است　　دلِ او با خدا بالائے عرش است

عجب فرحت گہے ایں خانقاہ است　　عجب نزہت گہے ایں خانقاہ اُست
اگر فردوس بر رُوئے زمین است　　ہمین است و ہمین است و ہمین است
یکے ساقی و مے خواراں ہزار ند　　دو چشم مست در مشغول کارند
بمیخانہ بہار است و بہار است　　کہ در وجد و طرب ہر میگسار است

خوشا ایں بادہ نوشانِ الٰہی
زہے رندی، زہے شانِ الٰہی

مپرس از ذاکرانِ نیم شب ہا　　کہ مشغول اند با دل ہا لب ہا
چہ پُرسی لطفِ دردِ صبح گاہی　　کہ ایں لقمہ بہ است از مُرغ و ماہی
پُر از ذکر است گوھر حجرہ تنگ است　　چہ خوش ایں نغمہ با عود و چنگ است
دل اینجا می کند اللہ، اللہ　　کہ ھردم بشنود اللہ ، اللہ
چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے　　دل اینجا بے دوا یابد شفائے
کجا ئید اَے خُدا جویاں کجائید　　کجا ئید اَے شفا جویاں کجائید
بیا ئید آے طلبگاراں بیائید　　بیائید اَے دلِ افگاراں بیائید
تعالیٰ اللہ چہ عالی بارگاہے　　کہ اینجا ھر گدائے بادشاہے
کس اینجا سیم و زر آرے ندارد　　مگر با کس سروکارے ندارد
بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　کسے را با کسے کارے نباشد
بیا خود ترک کُن کبر و منی را　　چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را
ز شرحِ فیضِ او قاصر زبان است　　کہ کشتی بہ بحرِ بے کران است
بیا تا دیدہ گردد ایں شنیدہ　　"شنیدہ کے بود مانند دیدہ"
نہ گویم غیرِ حق کایں امرِ دین است　　یقیں کن ایں ہمہ عین الیقیں است

کہ مجذوب ایں ہمہ نشیدہ گوید
"قلندر ھر چہ گوید دیدہ گوید"

ز خاصانِ خُدا اشرف علی ہست　　ولی ہست و ولی ہست و ولی ہست
کہ قول و فعل و حالِ او گواہند　　جمال و ھم کمالِ او گواہند
شک آوردن بجز بے حاصلی نیست　　کہ کارِ اہلِ دل زو بد دلی نیست
ھر اہلِ عقل و دیں را او امام اُست　　خلافِ او شدن سودائے خام است

به دل هر معترض هم مائل اوست — زباں منکر مگر دل قائل اوست
زبغضِ او چه سودِ دشمناں است — زیاں است و زیاں است و زیاں است
نمی شاید زشیراں پنجه کردن — که هست ایں دست خود را رنجه کردن
هر آں کو با ولیِ حق ستیزد — برائے جنگ پیشِ خود بخیزد
چه باک از دشمنانِ او که خوارند — چه پیشِ مهر ذراتِ غبارند
همه گیریِ نورِ او عیاں است — مگر بر شپره چشماں نهاں است
چناں سوزِ نهانِ او عیاں شد — کز انفاسش جهاں آتش بجاں شد
هزاراں اند از و شعله بدامن — بگشت از مشعلے صد شمع روشن
دلش از عشق دایم زنده بادا — بعالم فیضِ او پاینده بادا

چه شد مجذوب اگر دیوانهٔ اوست
همه عالم ببیں پروانهٔ اوست

تمکین بعد التلوین

سفر تھانہ بھون

در هوائے کوئے جاناں میروم — همچو خس افتاں و خیزاں میروم
وه چه با شوقِ فراواں میروم — مست و سرشار و غزل خواں میروم
گو دریده جیب و داماں میروم — بیں مرا چوں گل چه خنداں میروم
گو بایں حالِ پریشاں میروم — سرخوش و شادان و فرحاں میروم
سوئے آں اشکِ گلستاں میروم — سر بصحرا پا بجولاں میروم
گو بیاباں در بیاباں میروم — شادماں در برگلستاں میروم
مست گو اندیشهٔ جاں میروم — میروم ہاں میروم ہاں میروم
سر بکف آتش بداماں میروم — در تلاشِ آبِ حیواں میروم
مست چوں ابرِ بهاراں میروم — گاه خنداں گاه گریاں میروم
در عجب انوارِ عرفاں میروم — بیخود و مبهوت و حیراں میروم

میرم چوں مہرنے مثلِ قمر   بر سرِ اعداء نمایاں میرم
نزد آں کز وے شد تجدید دیں   از پئے تجدیدِ ایماں میرم
او حکیم الامّت و من جاں بلب   در حضورش بہر درماں میرم
آں کہ مے از ساقیِ کوثر بیافت   پیش اداے مے فروشاں میرم
کام و لب خشک و خم خالی بدوش   ہیں چہ پر شوق و پراماں میرم
کاسہ در دست و زنبیلے بہ بر   بے سر و ساماں بسلطاں میرم
گو منم یک بلبلِ بے بال و پر   در ہوائے شوق پرّاں میرم
گو منم مورے ضعیف و ناتواں   ہیں کہ بر تختِ سلیماں میرم
از وفورِ شوق او در دشت ہا   تیز تر ہم از غزالاں میرم
ہیں چساں پروانہ دار آتش بجاں   سوئے آں شمعِ فروزاں میرم
چنگ و عود و مطرب و ساقی و خم   با چگونہ ساز و ساماں میرم
جام در دست و صراحی در بغل   در گروہِ پاکبازاں میرم
مست رو ہم در عجب وجد و طرب   وہ کہ شوق است اینکہ رقصاں میرم
آتشِ عشق افگنم در سینہا   الحذر با سوزِ پنہاں میرم
گریۂ شوق است ایں از در دنیست   دُر فشاں چوں ابرِ نیساں میرم
در خیال و دست من بیگانہ وار   از ہمہ اغیار و یاراں میرم
محو و مستغرق بیادِ جانِ جاں   غافل از احباب و خویشاں میرم
چیست مال و زر چہ باشد خان و ماں   من ز جاں ہم دست افشاں میرم
دارم از فضلِ خدا امّید ہا   گو بزیرِ چرخِ گرداں میرم
باز سودا شد منِ مجذوب را   باز سوئے کوئے جاناں میرم
ہستم آں مجذوبِ دیوانہ کہ من   باخودی دست و گریباں میرم

جذبِ دلبر کار فرما در دل است
زاں منِ مجذوب زیساں میردم

واپسی از تھانہ بھون

از درِ تو با چہ عنواں میردم   خار در دل گل بداماں میردم

آمده بودم بتو بی مایه — از درِ دولت چو سلطان میروم
آمده بودم بتو بی برگ و بار — سبز و شاداب و گل افشان میروم
آمده بودم بتو بی مال و زر — از درت با گنج پنهان میروم
آمده بودم بتو جویانِ یار — یار در پهلو و جویان میروم
آمده بودم بتو من باهمه — بی همه از راه پنهان میروم
آمده بودم بتو با صد تعب — از رهِ نزدیک آسان میروم
آمده بودم بتو با صد هجوم — یا هم از سایهٔ گریزان میروم
آمده بودم بتو بُت در بغل — از درِ فیضت مُسلمان میروم
آمده بودم بتو با جام و خُم — با ہمیں تسبیح و قُرآں میروم
آمده بودم بتو سوزاں چوں برق — یا خنک چوں ماه تاباں میروم
آمده بودم بتو سودا بسر — یار در دل سر بساماں میروم
آمده بودم بتو پا در هوا — صد سکوں در دل خراماں میروم
آمده بودم بتو نعره زناں — دم بخود سر در گریباں میروم
آمده بودم بتو ناله کناں — مهر بر لب دل با فغاں میروم
آمده بودم بتو در شوق دید — از وفورِ جلوهٔ حیراں میروم
آمده بودم بتو پروانه وار — سر بسر شمع شبستاں میروم
آمده بودم بتو با چنگ و عود — خود سراپا ساز و الحاں میروم
آمده بودم بتو من روسیاه — ضوفگن چوں مهر رخشاں میروم
آمده بودم بتو سرشار و مست — محترز از مے پرستاں میروم
آمده بودم بتو تر دامنے — پاکباز و پاک داماں میروم
آمده بودم بتو نالاں و زار — خنده زن بر نفس و شیطاں میروم
آمده بودم بتو سر بر فلک — سر بسجدهٔ زیرِ فرماں میروم
آمده بودم بتو نازاں بعلم — با همه دانی چو ناداں میروم
آمده بودم بتو در جهل غرق — نکته چیں بر اہلِ یوناں میروم
آمده بودم بتو چوں وحشیاں — یافتم تهذیب انساں میروم
آمده بودم بتو زاغاں شعار — همنوائے عندلیباں میروم

آمدہ بودم بتو ھسم چوں زناں　　سر بکف دارم چو مرداں میروم
آمدہ بودم بتو من پا بہ گِل　　العجب سرو خراماں میروم
آمدہ بودم بتو من بد تریں　　بہتریں از صد ہزاراں میروم

گو بُدم مجذوبِ من ننگ زماں
شُکر اشرف فخرِ دوراں میروم

٭

شاکرم اے مدعی لاف زن
ہاں نہ پنداری کہ نازاں میروم

——— ٭ ———

اشکہائے عقیدت

جہاں سے نقش مٹ سکتے نہیں اللہ والوں کے
یہ اُن کے مرثیے کیا ہیں قصیدے ہیں کمالوں کے

قطب العالم والارشاد

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

فرشتوں میں یہ کس کی آمد آمد کا ہے مذکور آج
ہیں کس کی منتظر بن ٹھن کے حوریں چشم بد دور آج

یہ کس کے سوگ میں دُنیا نے پہنی پوشش ظُلمت
ضیا و روشنی رُوئے زمیں سے کیوں ہے کافور آج

بپا شور قیامت ہے جو ہر سُو کس کا ماتم ہے
ہے پیدا کس کی خاطر ہر گلو سے نالۂ صور آج

بجائے اشک خُوں آنکھوں سے کس کے غم میں جاری ہے
دِلوں پہ کس کا صدمہ ہے جو ہے ہر چشم ناسور آج

نہیں بے وجہ ظُلمت چل بسا ہے کوئی شب بیدار
ہوئے ہیں جمع بہر تعزیت شب ہائے دیجور آج

مثالِ مہر ہے ہر ذرہ راہِ عدم تاباں!
چلے ہیں لے کے عزرائیل کس کی رُوح پُر نُور آج

تلاشِ گورکن ہے کس ملک سیرت کی تُربت کو
اُترتے ہیں فلک سے قُدسیاں بن بن کے مزدور آج

چھُپا وہ کون سا جسمِ سراپا نُور زیرِ خاک
زمیں کے ذرہ ذرہ سے عیاں ہے جلوۂ طُور آج

حسن رخصت ہُوئے دُنیا سے مولانا رشید احمد
انھیں کے واسطے گریاں ہیں آنکھیں دل ہے رنجُور آج

جو کل تک وجہ بینائی تھے ہر اہلِ بصیرت کو
وہی فردوس میں ہیں نُور بخشِ دیدۂ حُور آج

وہ تھی مطلب برآرِ طالبانِ جلوۂ وحدت
تمنّا لائینگے یہ پاس کس کے حسبِ دستُور آج

ابھی تک روز و شب ہم خدمتِ اقدس میں رہتے تھے
خبر بھی جا نہیں سکتی وہ اس قدر دُور آج

قیامت تک اب اہلِ دین کی ہر ایک مجلس میں
رہے گا ذکر ہوتے کاش مولانائے مغفور آج

بتائی کہہ کے یہ ہاتف نے سالِ عیسی و ہجری
چراغاں رہنمائے بابِ دین ہے دیکھ لے نور آج

سنہ ١٩٠٥ء و سنہ ١٣٢٣ھ

ایضاً

رشید احمد جو تھے مفتیٔ عالم
ہوئی جب رُوح پُرنوران کی رخصت

حسن کے مُنہ سے برجستہ نکلا۔

ہوں شمع ہدایت زیب جنّت
۱۳ ھ ۲۳

اُٹھے گا گلشن عالم سے مولانا رشید احمد
یکایک ہو گئے گلزار علم و دیں خزاں دیدہ
حسن یہ چیخ اُٹھا اک ساتھ بعد دفن آنحضرت
ہُوا زیر زمیں شمس الہدیٰ دھر لو شیدہ
۱۳ ھ ۲۳

"قطعہ"

اب کہاں وہ دن کہاں وہ حلقۂ پیرِ مُغاں
اب کہاں وہ ذاتِ اقدس تھی جو رُوحِ میکشاں
وہ مزا وہ حظ وہ دورِ مے کشی جاتا رہا
زندگی اب کیا ہے کیفِ زندگی جاتا رہا

مرثیہ

حکیم الاُمّت حضرت مولانا محمّد اشرف علی تھانوی

نوّر اللہ مرقدہٗ

یہ رحلت ہے کس آفتاب ھُدیٰ کی
یہ ہر سمت ظُلمت ہے کیوں اس بلا کی
یہ کس قُطب الارشاد نے مُنہ چھپایا
کہ دُنیا ہے تاریک صدق وصفا کی
اُٹھا کون عالم سے محبوب عالم
صدا کیوں ہے ہر سمت آہ و بُکا کی
یہ کس کا ہے سوگ آج گھر گھر جہاں میں
احبّا کی قید اور نہ قید اقربا کی

یہ رہ رہ کے اُف کس کی یاد آرہی ہے — یہ کیوں دل میں ٹیسیں ہیں اُف اس بلا کی
کلیجے ہیں کیوں آج شق اہلِ دل کے — جُدائی ہے یہ آج کس دل رُبا کی
یہ کس نے جہاں سے گذر کر جہاں میں — قیامت سے پہلے قیامت بپا کی
یہ دُنیائے دیں میں ہے کیوں آج ہلچل — ہُوئی ہے وفات آج کس رہنما کی
بھٹکتے جو پھرتے ہیں افرادِ اُمّت — ضرورت ہے اُمّت کو کس مقتدا کی
یہ بحرِ حوادث میں کشتئ مُسلم — طلب گار ہے آج کس ناخُدا کی
یہ کس خضر نے آج لی راہِ جنّت — یہ سالک ہیں کیوں نارسائی کے شاکی
طلب آج ہے طالبانِ خُدا کو — بصد حسرت و یاس کس باخُدا کی
بقا کے ہیں آثار اہلِ فنا میں — ضرورت ہے پھر کس کے درسِ فنا کی
بیاں آج ہے کس کے کس کس شرف کا — ثنا آج ہے کس کی کس کس ادا کی
صدا ہے یہ کیوں اللہ اللہ کی ہر سُو — ندا ہے یہ کیوں مرحبا مرحبا کی
کسے کہتے ہیں سب کے تھے سب سے اشرف — قسم ہے خُدا کی، قسم ہے خُدا کی
یہ گُذرا ہے کون ایسا رہبر جہاں سے — کہ تقلید ہے جس کے ہر نقشِ پا کی
کہاں ہے کہاں آج وہ ذاتِ اشرف — نیابت ملی جس کو خیر الورٰی کی
کہاں ہے جو تھا اس صدی کا مجدّد — ہُوئی جس سے تجدید دینِ خُدا کی
وہ فخرِ حکیمانِ اُمت کہاں ہے — تسلّی جو کرتا تھا ہر مُبتلا کی
مریضانِ اُمّت کو یاد آرہی ہیں — شفا بخشیاں کس کے دستِ شفا کی
یہ مثلِ صدف چشمِ جوہر شناساں — تلاشی ہے کس گوہرِ بے بہا کی
مفسر، محدّث، مربّی، مدرّس — کسے آج حسرت نہیں انتہا کی
معارف، حقائق، معانی، دقائق — تلاش ان کو ہے کس کے ذہنِ رسا کی
یہ خُود پارسائی کو بھی جُستجو ہے — بصد رنج و غم آج کس پارسا کی
تکلّف سے گھبرا کے سادہ بزرگی — طلب میں ہے کس بے عبا بے قبا کی
اجابت درِ حق پہ بھٹکی کھڑی ہے — یہ ہے منتظر کس کے دستِ دُعا کی
ہے طالب کرم کس کے دستِ کرم کا — ہے جویاں عطا کس کے دستِ عطا کی
یہ پہلو سے رخصت ہوا کون دلبر — جفا بھی تھی جس کی حقیقت وفا کی
یہ رُخ کس مسیحا نے مجذوبؔ پھیرا — جو ہے غیر حالت دلِ مُبتلا کی

یہ برسات کا بھی مزا کِس نے کھویا
گھٹا کی خبر کچھ نہ بادِ صبا کی

یہ کِس جانِ عالم کا ہے وقتِ آخر
کہ حالت دگرگوں ہے اَرض و سما کی

یہ حیرت میں ہے کیوں فرشتہ اَجَل کا
یہ لوزی سے بھی بڑھ گیا کون خاکی

ہوا آج خلد آشیاں کون طوطی
اَجَل نے یہ کِس کی زباں بے صدا کی

بنی حیرتِ گوشِ باغ جہاں میں
نوا آج کِس بُلبلِ خوشنوا کی

ہوئی بند وہ چشمِ بیمار کِس کی
دَوَا تھی جو ہر علّتِ لا دَوَا کی

رُکیں کِس مسیحا نفس کی وہ سانسیں
صِفت جن کے اَندر تھی آبِ بقا کی

یہ مرکر بھی ھے کون زندہ جہاں میں
یہ جاں کِس نے کِس جانِ جاں پر فِدا کی

فیوض آج بھی اھلِ دل پارہے ہیں
یہ کِس کی فنا بھی ہے مظہر بقا کی

سوادِ عدم سے بھی جو پھُوٹ نکلی
یہ کِس رُوحِ انور کی ہے تابنا کی

یہ کِس جسمِ اطہر کا ھے غُسلِ میّت
کہ خود پاک تر ہو گئی آج پاکی

کفن پوش کون آج فانی حق ہے
کہ دِل کو نہیں اَب تمنا بقا کی

یہ عشاق سے پردہ فرمایا کِس نے
یہ اُف اوڑھ لی کِس نے چادر فنا کی

ہوئی کیا وہ صُورت کہ جب اسکو دیکھا
تو غافل کو بھی یاد آئی خُدا کی

ملائک نے بھی آسماں سے اُتر کر
یہ کِس کی نمازِ جنازہ اَدَا کی

یہ اِس دُھوم سے کِس کا نکلا جنازہ
یہ کیوں ٹوٹ پڑتی ہے خلقت خدا کی

فرشتے بچھاتے ہیں پَر، حُور آنکھیں
یہ میّت اُٹھی کِس شہیدِ وفا کی

اُترنے کو ہے کِس کا لاشہ لحد میں
جو آغوش کھولے ہے رحمت خُدا کی

جو عرشِ معلّٰی ہے ضو بار ھردم
یہ ھے قبر کِس عبدِ ربُّ العلیٰ کی

مَیں حیران ہی تھا کہ ہاتف پکارا
یہ رحلت ھے آج اشرف الاولیاؑ کی

۱۳ ھجری ۶۲

دیگر

اشرف الاولیاءؒ ہوئے رخصت
تھی ہمیں جن کے فیض سے توفیق

دستگیر اب کوئی نہیں اور راہ
تیغ سے تیز بال سے بھی دقیق

لڑکھڑاتے ہیں پاؤں اتنا ہے خوف
آ بنی دم پہ اس قدر ہے ضیق

جس کی حاجت قدم قدم پر تھی
وہ جدا ہو گیا رفیقِ شفیق

سالکوں کی زباں پہ ہر دم ہے
کس سے اب حل ہوں مشکلاتِ طریق

۶۲ ھ ۱۳

دیگر

اشرف جہاں حضرتِ اشرف کی ذات ہے
حق پر بوقتِ مرگ بھی کتنا ثبات ہے

اُکھڑا ہوا ہے دم مگر اللہ رے پختگی
اَب بھی ادائیگیٔ حقوق و صلوٰۃ ہے

ایسے میں کر رہے ہیں حوالے امانتیں
سوئے مرض نہ سوئے تعب التفات ہے

یہ ہے دیانت ایسی دیانت کے سامنے
ساری دیانت اہلِ دیانت کی مات ہے

یہ خاتمہ نہیں ہے یہ ہے حسنِ خاتمہ
سب کو خدا نصیب کرے کیا وفات ہے

مجذوبؔ کو خیال جو تاریخ کا ہوا
ہاتف پکار اٹھا یہی خیر الممات ہے

۶۲ ھ ۱۳

دیگر

ہو گئے ہم سے آہؔ[1] رخصت آہ
شاہ اشرف علی حق آگاہ

رُوح مجروح ہے تو دِل بسمل
کس قدر ہے یہ حادثہ جانکاہ

آپ ہی تو حکیم الامت تھے
اب کہیں کس سے جا کے حال تباہ

---

[1] آہ حضرت حکیم الاُمّتؒ کا تخلص ہے ۱۲ ظہور

جس کو سمجھے تھے دائمی دولت
ہائے وہ ہم سے چھن گئی ناگاہ

قدر نعمت ہوئی ہے بعد زوال
مرتبہ سے ہوئے ہم اب آگاہ

باتیں سننے کو اب ترستے ہیں کان
روئے انور کو ڈھونڈتی ہے نگاہ

چین پاتے نہ تھے جو بے دیکھے
کیسے اب وہ جئیں گے اے اللہ

دل میں ہے سینکڑوں کے یہ حسرت
کیوں ہمیں بھی نہ لے گئے ہمراہ

قطب الارشاد تھے مجدّد تھے
بات بات آپ کی ہے اس پہ گواہ

راہنماؤں کے بھی تھے راہنما
قبلہ گاہوں کے بھی تھے قبلہ گاہ

تھے مکمل طبیبِ روحانی
تھے سب امراض نفس سے آگاہ

نہ چھپا حالِ دل خفی سے خفی
تھے وہ باریک بین و تیز نگاہ

عامی و عالم و ضعیف و قوی
سب کو جو سہل تھی خدا کی راہ

اس کو بھی کر دیا تھا پیروں نے
کتنا مشکل ارے معاذ اللہ

آپ نے دیں سہولتیں ساری
ہاں پھٹکنے دیا نہ نزد گناہ

کر دیں حل ساری مشکلاتِ طریق
کر دیئے دور سب موانع راہ

قلزموں کو بھی کر دیا پایاب
اور کوہوں کو کر دکھایا کاہ

تحت امکان ہر بشر کر دی
باریابیِ بارگاہِ الٰہ

ناامید اس کو بھی نہ لوٹایا
کوئی کیسا ہی آیا نامہ سیاہ

غرض اچھا برا امیر و فقیر
جو بھی پہنچا ہوا وہ حق آگاہ

ایک دنیا کو کر دیا ذاکر
چار سو ہے صدائے الا اللہ

تھے بافراط مال و جاہ مگر
پاس پھٹکی نہ حبِّ مال و جاہ

یوں رہے اس سرائے فانی میں
جیسے منزل کرے کوئی سرِ راہ

منتِ خلق سے تھے مستغنی
کی جو خدمت وہ حسبتاً للہ

شانِ تفویض واہ کیا کہنا
سب سپرد خدا سپید و سیاہ

باہمہ بھی تھے بے ہمہ بھی تھے
کیا عجب شان آپ کی تھی واہ

ایسی تفرید سے ہو واقف کون
ایسی تجرید سے ہو کون آگاہ

فطرت اتنی سلیم تھی کہ ہوئی
بات کوئی نہ بے محل بے گاہ

دوستی کی تو کی خدا کے لئے
دشمنی کی تو وہ بھی کی للہ

ہر محل پر مناسب اُس کے تھا رنگ / گاہ تو کچھ تھے اور کچھ تھے گاہ
دل کشی وہ خدا نے بخشی تھی / قلب کھنچتے تھے سب کے خواہ مخواہ
ہیبتِ حق کا کیا کہوں عالم / فقر میں تھے بہ ہیبتِ صد شاہ
سرنگوں تھے بڑے بڑے سرکش / دم بخود تھے بڑے بڑے ذی جاہ
تھا نہ سامانِ رعب پھر بھی تھا رعب / تھے عجب شاہ بے سریر و کلاہ
اہلِ باطل کی نہ کچھ چلتی تھی / اہلِ حق کے تھے آپ پشت و پناہ
نہ پھرے حق سے گو زمانے نے / کروٹیں لیں ہزار شام و پگاہ
زور مارے بہت حریفوں نے / سب پہ غالب رہے بعونِ اللہ
مرکزِ حق سے عمر بھر نہ ہٹے / واہ کیسی تھی استقامت واہ
رات دن دیں ہی کی بس دُھن تھی / شغل بس ایک ہی تھا شام و پگاہ
استقامت جو ہو تو ایسی ہو / کوئی آساں ہے عمر بھر کا نباہ
ایں سعادت بزورِ بازو نیست / یہ عطا ہوتی ہے بفضلِ الٰہ
نزع میں بھی تھا اہتمامِ حقوق / موت کیا ہے یہ بس فنا فی اللہ
سرِ میّت کوئی ہُوا نالاں / کوئی رویا کسی نے کھینچی آہ
بولا میں چُوم کر جبینِ نیاز / واہ واہ مرحبا جزاک اللہ
اس کو کہتے ہیں پُختہ کاریٔ دیں / ایسے ہوتے ہیں شیر مردِ الٰہ
علمِ دیں کا تھا مشغلہ شب و روز / اہتمامِ عمل تھا شام و پگاہ
تھے شریعت کے آپ مہرِ منیر / تھے طریقت کے آپ مشعلِ راہ
چھا رہی ہے جہاں میں تاریکی / جس طرف دیکھئے اُٹھا کے نگاہ
آپ سے روشنی قلوب میں تھی / اہلِ دل پاتے ہیں دل اپنے سیاہ

سچ یہ احسانؔ[1] نے کہا مجذوبؔ
"بُجھ گیا ہے چراغِ اہل اللہ"

٦٢ ھ ١٣

[1] احسانؔ تھانوی

حقائق و بصائر

یہ حقائق، یہ معانی، یہ روانی، یہ اثر
شاعری تیری ہے اے مجذوب یا الہام ہے

قطعات

بڑے اُکتاؤ نہ تم مجذوبؔ کی
پھر یہ سُن پاؤ گے افسانہ کہاں
کر رہا ہے فاش رازِ حُسن و عشق
پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں

یہ تپش یہ تفتہ جانی پھر کہاں
سُن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں
پھر کہاں مجذوبؔ کی یہ شورشیں
یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

نقل ارشادات مُرشد میکنیم
انچہ آدم میکند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب
نقل میں بھی ہو وہی فیضِ اُتم

کرتا ہے دُنیا میں جو کر دین کے بھی باب میں
اختیار اسباب کر اس عالمِ اسباب میں
بحرِ ہستی میں چلائے جا برابر ہاتھ پاؤں
ورنہ غرقِ آب ہو گا ایک موجِ آب میں

گرتا ہے دُنیا پہ تو پروانہ وار
گو تجھے جلنا پڑے انجام کار
اس پہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں ہشیار
کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

لطف دُنیا کے ہیں کَے دِن کے لئے — کھو نہ جنت کے مزے اِن کے لئے
یہ کیا اَے دل تو بس پھر یُوں سمجھ — تُو نے ناداں گل دیئے تنکے لئے

نفع دینی دیکھ تو دُنیا کی بہبودی نہ دیکھ
مرضیٔ حق پر نظر کر اپنی بہبودی نہ دیکھ
تُو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ
قُدرتِ حق پر نظر کر اپنی کمزوری نہ دیکھ

بہت خوار تھا میں بہت خوار ہوں مَیں — مگر اَب تو آئینۂ یار ہوں مَیں
مَیں مجذُوبؔ بھی اَب ہوں محبوب سب کا — نہیں اَب جو دِلدار، دلدار ہوں مَیں

عقل سے عاشق نہ عاقل عشق سے بیگانہ ہو — جو بھی طالب ہو بیجا عاقل و دیوانہ ہو
الغرض مجذوبؔ ساجامع ہو جذب و ہوش کا — عاقل دیوانہ ہو، دیوانۂ فرزانہ ہو

مَیں ہوں قصدِ سفر ہی میں اَب تک — اَور ساتھی قریبِ منزل ہیں
مَیں کھڑا سوچ ہی رہا ہُوں ابھی — چل پڑے جو طلب میں کامل ہیں

میں یہ کب کہتا ہوں زہد و ہوش سے بیگانہ بن — ہاں مگر مجذُوبؔ سا تو زاہد و فرزانہ بن
عشق سے بھی آشنا کر اپنے زہد و ہوش کو — زاہدِ مستانہ بن، فرزانۂ دیوانہ بن

ہو جو رنگینی تو سنگینی بھی ہو — ہو جو سنگینی تو رنگینی بھی ہو
لُطف جب ہے عشق بھی ہو عقل بھی — تجھ میں ترشی بھی ہو شیرینی بھی ہو

حرص و ہوا میں اے بشر قلب کو مُبتلا نہ کر — بخشش ربّ ہے یہ گہر اسکی چمک فنا نہ کر
کر نہ خراب آب و گِل تا نہ ہو پیشِ حق خجل — دل کو لگا بہ کارِ دل، حسرتِ ماسوا نہ کر

جلا کردۂ دستِ دلدار ہوں میں
سیہ دل تھا یا اب پُر انوار ہوں میں
سنوارا ہے کس درجہ بگڑے ہوئے کو
مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں میں

مستی ترے اندر ہے مگر نور نہیں ہے
جلوے سے یہ مستی ابھی معمور نہیں ہے
وابستہ کر اب عشق کو تو حُسن سے مجذوبؔ
وہ جان سے بھی پاس ہے کچھ دُور نہیں ہے

ناممکناتِ شوق کا جلوہ دکھا دیا
پہلو میں ان کو لاکے بٹھا کے دِکھا دیا
لسانی رقیب نثارِ دلِ حزیں
اک آہ میں فسانہ سُنا کے دِکھا دیا

حاضر یہ شرمسار ہے سر اپنا خم کئے
اور آنکھ اپنی اشکِ ندامت سے نَم کئے
ناشکریوں پہ اپنی گڑا جا رہا ہوں میں
اِتنے کرم کئے ہیں کہ گویا سِتم کئے

جہاں ہو گی برکت وہ ہو گی یہیں کی
ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطبِ ارشادِ عالم
یہ تھی تربیت گاہ رُوئے زمیں کی

لو اس سے لگائے ہوئے نام اس کا لیے جا
ہاں جام پہ جام اسکی محبّت کے پیئے جا
بس ذکر اور فکر میں دن رات لگا رہ
انجام کو چھوڑ اس پہ خود اپنی سی کیئے جا

کوشش و ہمّت کئے جا ہاں توکل بر خُدا
کامیابِ آخرت ہونا اگر منظُور ہے
سعی دیں تو بالیقیں ضائع کبھی ہوتی نہیں
وعدۂ حق ہے کہ سعیِ آخرت مشکُور ہے

طبیعت کی رَو زور پر ہے تو رُک
وگرنہ یہ حد سے گذر جائے گی
ہٹا لے خیال اس سے کچھ دیر کو
چڑھی ہے ندی اُتر جائے گی

کسبِ دُنیا تو کر ہوس کم رکھ
اس پہ تُو دین کو مقدّم رکھ
دینے لگتا ہے پھر دھواں یہ چراغ
اِک ذرا اس کی لو کو مدھم رکھ

اک بے تعلقی سی بس اب ہر کسی سے ہے
اک ربطِ مستقل جو میسّر کسی سے ہے
اے وہ کہ جس نے خلق سے بیگانہ کر دیا
اُمید ہے کسی سے نہ اب ڈر کسی سے ہے

لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو
دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
بس یہ تو کر لے اگر حاصل دوام
پھر تو بس کچھ دن میں بیڑا پار ہو

ظاہر و باطن کا ہر چھوٹا گُناہ
اس سے بچ رہرو کہ ہے وہ سدِّ راہ
لب پہ ہر دم ذکر بھی ہو دل میں ہر دم فکر بھی
پھر تو بالکل راستہ ہے صاف تا دربارِ شاہ

جو بھی عالم میں ترا عالم رہے
بس سرِ تسلیم تیرا خم رہے
عشق میں جبتک ہے تیرے دم میں دم
بس تصوّرِ یار کا ہر دم رہے

چھوڑ مینا و جام کی باتیں
اب ہوں پیری میں کام کی باتیں
دن کی باتوں کا اب یہ وقت نہیں
شام ہے اب ہوں شام کی باتیں

تربیت دیکھ تیری مضمر ہے
مختلف واقعاتِ عالم میں
تنگ نیرنگیٔ جہاں سے نہ ہو
شکر کر شادی میں صبر کر غم میں

اب اور ہی کچھ ہے مرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہے اک اُن سے ملاقات کا عالم
اب دل میں شب و روز جو ہے اُن کا تصوّر
فرقت میں بھی رہتا ہے ملاقات کا عالم

خود پیر ہے مجذوبؔ کے جذبات جواں ہیں
زیرِ اثر پیرِ خرابات جواں ہیں
ہو جاتی ہیں سب زندہ جو ہیں مُردہ امنگیں
پیری میں بھی ہم وقتِ ملاقات جواں ہیں

کام جتنے ہیں گدا و شاہ کے
قبضۂ قدرت میں ہیں اللہ کے
کارسازِ دو جہاں پر ہے نظر
ناز اُٹھائیں کیوں ہم اہلِ جاہ کے

یہ مانا کہ ہے عشق میں جوش لازم — مگر رہ نہ مجذوبؔ تو جوش ہی پر
بنے گا نہ بے ہوش ارے کام تیرا — کہ تکمیل موقوف ہے ہوش ہی پر

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے — کیسے دُنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے
اب تو ذوقِ حسن اپنا یہ کہے ہو کر بلند — حسن اوروں کیلئے حسن آفریں میرے لئے

مجذوبؔ ابھی تو ہے زباں کا سخن آرا — خاموش ہو دل کا بھی ہو اب انجمن آرا
دیکھ آ کے ذرا غیرتِ صد بزم ہے خلوت — باز آ کہ بہت دن تو رہا انجمن آرا

ترے خیال پہ ہیں مبنی ترے دو عالم — پایا جو اس پہ قابو قبضہ میں دو جہاں ہیں
چھوڑا جو اس کو تو نے مرضی پہ اسکی اے دل — سب کام تیرے بگڑے بس پھر تو دو جہاں میں

ہوش میں مجذوبؔ آ ہشیار ہو — حد سے گذری غفلت اب بیدار ہو
عمر سی انمول شے ضائع نہ کر — آخرت کے واسطے تیار ہو

جب موٹر کار خریدی تو اس پر فرمایا :-

عیش ہے، عزت ہے، موٹر کار ہے — اور اس دنیا میں کیا درکار ہے
آخرت کی نعمتیں بھی ہوں نصیب — اے خدا تیری بڑی سرکار ہے
اُس جہاں کی نعمتیں بھی ہوں عطا — پھر تو یارب اپنا بیڑا پار ہے

ہوس ہے وصل کی تو وصل کا سامان پیدا کر
ابھی آتا ہے وہ آغوش میں ارمان پیدا کر
نہ ہنس اے معترض مجذوب کی پہچان پیدا کر
سمجھداروں میں رہ کر کچھ سمجھ نادان پیدا کر

جس قلب کی آہوں نے دِل پھونک دیئے لاکھوں
اُس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہو گی
جنّت میں مِلے گا وہ جس کی ہے جسے راحت ہو
ہم کو تو پسند اپنی شوریدہ سری ہو گی

منعم بے خبر نہ ہنس میرے شکستہ حال پر
تیری نظر ہے مال پر میری نظر مآل پر
مچلے کیوں میری نظر باغ کے ہر نہال پر
چھُو ما ہوں پھُول پھُول پر چہکا ہوں ڈال ڈال پر

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کامِ زندگی — ہو چُکا پُر اب چھلکنے کو ہے جامِ زندگی
جو تجھے کرنا ہے کر لے آخری سانسیں ہیں اب — بھیس میں اس صبحِ پیری کے ہے شامِ زندگی

کتنی ہی مشکلات ہوں پرواہ نہ چاہیئے — اقدام راہِ حق میں دلیرانہ چاہیئے
لیکن یہ گُر رسائیٔ منزل کا یاد رکھ — کوشش تو خُوب چاہیئے دعویٰ نہ چاہیئے

سارا جہاں خلاف ہو پرواہ نہ چاہیئے — مدّنظر تو مرضیٔ جاناں نہ چاہیئے
اَب اُس نظر سے جانچ کے کر لے تو فیصلہ — کیا کیا تو کرنا چاہیئے کیا کیا نہ چاہیئے

فکرِ حصولِ مرضیٔ جاناں نہ چاہیئے — اُس دُھن میں جو بھی حال ہو پرواہ نہ چاہیئے
ہر ہر قدم پہ راہِ طلب میں ہیں مشکلیں — ہر ہر قدم پہ ہمّتِ مردانہ چاہیئے

کہاں آ کر پھنسے مجذُوبؔ تم غفلت شعاروں میں
تمہیں تو ہم سمجھتے تھے نہایت ہوشیاروں میں
بہاریں لُٹ گئیں دل کی یہاں رہ کر بہاروں میں
ہزار اچھا تھا اس سے تو وہ رہنا اپنا خاروں میں

یہ بنی دُنیا برائے دردِ دل — ہیچ ہے ہر شے برائے دردِ دل
عیش دُنیا کیا ہمیں مرغوب ہو — ہم ہیں لذت آشنائے دردِ دل

منبع صد کرم ترا لطف بھرا عتاب تھا — سارے تعلقات کا ایک وہ فتح باب تھا
دیکھا جو چشمِ غور سے بحرِ جہاں سراب تھا — سمجھے تھے جس کو واقعہ آنکھ کھلی تو خواب تھا

کِس کام کا وہ دِل ہے جس دل میں تُو نہ ہو
بس نام کا وہ گُل ہے کہ جس گل میں بُو نہ ہو
حُجروں میں لاکھ بیٹھئے خلوت مگر کہاں
جب تک کہ جان و دل میں بسا تُو ہی تُو نہ ہو

نفع دُنیا کا جو سُن لے نام بھی — سہل ہو مشکل سے مشکل کام بھی
اس پہ راحت بھی فِدا آرام بھی — روز و شب دُھن اسکی صبح و شام بھی

ڈھونڈتا ہے دل وہی کیف آفریں ماحول پھر
وہ بہاریں اَب کہاں جو ہائے میخانہ میں تھیں
مستیاں ہر سُو برستی تھیں در و دیوار سے
اور وہاں کیفیتیں سَو خُم کی پیمانہ میں تھیں

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذُوبؔ شاد رہ
جذبات ہیچ ہیں جو مرتّب عمل نہ ہو
کتنے ہی خوشنما ہوں فریبِ نظر سمجھ
جھوٹے ہیں پھُول بعد کو پیدا جو پھل نہ ہو

ترکِ دُنیا کر نہ ہر لذّت کو چھوڑ　　　معصیت کو ترک کر غفلت کو چھوڑ
نفس و شیطاں لاکھ درپے ہوں مگر　　　تو نہ ہرگز ذکر اور طاعت کو چھوڑ

راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ　　　راہ چلنا راہرو کا کام ہے
تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر　　　یہ ترا راہرو خیالِ خام ہے

بے خبر ننگ سے ناموس سے بیگانہ بنے　　　جس کو مجذوب سا بننا ہے وہ دیوانہ بنے
سُن لیں سب ہاں علی الاعلان کہے دیتا ہوں میں　　　جس کو دیوانہ نہ بننا ہو وہ اس کا نہ بنے

قلبِ غمگیں میں نہ تھا کچھ غم تمہارے سامنے　　　ہم تو ہنستے ہی رہے پیہم تمہارے سامنے
جو ہمارا حال ہے وہ اُف تمھیں معلوم کیا　　　اور بھی کچھ ہو گئے تھے ہم تمہارے سامنے

مجذوب سے بھی اب ہے محبت پس حبیب　　　محبوب اب ہے جو بھی محب ہے حبیب کا
ذی شان، ذی ہنر ہے نہ بیچارہ متقی　　　کچھ عقل ہے نہ ہوش بجا ہے غریب کا

اس انہماکِ شعر میں سچ ہے یہ معترض　　　اپنی خبر نہ پاس عزیز و قریب کا
مجذوب کو مگر نہیں مقصود شاعری　　　کوئی بہانہ چاہیئے ذکرِ حبیب کا

فیضان وہ علوم و نکاتِ عجیب کا
مجمع وہ شیخ و شاب و امیر و غریب کا
اب اور کوئی بزم نگاہوں میں کیا جچے
دیکھے ہوئے ہوں رنگ میں بزمِ حبیب کا

ہٹتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا　　　وہ مست ہوں میں نغمہ رانیِ قریب کا

مجذوب خستہ حال سمجھتے ہیں سب جسے　　　کیا جانے حال خوش کوئی اس خوش نصیب کا

گو حال ہے خستہ بہت مجھ غریب کا　　ذلّہ ربا مگر ہوں میں خوانِ حبیب کا
محروم فیضِ شاہ سے یہ بھی گدا نہیں　　پایا درِ حبیب سے جو تھا نصیب کا

کیا خستہ حال دیکھتے ہو مجھ غریب کا
مجھ سا بھی کوئی ہو گا نہ اچھا نصیب کا
مجذوبؔ مست و بیخودِ حیرت تو ہوں مگر
آئینہ جمال ہوں اپنے حبیب کا

یہ کیا زاہدِ خشک تو چاہتا ہے　　کہ ہر شے کا دل سے خلو چاہتا ہے
عبث ہے عبث سعی ترکِ تمنّا　　کہ دل فطرتاً آرزو چاہتا ہے

اے مالکِ قضا و قدر جان و دل سے میں
راضی ہوں اس پہ جو بھی لکھا ہو نصیب کا
رو رو کے عرض حال بادب یہ ضرور ہے
ٹھنڈا نہ ہونے پائے کلیجہ رقیب کا

شیطان و نفس دونوں ہیں دشمن ترے مگر
دشمن وہ دور کا ہے یہ دشمن قریب کا
اِس مارِ آستیں کا نہ کچلا جو سر تو پھر
منتر ہو کارگر نہ مداوا طبیب کا

رہبر جو ڈھونڈ آپ دیارِ حبیب کا　　ہرگز نہ دیکھ فرق امیر و غریب کا
مجذوبؔ کا رقیب ہو سالک کا ساتھ چھوڑ　　آ اِس طرف کہ جذب ہے رستہ قریب کا

لا وسوسہ بھی دل میں نہ جبرِ حبیب کا
قائل نہیں ہیں اِس ترے عشقِ عجیب کا
وقتِ گناہ پیشِ نظر حظِ نفس تھا
یا یہ کہ وہ کروں جو ہے لکھا نصیب کا
عذرِ گناہ یہ ہے ترا بدتر از گناہ
کیا خوب قول ہے کسی قابل ادیب کا

ہاں چل سکے نہ بس کوئی دستِ رقیب کا — چھٹنے نہ پائے ہاتھ سے دامن حبیب کا
دُور، از حبیب کرنے میں ہر دم تُلا ہے دیکھ — یہ نفس بدسگال یہ دشمن قریب کا

اَوروں کی عرض پر بھی ارے کچھ تو کان دھر
بس کر چکا بہت ارے کہنا رقیب کا
مجذوبؔ کر رہا ہے ارے کب سے منتیں
بیتی اب اُس کی سُن ارے دل رکھ غریب کا

اللہ رے جذب و حیرتِ دیوانہ آج کل
گھیرے ہوئے ہیں جاہل و فرزانہ آج کل
مجذوبؔ لو لگائے جو بیٹھا ہے یار سے
اک شمع بن رہا ہے یہ پروانہ آج کل

مجذوبؔ گو ہے خلق سے بیگانہ آج کل — گو محوِ یادِ یار ہے دیوانہ آج کل
دُنیائے جان و دل میں مگر اُس سے رات دن — ہر سُو ہے نشر جلوۂ جانانہ آج کل

پوچھو نہ جوشِ مستیِ دیوانہ آج کل — صد شیشہ در بغل ہے یہ مستانہ آجکل
بزمِ جہاں میں دَور ہے مجذوبؔ مست کا — خالی رہے گا کیا کوئی پیمانہ آجکل

پی پی کے ہیں وہ نعرۂ مستانہ آجکل — اک حشر گاہِ کیف ہے میخانہ آجکل
گویا منادیاں ہیں یہ مجذوبؔ مست کی — آجائے ھر کوئی لئے پیمانہ آجکل

رہتی ہے دُھن تری ھمہ اوقات آجکل
کھویا ہُوا سا رہتا ہوں دن رات آجکل
کیا جانے کیا جواب دُوں کیا جانے کیا سُنوں
مُجھ سے کوئی کہے نہ کوئی بات آجکل

مجذوبؔ کو کہاں تھا یہ احساسِ زندگی — کچھ ہوش میں ہے کیا ترا دیوانہ آجکل
وحشت ہے گھر سے اُنس ہے صحرا سے اُن دنوں — یکساں نہیں ہیں خانۂ و ویرانہ آج کل

ہوں خواہشاتِ نفس سے بیگانہ آجکل
مدِّنظر ہے مرضئ جانانہ آجکل
سر پہ لیا ہے بارِ امانت اٹھا کے پھر
اللہ رے زورِ ھمّتِ مردانہ آجکل

وہ ملتفت ہے نرگسِ مستانہ آجکل
سرشاریاں ہیں بے مے و میخانہ آجکل
مجذوبؔ خستہ حال کی خوشحالیاں نہ پُوچھ
کیا کیا ہیں ان کے لُطف کریمانہ آجکل

دیوانہ کس بلا کا ہے دیوانہ آجکل
چھوڑا جہاں میں کوئی نہ فرزانہ آجکل
مجذوبؔ ہی کی حلقہ بگوشی میں سب ہے
دُنیا ہے اہلِ عقل سے بیگانہ آج کل

حاوی جہاں پہ ہے دل مستانہ آج کل
اک جامِ جم ہے یہ مرا پیمانہ آج کل
با وصفِ اختلافِ طبائع پسند ہے
میرا ہی سب کو مشربِ رندانہ آج کل

مسجد بھی ہے نگاہ میں مے خانہ آج کل
تسبیح بھی ہے گردشِ پیمانہ آج کل
اللہ رے جوشِ مجذوبؔ ان دنوں
دیوانہ ہو رہا ہے یہ مستانہ آج کل

انوارِ مے سے دل ہے پری خانہ آجکل
صد شمع در بغل ہے یہ پروانہ آجکل
جاذب ہزار حسن ہو اٹھتی نہیں نظر
مجذوبؔ ہر حسیں سے ہے بیگانہ آجکل

دل کس نگار کا ہے جلوہ خانہ آجکل
نظریں ہیں عرش پر بھی حریفانہ آجکل
ہر دم ہے ایک بارشِ انوار قلب پر
ہر وقت ہے تصوّرِ جانانہ آج کل

فطرت ہے مست رُوح ہے مستانہ آجکل
شیشہ ہے قلب دیدہ ہے پیمانہ آجکل
دَورانِ خُوں میں کیف ہے دورِ شراب کا
مجذوبؔ اپنا آپ ہے میخانہ آجکل

اہلِ جہاں سے لاکھ ہے **بیگانہ** آجکل
خلقِ خدا ہے پھر بھی تو **پروانہ** آجکل
مجذوبؔ کی طرف نہ کھنچیں کیوں سبھی کے دل
جانِ جہاں کی دُھن میں ہے **دیوانہ** آجکل

ساری فضائے دھر ہے **مستانہ** آجکل
دَورِ فلک ہے گردشِ **پیمانہ** آجکل
ھر شے میں کیف ہے جو طبیعت میں کیف ہے
سارا جہاں نظر میں ہے **میخانہ** آجکل

ھر ماسوائے دل جو ہے **بیگانہ** آجکل
سارا جہاں نظر میں ہے **ویرانہ** آجکل
چھپتا نہیں نگاہِ حقیقت شناس میں
میخانہ اِن دنوں ہے **پری خانہ** آجکل

دن رات مَیں ہوں اور ہے **ویرانہ** آجکل
تیری ھی دُھن میں ہے ترا **دیوانہ** آجکل
اب دوستی رھی ہے کسی سے نہ دُشمنی
کوئی جہاں میں اپنا نہ **بیگانہ** آجکل

بے صدر کی ہے محفلِ **رندانہ** آجکل
بے وقت کا ہے نعرۂ **مستانہ** آجکل
پیرِ مُغاں کے دم سے تھا سب نظمِ میکدہ
میخانہ کیا ہے کھیل ہے **میخانہ** آجکل

مجذوبؔ کو کسی کا نہیں ہوش ان دنوں　　جانے یہ کس کی دُھن میں ہے دیوانہ آجکل
احباب و اقربا ہوں نہ شا کی غریب سے　　یہ اپنے آپ سے بھی ہے بیگانہ آج کل
مجذوبؔ ہے بس مَے و پیمانہ آجکل　　کیا کیا ہیں پی کے نعرۂ مستانہ آجکل
حسرت یہ ہے کہ دیکھتے اُے کاش آپ بھی　　جس کیف میں ہے آپ کا دیوانہ آجکل

مجذوبؔ ماسوا سے ہے بے گانہ آج کل
تیری ہی دُھن میں ہے ترا دیوانہ آج کل
اِک تجھ سے باخبر ہے بس اَور سب سے بے خبر
کیا ہوش مند ہے ترا دیوانہ آج کل

مخمور یادِ یار ہیں اوقات آجکل
ڈُوبے ہوئے ہیں کیف میں دن رات آجکل
فیضِ یقیں سے قلب ہے محوِ مشاہدہ
وسواس ان دنوں ہیں نہ شبہات آجکل

بعض عُلماء کی مجذوبؔ کے پاس ازراہ جنوں نوازی آمد پر

آپے میں کب ہے عاقل و فرزانہ آجکل　　سب ہوش سے ہیں دیکھئے بیگانہ آجکل
دیوانہ وار گھیرے ہیں مجذوبؔ کو سبھی　　دیوانہ کس بلا کا ہے دیوانہ آج کل

نزع میں کچھ خاطرِ بیمار کرنا چاہیئے
اَب تو پُورا وعدۂ دیدار کرنا چاہیئے
اختیار اَب شیوۂ اغیار ہونا چاہیئے
عرض جب بیکار ہو اصرار کرنا چاہیئے

کیا دو روزہ زندگی کا یہ قرینہ چاہیئے
مرنے والے کی طرح دُنیا میں جینا چاہیئے

مریضِ جاں بلب ہو کر مَیں پہنچا ہُوں مگر کیا ہے
خُدا رکھے سلامت چشمۂ آبِ بقا تم ہو

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہُوں
مٹا دیجیئے مٹا دیجئے یہاں سے مٹنے کو آیا ہُوں

شیخ کے ہیں تین حق رکھ ان کو یاد
اعتماد و اعتقاد و انقیاد

کھائے ایسا بھی تصوّر سے نہ دھوکا کوئی
رہ گیا کھول کے آغوشِ تمنّا کوئی

یہ غیر ہے یہ ہے **مجذُوبؔ** دونوں حاضر ہیں
اب آپ کی نظرِ انتخاب دیکھیں گے

مرا بیاباں رہے سلامت بڑے مزے سے گُذر رہی ہے
نہ اِس میں صیاد کا ہے کھٹکا نہ اِس میں اندیشۂ خزاں ہے

مَیں ہُوں مریضِ عشق مرا دل نڈھال ہے
اِس پہ نہ جائیں آپ کہ چہرہ بحال ہے

پڑے اُف نہ کمسن حسینوں سے پالا
وہ معصُوم نظریں وہ منہ بھولا بھالا

صباء آتی ہے کس کے کوچۂ گیسو سے تُو ہو کر
پریشان ، بدحواس آشفتہ لیکن مشک بُو ہو کر

رُوپ کیا کیا بھرتا ہے بہروپیہ
سو جتن کرتا ہے بھرِ روپیہ

کہاں یہ خوش رنگ تتلیاں اور کہاں وہ بدرنگ خشک تنکے
مگر قفس پھر بھی اُف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے

غزل پڑھنے کو مجذُوب بے تابانہ آتا ہے
سنبھل بیٹھو، سنبھل بیٹھو کہ اَب دیوانہ آتا ہے

حظ گُنہ میں جب گُنہ تو کرچُکا پھر کچُھ نہیں
اک ذرا سی دیر کا ہے یہ مزا پھر کچھ نہیں

ہوتا ہے نفس زیر ابھی رحمتِ کردگار سے
کام تو لے کے دیکھ لے تُو ہمّت و اختیار سے

عندلیبِ بوستانِ راز ہُوں
ہمنوائے بُلبلِ شیراز ہوں

توجہ کا ہُوں میں بھی منتظر آلودۂ عصیاں
اِدھر بھی ایک موج اپنی کہ دریائے رَواں تم ہو

بتایا ہے جو گرُ حضرت نے اِستحضارِ ہمّت کا
عجب اِک نسخۂ اکسیر ہے اِصلاحِ اُمّت کا

بہار آ رہی ہے مزے آ رہے ہیں
خم و جام و مینا بھرے جا رہے ہیں

یہ وہ جگہ ہے میکدہ غم کا گزر جہاں نہیں
گردشِ جام ہے یہاں گردشِ آسماں نہیں

قبض میں بھی بسط کا تو لطف لے
بے تسلّی بھی تسلّی چاہیے
ہے جلالی تو جمالی گو نہیں
چاہے جیسی ہو تجلّی چاہیے

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی
ہمّت پہ ہے منحصر درستی
فرما گئے ہیں حکیم الاُمّت
سُستی کا علاج بس ہے چستی

رکھ ہمیشہ نظر میں دو باتیں
اے دو عالم کی خیر کے طالب
شرع غالب نہ عقل پر ہو، کبھی
اور نہ ہو عقل شرع پر غالب

چاہے اطمینان اگر مجذوبؔ تو
کر نہ کیفیات کی ہرگز ہوس
عقل و ایماں ہیں رفیقِ دائمی
آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو
سو مرتبہ بھی ہار کے ہمّت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کے بھی نہ پچھڑا ہوا سمجھ
ہر وقت اس چپیٹ سے رَہ ہوشیار تو

نہ چِت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کُشتی تو ہے عُمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

جو ناکام ہوتا رہے عُمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبّت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹُوٹے تو سو بار جوڑے

رہِ عشق میں تگ و دَو ضروری
کہ یوں تا بمنزل رسائی نہ ہو گی
پہنچنے میں ہو گی جو حد درجہ کلفت
تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہو گی

کہاں تیری مجذوبؔ ژولیدہ حالی
کہاں باریابیِ درگاہِ عالی
مگر ہو نہ مایوس پھر بھی کرم سے
یہ حسرت بھی تیری نہ جائے گی خالی

تجھ کو جو چلنا طریقِ عشق میں دشوار ہے
تُو ہی ہمت ہار بیٹھا ہے ہاں تُو ہی ہمت ہار ہے
ہر قدم پر تُو جو رہرو کھا رہا ہے ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

طلب تیری مجذوبؔ اگر تام ہو
ابھی زیبِ پہلو دلآرام ہو
یہ کوشش کی جو تیری ہے کوشش نہیں
وہ کوشش ہی کب ہے جو ناکام ہو

یہ مجذوبؔ وحشی کو مثل اپنے سالک
بٹھانا جو حجرے میں تُو چاہتا ہے
پسند اپنی اپنی ہے ظرف اپنا اپنا
مرا جذب میدانِ ہُو چاہتا ہے

شر سے ہے کون سا بشر خالی
ہاں مگر ہو نہ شر ہی شر خالی
کچھ تو سامانِ خیر ہو دل میں
اب تو ہے تیرا گھر کا گھر خالی

سختیٔ رہ سے نہ ڈر اِک ذرا ہمت تُو کر
گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک
ابتدا کرنا ہے مُشکل اِنتہا مشکل نہیں

تُو گناہوں کا خود ہے ذمّہ دار
آڑ تقدیر کی نہ لے زنہار
تیرے اِس عُذر پر ہے یہ صادق
خُوئے بدرا بہانہ بسیار

دیکھ تو آتشیں رُخوں کو نہ دیکھ
اُن کی جانب نہ آنکھ اُٹھا زنہار
دُور ھی سے یہ کہہ الٰہی خیر
وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

مرے سب درد کھوئے دردِ دل نے
یہی درماں بھی ہے آزار بھی ہے
محبّت کو جو دیکھے جس نظر سے
یہی پُرخار بھی گلزار بھی ہے

جو کھیلوں میں تُو نے لڑکپن گنوایا
تو بدمستیوں میں جوانی گنوائی
جو اَب غفلتوں میں بڑھاپا گنوایا
تو بس یہ سمجھ زندگانی گنوائی

مترس از بلائے کہ شب درمیان است
یہ کہہ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے
ارے کوچ گو صبح ہونے پہ ہو گا
مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے

مُطرِب خوش نوا بگو تازہ بہ تازہ نَو بہ نَو
چُپ نہ ہو ہائے چُپ نہ ہو گائے جا ہائے گائے جا
کیف نہ ہونے پائے کم پاس نہ آنے پائے غم
اَرے مرے دافِعِ الم، نغمے یونہی سنائے جا

مری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو
بڑھاپا نہ بچپن نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یادِ دلبر میں گذریں
وہی ہیں وہی میری کُل زندگانی

قبول عشق میں مطلوب ہے وصول نہیں
وصول ہیچ ہے مجذوبؔ اگر قبول نہیں
وصول اس کو نہ ہرگز سمجھ فضول ہے وہ
ہو لاکھ ایسا وصول اس میں کچھ حصول نہیں

چار شرطیں لازمی ہیں استفاضہ کیلئے
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد
یہ مقفیٰ قول ہے رنگین بھی سنگین بھی
حضرتِ مُرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عُمر یاد

ترا آستاں اَب کہیں چھوٹتا ہے
جدھر آ گئے ہم اُدھر آ گئے ہم
نہ اَب بُت پرستی نہ اب مے پرستی
یہ سب چھوڑ کر تیرے گھر آ گئے ہم

غم عشق جا کر بھی غم کم نہ ہو گا
کہ پھر غم نہ ہونے کا کیا غم نہ ہو گا
نہ کر غم کے جانے کی ہرگز تمنّا
گیا غم تو یہ دل کا عالم نہ ہو گا

نظم جہاں میں ہر طرف اَب اختلال ہے
عالم تمام مظہرِ شانِ جلال ہے
کچھ اس کا لُطف اہلِ محبّت سے پُوچھیے
شانِ جلال بھی انہیں شانِ جمال ہے

وہ کتنا ہی شکستہ ہو وہ کتنا ہی نکمّا ہو
نظر بر لُطفِ ساقی ہاں کیے جا پیش جام اپنا
بھرے گا یا نہیں کتنا بھرے گا اور بھرے گا کب؟
سروکار اِس سے کیا تجھ کو کیے جا تو تو کام اپنا

یہ کِس نے زمانے سے پھیریں نگاہیں
زمانے میں کیا اِنقلاب آ رہا ہے
جو رات آ رہی ہے بُری آ رہی ہے
جو دن آ رہا ہے خراب آ رہا ہے

فزوں اَب تو ہر سانس پر دردِ دل ہے
سکوں چارہ گر ہو گا جب دم نہ ہو گا
عبث ہے عبث ہے مداوا عبث ہے
نہ ہو گا نہ ہو گا یہ اب کم نہ ہو گا

سمجھتے ہیں اہلِ ممالک تو یہ
کہ بس بادشاہت بڑی چیز ہے
مگر جو ہیں اہلِ نظر ، اہلِ دل
وہ کہتے ہیں چاہت بڑی چیز ہے

جُوا کب غلامی کا ہے زیبِ مُسلم
کہ ہر چیز موزوں ہے اپنے محل میں
یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

ولّب پٹیل (خواجہ صاحب کے کلاس فیلو کے سوال پر جواب۔

مرا نقشِ ہستی نہیں مٹنے والا
بتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے
اسے مٹنے میں یہ مٹ جائیں گے سب
کہ یہ نقشِ سجدہ ہے قشقہ نہیں ہے

جائے جسے مجذوبؔ نہ زاہد نظر آئے
بھائے نہ جسے رند وہ پھر کیوں ادھر آئے
سو بار بگڑنا جسے منظور ہو اپنا
وہ آئے یہاں اور بچشم و بسر آئے

کاشانۂ مجذوبؔ ہے منزل گہِ مستاں
جو اہلِ خرد آئے یہاں سوچ کر آئے
فرزانہ جسے بننا ہے جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو بس وہ ادھر آئے

احسان جتا کر نہ کوئی میرے گھر آئے
احسان مرا مان کر آئے اگر آئے
بیٹھا ہُوں غنی ہو کے مَیں ہر شاہ و گدا سے
سو بار غرض جس کو پڑے وہ ادھر آئے

اِس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو با چشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستانِ خُدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

مجذوبؔ ہے اب جلوۂ مستانہ کسی کا
وہ اَب نہیں اپنا ہو کہ بے گانہ کسی کا
وہ بزم ہے اَور اِک نئی ھر سُو ہے تجلّی
شمعوں سے گھرا بیٹھا ہے پروانہ کسی کا

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پُوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پُوچھے
شب و روز ہیں مجذوبؔ اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پُوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پُوچھے

سوچ ماضی کو نہ استقبال کو
ٹھیک رکھ تو تو بس اپنے حال کو
کیا ہوا کیا ہوگا اس غم میں نہ پڑ
تو عبث سر لے نہ اس جنجال میں

دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں
اس فکر کے پاس بھی نہ جانا
دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر
تیرا تو فرض ہے دل لگانا

لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری
نہ پڑ امرِ غیر اختیاری کے پیچھے
عبادت کئے جا مزہ گو نہ آئے
نہ آدھی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے

جبل گردد اے دل جبلّی نہ گردد
یہ مانا درست اب جبلّت نہ ہوگی
مگر فعلِ بد سے تو بچنا ہے ممکن
تری طبع بد پر عقوبت نہ ہوگی

تو ہو کسی بھی حال میں مولا سے لو لگائے جا
قدرت ذوالجلال میں کیا نہیں گڑگڑائے جا
بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرہ میں پھڑپھڑائے جا

اَشک یُوں ہی بہائے جا دِل کی لگی بُجھائے جا
آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتشِ غم بڑھائے جا
حُسن تماشہ دوست کو عشق کرشمہ ساز تو
کھیل یُونہی نئے نئے شام و سحر دکھائے جا

ضربیں کِسی کے نام کی دل پہ یونہی لگائے جا
گو نہ مِلے جواب کچھ دَر یُونہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں دَر اُس پہ ہو کیوں تری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

تیری بلا سے کچھ بھی ہو تُو تو بس اَدا دکھائے جا
روتا ہے روئے کُل جہاں تو یونہی مُسکرائے جا
غم سے کہاں فراغ ہے دل پہ تو روز داغ ہے
قبضہ میں تیرے باغ ہے نت نئے گل کھلائے جا

ہاں مجھے مثلِ کیمیا خاک میں تُو مِلائے جا
شان مری گھٹائے جا رُتبہ مرا بڑھائے جا
سب ہوں حجاب برطرف دیکھوں تُجھی کو ہر طرف
پردے یُونہی اُٹھائے جا، جلوے یونہی دکھائے جا

جام پہ جام لائے جا، شانِ کرم دِکھائے جا
پیاس مری بڑھائے جا روز نئی پلائے جا
پُوری نہیں ہے بے خودی کرتا ہوں مستیاں ابھی
ہوش مرے اُڑائے جا اور ابھی چھکائے جا

دیکھ یہ راہِ عشق ہے ہوتی ہے بس یُوںہی یہ طے
سینہ پہ تیر کھائے جا آگے قدم بڑھائے جا
یہ نہیں ظلمِ دشمناں یہ ہے جفائے جانِ جاں
صُورتِ ابر تو بھی روتے میں مُسکرائے جا

مُطرِبِ خوشنوا ترا دونوں جہاں میں ہو بھلا
روزِ الست جو سُنا، نغمہ وہی سُنائے جا
یہ تری شانِ آب و گِل تجھ سے ملک بھی ہیں خجل
جس نے دیا ہے دردِ دل گیت اسی کے گائے جا

رہنا نہ چاہیے تو اگر مُفت کے انتشار میں
پیشِ نظر یہ گُر رہے دیکھ تلاشِ یار میں
اپنے جو بس کی بات ہو رہ بس اسی میں منہمک
پیچھے نہ اُس کے پڑ کبھی جو نہ ہو اختیار میں

وساوس جو آتے ہیں اُس کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلانا بُرا ہے
خبر تجھ کو اِتنی بھی ناداں نہیں ہے
وساوس کا آنا کہ لانا بُرا ہے

مالک ہے جو چاہے کرے تصرّف
کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہُوں میں مطمئن کہ یاربّ
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

کام کر دل لگا کے پھر بھی اگر
نہ لگے دل تو کچھ ملال نہ کر
حسبِ ارشاد حضرتِ مرشد
فعل کر فکرِ انفعال نہ کر

بدلے نہ کہیں عالمِ ایجاد کا عالم
اے ٹوٹے ہوئے دل تری فریاد کا عالم
معمور تھا جلووں سے اور، ارمانوں سے کیا کیا
اب تو ہے ادراک خانۂ برباد کا عالم

وہ رنگ نہ وہ ڈھنگ نہ وہ لطف نہ وہ کیف
کچھ اور ہے اب عالمِ ایجاد کا عالم
بیٹھا ہوں نظر نیچی کیے سر کو جھکائے
گلشن میں ہے اب خانۂ ایجاد کا عالم

شامِ شبِ فرقت میں بھی انوارِ سحر ہیں
اے نورِ مجسّم یہ تری یاد کا عالم
دلِ نور، جگر نور، زبان نور، نظر نور
یہ کیا ہے مری خاطرِ ناشاد کا عالم

طریقِ عشق جو ہیں سب کا خلاصہ اے دل
بس یہ ہے دوست سے غافل نہ کسی آن رہے
اس کا اک گر تجھے تلقین کیے دیتا ہوں
ذکر اور فکر رہے دھن رہے اور دھیان رہے

یہ بھی ہے اک ادائے حسنِ یار کی بے رُخی نہیں
برہمئ مزاج دوست ناز ہے برہمی نہیں
اُٹھ بھی یہاں سے بوالہوس بیٹھ نہ عاشقوں میں تُو
تاب اگر حسن تجھے یار کے ناز کی نہیں

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
سب کا غلط ہے یہ گماں زندہ ابھی ہوں میں کہیں
وہ جو ہے اپنا جانِ جاں پہلو میں جب وُہی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات ہو لب پہ مگر ہنسی نہیں
غنچۂ دل بس اب مرا بہرِ شگفتگی نہیں
بادِ صبا ہو، ابر ہو، موسمِ نو بہار ہو
کوئی شگفتہ کر سکے ہائے یہ وہ کلی نہیں

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اِس کا ادا کر
سب چھوڑ خیالات بس اک یادِ خدا کر
اللہ نے بخشے تجھے اعضائے پئے طاعت
کر ایک یہی کام نہ کچھ اِس کے سوا کر

"نئی روشنی"

نہ تسبیح اب دیکھتے ہیں نہ مالا   پیالہ ہے اب ہاتھ میں یا نوالہ

جو خالق سے رشتہ تھا وہ توڑ ڈالا   نہیں اب کوئی نامِ حق جپنے والا

ترا اے "نئی روشنی" منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بظاہر تو یہ باہم بڑی یاریاں ہیں   دلوں کو ٹٹولو تو بیزاریاں ہیں

جو اب یاریاں ہیں وہ عیّاریاں ہیں   کہ در پردہ کیا کیا ستم گاریاں ہیں

ترا اے "نئی روشنی" منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

ہمدرد نہیں اب جہاں میں کسی کا   کہ اب دَور دَورہ ہے بس پالسی کا

نہ غم بے بسی کا نہ غم مفلسی کا   جو رونا ہمیں ہے تو رونا اسی کا

ترا اے "نئی روشنی" منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

دغا مکر و حرص و ہوا دل کے اندر   حسد، بُغض، کبر و ریا دل کے اندر

نہیں اس زمانے میں کیا دل کے اندر   نہیں ہے تو خوفِ خدا دل کے اندر

ترا اے "نئی روشنی" منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بظاہر تو ہر شے میں بے حد صفائی   مگر دل میں ہے گندگی انتہائی

کبھی اس کے دھوکے میں آنا نہ بھائی   یہ ہے سب ریائی یہ ہے سب ریائی

ترا اے "نئی روشنی" منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

غضب ہے یہ تہذیبِ نو کی وبا بھی   ہر اک مبتلا ہے بُرا بھی بھلا بھی

کوئی اس کے آخر اثر سے بچا بھی   کہ چھوٹا نہ مجذوبؔ سا باخدا بھی

تراَ اَے "نئی روشنی" منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

نظم بہ موقع شکار کاٹھہ

چلو چلو پئے سیرِ شکار کاٹھے میں — عجب مزا ہے عجب ہے بہار کاٹھے میں
یہاں، تو آکے وہ دیکھی بہار کاٹھے میں — کہ جی یہ چاہتا ہے ہو مزار کاٹھے میں
کچھ اس مزے کے ہیں لیل و نہار کاٹھے میں — رہے نہ یادِ رخ و زُلفِ یار کاٹھے میں
خدا نے گلشنِ عالم کو جب کیا پیدا — بنایا صدرِ مقامِ بہار کاٹھے میں
نہ پوچھو عاشقو! کٹتا ہے وقت کیا جلدی — گذار وصل کے شبِ انتظار کاٹھے میں
گمانِ گلشنِ فردوس کا نہ ہو جائے — نظر فریب ہے باغ و بہار کاٹھے میں
شکاریوں نے نہ چھوڑا کوئی چرند و پرند — مزے سے سوئیں گے اب کاشتکار کاٹھے میں
شکار کرتے تھے ایک ایک فیر میں اتنے — نہ ذبح کرنے کا آتا تھا **وار** کاٹھے میں
کئے ہیں ہم نے کچھ ایسے مزے مزے کے شکار — کہ برہمن بھی ہوا گوشت **خوار** کاٹھے میں

یہاں سے جا کے لگے گا نہ دل کہیں مجذوبؔ
پڑا رہے گا وہ لیل و نہار کاٹھے میں

برسات کی آمد

آ گئی رُت آ گئی شکر خُدا برسات کی — دیر سے تھی آمد آمد جابجا برسات کی
مانگتا تھا ہر کس و ناکس دُعا برسات کی — تھی ضرورت خلق کو بے انتہا برسات کی
یہ ہَوا یہ مینہ، یہ بجلی یہ گھٹا برسات کی — واہ واہ کیا دِلرُبا ہے ہر اَدا برسات کی
کیا فضا ہے کیا فضا ہے واہ وا برسات کی — واہ واہ کیا بات ہے اِس خوشنما برسات کی
واہ کتنی رُوح افزا ہے فضا برسات کی — لے اُڑے گی آسماں پر کیا ہوا برسات کی
اور موسم تو کرینگے رِیس کیا برسات کی — ہے بہارِ گل بداماں خاک پا برسات کی
کس قدر پُرکیف ہے کالی گھٹا برسات کی — میکدے سے خُم اُڑا لائی ہَوا برسات کی
کسقدر دلکش ہے اُف کالی گھٹا برسات کی — کیا ہوا سے کھل پڑی زُلفِ دوتا برسات کی
لائی ہے پیغامِ مے نوشی ہوا برسات کی — پی کے سب کرلیں شہ مے نوشی ادا برسات کی
پیش مے کرتی ہے اُٹھ اُٹھ کر گھٹا برسات کی — کیا ارے توبہ ابنجے توبہ بھلا برسات کی
ھم کو دُونا لُطف دیتی ہے فضا برسات کی — نیچے بھٹی کا دھوَاں اوپر گھٹا برسات کی
کسقدر توبہ شکن ہے اُف گھٹا برسات کی — مے پیئے مجذُوب سا بھی پارسا برسات کی
رندِ تر دامن اُٹھاتا ہے مزا برسات کا — خشک زاہد قدر کیا جانے بھلا برسات کی
گھر ہرا، جنگل ہرا، گلشن ہرا، عالم ہرا — ہے یہ فردوسِ نظر رنگیں فضا برسات کی
تو ہے ایسے میں کہاں اَے ساقیٔ گلفام آ — بادۂ گلرنگ سے رونق بڑھا برسات کی
پانی جب برسا ہے پہلے دُختِ برسی ہے آگ — کیسی مشکل سے ہوئی ہے ابتدا برسات کی
بوتلیں گردش میں ہیں جیسے ہوں پریاں رقص میں — بن رہا ہے میکدہ اندر سبھا برسات کی
جھُومتا ہے کیف میں ہر نیک و بد پیر و جواں — کیوں نہ ہوں سب مست مستی ہے روا برسات کی
ہے تو سر سے پاؤں تک تصویرِ عیش و خُرمی — آ رہی ہے رات دن دیکھو ربا برسات کی
رند نوشہ، عقد خواں، ساقی وکیل — دُخترِ رز دخترِ نا کتخدا برسات کی
زاہدِ صد سالہ میں بھی ہے جوانی کی ترنگ — ولولہ انگیز کتنی ہے ہوا برسات کی
دل ہرا ہو جاتا ہے سُن کر توں کے تال و سُر — بانسری ہے کس قدر رنگیں نوا برسات کی

سربسر ڈوبی ہوئی ہے کیف میں ہر ایک شے
آج مے برسا رہی ہے کیا گھٹا برسات کی

ٹکٹکی باندھے ہیں مجنونانہ سب رنگیں نظر
محملِ لیلیٰ ہے یا کالی گھٹا برسات کی

کُل سمندر لاکے کیا برسا دیا بادِ صبا
چار سُو پانی ہے کیا ہے انتہا برسات کی

کوئی انکے دل سے پُوچھے جو ہیں سچے متّقی
رُت ہے یہ کتنی تقدس آزما برسات کی

ترکِ مے تیرا تقاضہ شربِ مے برسات کا
بات اے واعظ تری مانوں میں یا برسات کی

نرم گوئی سیکھ تو برسات سے پھر وعظ کہہ
میں سنوں دھمکی تری یا التجا برسات کی

ڈھل گئے غم دل کے سب غمگیں رہا کوئی نہیں
واہ واہ کیا بات ہے اِس غم رُبا برسات کی

واعظا ترغیبِ سیرِ باغ کوہ و دشت دے
برہمن بھی آجکل بانچے کتھا برسات کی

جھونکا جھونکا ہے دمِ عیسیٰ صفت برسات کا
بُوند بُوند اک چشمۂ آبِ بقا برسات کی

کیا غضب کرتا ہے زاہد اب تو حجرے سے نکل
پھر کہاں یہ دن ارے کھالے ہوا برسات کی

ہائے ایسے میں بھی یہ انکار یہ شرم و حیا
رات ہے اور رات بھی ہے مہ لقا برسات کی

باہر آ، ہاں باہر آ اے صوفیِ خلوت نشیں
حق نما ہے حق نما ہر ہر فضا برسات کی

پی کہاں چھوڑ اے پپیہے اب تو کہہ تو پی یہاں
نغمہ سنجِ وصل ہو یا نظم گا برسات کی

سب مِری اِس نغمہ سنجی میں ہیں میرے ہمنوا
ہے یہی نغمہ سرائی جابجا برسات کی

اِک فقط میں ہی نہیں نغمہ سرا برسات کا
کُل کی کُل مخلوق ہے نغمہ سرا برسات کی

کیا سماں ہے کیا سماں ہے کیا سماں برسات کا
کیا فضا ہے کیا فضا ہے کیا فضا برسات کی

دَورِ مے ہی جب نہیں پھر کیا مزہ برسات کا
مے تو ہے روحِ رواں اے پارسا برسات کی

ہوش میں آ ہوش میں کر فکرِ عیشِ جاوداں
چھوڑ اے مجذوبؔ یہ حمد و ثنا برسات کی

کتنے دن کا ہے یہ منظر اک ذرا بدلی جو رُت
پھر ہرا سبزہ نہ پھر کالی گھٹا برسات کی

تہذیبِ نَو

جواب حال دُنیا ہے ناگفتنی ہے
جواب رنگِ عالم ہے نادیدنی ہے
اِدھر دین و ملّت پہ خندہ زنی ہے
اُدھر ظلمتِ حرص کبر و منی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

بظاہر بنی ہے بباطن ٹھنی ہے
بہ لب دوستی ہے بہ دل دشمنی ہے
زباں پر ثنا قلب میں بدظنی ہے
پسِ پشت غیبت ہے طعنہ زنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

صفائیِ پوشاک و تن دیدنی ہے
مگر رُوح آلائشوں میں سَنی ہے
خمیدہ ہے سر دل میں کبر و منی ہے
شریفانہ صورت ہے سیرت دَنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

بس اَب گولہ باری ہے بم افگنی ہے
دنادن ہے ہر سُو ٹھناٹھن ٹھنی ہے
جہاں جائیے ہول ہے سنسنی ہے
بس اک عرصۂ حشر دُنیا بنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

اگر چین و جاپاں میں باہم ٹھنی ہے
تو اٹلی بھی یونانیوں سے تنی ہے
جو انگریز کا پنجۂ آہنی ہے
اسے موڑنے کو تُلا جرمنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

جو دن رات گھر میں لڑائی ٹھنی ہے
نہ پُوچھو سبب اِس کا ناگفتنی ہے
یہ بیوی پہ شوہر کی طعنہ زنی ہے
یہ لڑکی جنی ہے کہ کُتیا جنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

جو پڑھ لکھ کے لڑکی مہذّب بنی ہے
تو گھل مل کے مردوں سے کیا کیا چھنی ہے
وہ کیا فن نہیں جانتی ہر فنی ہے
بھری بزم میں ناچنا دیدنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

یہی لڑکیو! مختصر دامنی ہے
تو دیکھیں گے وہ بھی جو نادیدنی ہے
بس اَب دین و ایماں کی برہم زنی ہے
کہ بکھرے ہیں بال اور چھاتی تنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

بدن کی جھلک ساریوں سے چھنی ہے
وہ پیشِ نظر ہے جو پوشیدنی ہے
نہ بُرقعہ ہے اَب اَور نہ چادر تنی ہے
بس اب ذکرِ عفّت فقط گفتنی ہے
یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

ہوئی گھر سے اور ستر پوشی سے تنگی
تو پھرنے لگیں عورتیں گویا ننگی
مساوات نے ایسی میٹی دورنگی
ہیں یک رنگ ہندو، مسلماں، فرنگی
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

نہ حق سے غرض کچھ نہ مذہب سے مطلب
اگر ہے تو بس اپنے مطلب سے مطلب
جو تھا اپنا مطلب تو تھا سب سے مطلب
پھری آنکھ پورا ہوا جب سے مطلب
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

اگر نفع ہوتا ہے اپنا ذرا بھی
تو بس پھر روا کذب بھی ہے دغا بھی
کوئی حرصِ دُنیا کی ہے انتہا بھی
چلے بس کریں ہضم ارض و سما بھی
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

دلیرانہ نظم

وقتِ عمل کب آئیگا ہم ہیں کس انتظار میں
اب بھی ہے کوئی کسر ذلّت و افتقار میں
گو ہیں عدو بڑھے ہوئے زور میں اور شمار میں
فتح و شکست ہے مگر قبضۂ کردگار میں

گو ہیں ضعیف و ناتواں گو ہیں نحیف و خستہ جاں
رکھتے ہیں ہم مگر نہاں شیر کا دل کنار میں
جب کہ خُدا پہ تھی نظر کچھ نہ تھا دُشمنوں کا ڈر
دس بھی ہوئے تو بے خطر گھس گئے ہم ہزار میں

کفر ہے دیں یہ حکمرانِ زیرِ زمیں ہے آسماں
ہو گیا منقلب جہاں گردشِ روزگار میں

رکھتے ہیں فوق ہم پہ سب کرتے ہیں ظلم روز و شب
ایسے تھے ہم ذلیل کب فرد تھے روزگار میں

دینِ مے مغاں نہ تھا نعرۂ حق ترا نہ تھا
ہائے وہ کیا زمانہ تھا ہم تھے عجب بہار میں

ہم میں جو تھا یگانہ تھا رتبہ کا کیا ٹھکانہ تھا
عرش پہ آشیانہ تھا اب تو پڑے ہیں غار میں

سایہ سے ڈگتے ہیں قدم ڈر ہے نکل نہ جائے دم
آئینہ دیکھتے تھے ہم خنجرِ آب دار میں

اب تو عجیب حال ہے جو ہے گناہ حلال ہے
عیب بھی اب کمال ہے گردشِ روزگار میں

کیسا یہ انقلاب ہے دیکھ کے دل کباب ہے
کہتے ہیں اب ثواب ہے سود میں اور قمار میں

دُنیا گلے کا ہار ہے دین نظر میں خار ہے
یہ بھی اگر بہار ہے آگ لگے بہار میں

جو ہے وہ مادہ پرست بندۂ زر ہوا پرست
رہ گئے کم خدا پرست ایک ہے اب ہزار میں

رُوح جو رشکِ طور تھی پہلو میں گویا حور تھی
یا تو وہ غرقِ نور تھی یا ہے نہاں غبار میں

دورِ عمل فسانہ ہے ہم ہیں اب اور خانہ ہے
کس کا کیا ٹھکانہ ہے گھر میں ہیں یا مزار میں

ہوش میں آؤ بھائیو! ایسی نہ زندگی جیو!
بادۂ سرمدی پیو اب نہ رہو خمار میں

بیٹھے ہو کیا اُٹھو اُٹھو ہاتھ میں اب تو سیف لو
راہِ خدا میں جان دو، حُوریں ہیں انتظار میں

عمرِ رواں یہ خواب ہے دریا نہیں سراب ہے
بحرِ جہاں حباب ہے دیدۂ ہوشیار میں

نعرۂ جانباز

جانباز ہیں ہم مار کے یا مر کے ہٹیں گے
میدان میں آئے ہیں تو کچھ کر کے ہٹیں گے

ایک ایک فدا کار ہے سو سو پہ بھی بھاری
اِس کثرتِ اعدائے سے نہ ڈر کے ہٹیں گے

ٹھانی ہے کہ سب زور لگا دینگے ہم اپنا
مشکل ھی سے یہ بُت ہیں جو پتھر کے ہٹیں گے

آتے ہیں مقابل پہ تو ہٹتے ہیں کہیں یُوں
اَب خُون سے میدان کو ہم بھر کے ہٹیں گے

سر رکھ کے ہتھیلی پہ نکل آئے ہیں غازی
سر لے ہی کے بس اب تو یہ بے سر کے ہٹیں گے

اِک دم جو بڑھے نعرۂ تکبیر لگا کر
پیچھے قدم او بُت ترے لشکر کے ہٹیں گے

ہم غازیٔ دیں ہیں تو اعانت سے خُدا کی
میدان سے میدان کو سَر کر کے ہٹیں گے

بے طرح گلوگیر ہیں خنجر جو ہمارے
مُدّت کے پیاسے ہیں یہ جی بھر کے ہٹیں گے

اَے دَورِ بُتاں، دَورِ فتن، دَورِ غلامی
پیمانہ تری عمر کا ہم بھر کے ہٹیں گے

طوفانِ حوادث سے نہ منہ موڑیں گے جانباز
ھرگز نہ یہ تیراک سمندر کے ہٹیں گے

توپوں کے بھی فیروں کو سمجھتے ہیں اک کھیل
جانباز یہ داروں سے نہ خنجر سے ہٹیں گے

وہ غزل اور اشعار جن کو پیر و مرشد نور اللہ مرقدہٗ کے بعد مجذوب صاحب اپنے حسب حال نہایت درد سے پڑھتے

ہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری نم نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اسکی خبر نہیں ہے

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
ترے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات ہو لب پہ مگر ہنسی نہیں
غنچۂ دل بس اب مرا بہرِ شگفتگی نہیں

بادِ صبا ہو، ابر ہو، موسمِ نو بہار ہو
کوئی شگفتہ کر سکے ہائے یہ وہ کلی نہیں

جائیں بچشمِ نم کہاں روئیں اب اپنا غم کہاں
پہلے سے اب کرم کہاں ایسا تو اب کوئی نہیں

ہجر کی شب عجب ہے شب حال یہ کیا ہے العجب
تارے ہیں روشنی نہیں چاند ہے چاندنی نہیں

حال میں اپنے مست ہوں غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہوں جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

شیشہ ہے جام ہے نہ خُم اصل تو رونقیں ہیں گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں

اس دلِ زار سے مفر عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہیں

پیرِ مغاں کا دم کہاں اس کی وہ بزمِ جم کہاں
بادہ نہیں تو ہم کہاں زیست یہ زیست ہی نہیں

سب کا غلط ہے یہ گماں زندہ ہی ہوں میں اب کہاں
وہ جو تھا اپنا جانِ جاں پہلو میں جب وہی نہیں

دھر کی اب ہے انجمن تیرہ و تار اے حسن
باعثِ نور تو ہی بن اوروں کو فکر ہی نہیں

اے مرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

دل میں لگا کے اُن کی لو کر دے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں "سو" بزم میں روشنی نہیں

اس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو با چشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستانِ خدا سے
خالی جو نظر آئے تو کیوں دل نہ بھر آئے

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

جہاں ہو گی برکت وہ ہو گی یہیں کی
ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطب ارشادِ عالم
یہ تھی تربیت گاہ روئے زمیں کی

بڑے اُکتاؤ نہ تم مجذوبؔ کی
پھر یہ سن پاؤ گے افسانہ کہاں

کر رہا ہے فاش رازِ حسن و عشق
پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں

یہ تپش یہ تفتہ جانی پھر کہاں
سن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں
پھر کہاں مجذوبؔ کی یہ شورشیں
یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

قطعہ تاریخ تدوین سابق "کشکولِ مجذوب"

از مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی۔ سابق مدرس جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

تھے خواجہ عزیز الحسن اک شیخ طریقت　　مجذوبؔ بھی حضرت کا تخلص ہے حسنؔ بھی
شاعر تھے مگر معرفت و عشق کے پتلے　　ہر لفظ میں اک آگ بھی ہے حسنِ سخن بھی

تاریخ یہ دیوان کی ترتیب کی نکلی
مجذوبؔ کا کشکول ہے دیوانِ حسنؔ بھی

۱۳　ھ　۶۹

قطعہ تاریخ طبع سابق "کشکولِ مجذوب"

از عالیجناب حضرت الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب مدفیوضہم حال ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور

یہ دیوان خواجہ عزیز الحسن کا　　مدوّن ہوا اور چھپا بھی بہت خوب
یہ نکلی ہے چھپنے کی تاریخ ہجری　　ہوا طبع کیا عمدہ کشکولِ مجذوب

۱۳　ھ　۷۰

ذرا سے تغیر سے ہے عیسوی بھی　　ہوا خوب اب طبع کشکولِ مجذوب

۱۹　ء　۵۰

اَصُلی گھر

مع

درسِ عِبرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مراقبۂ موت

تُو برائے بندگی ہے یاد رکھ　　بہرِ سر افگندگی[1] ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ　　چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تُو نے منصب بھی اگر پایا تو کیا　　گنجِ سیم و زر[2] بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصرِ[3] عالی شاں بھی بنوایا تو کیا　　دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

قیصر[4] و سکندر[5] و جم[6] چل بسے　　زال[7] اور سہراب و رستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضیغم[8] چل بسے　　سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

---

[1] سر جھکانا خدا کے سامنے [2] سونے چاندی کا خزانہ [3] محل [4] بادشاہِ روم [5] سکندرِ اعظم [6] جمشید بادشاہ [7] زال، سہراب، رستم، مشہور پہلوانوں کے نام۔ [8] شیر، مراد بہادر۔

کیسے کیسے گھر اُجاڑے مَوت نے　　کھیل کتنوں کے بگاڑے مَوت نے
پیلتن[1] کیا کیا پچھاڑے مَوت نے　　سَرو[2] قَد قبروں میں گاڑے مَوت نے

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کُوچ ہاں اے بے خبر ہونے کو ہے　　تا بہ کہ غفلت سحر[3] ہونے کو ہے
بَاندھ لے تُوشہ، سَفر ہونے کو ہے　　ختم ہر فردِ بَشر ہونے کو ہے

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

نفس و شیطاں ہیں خنجر دَر بغل　　وَار ہونے کو ہے اے غافل سَنبھل
آ نہ جائے دین و ایماں میں خَلل　　باز آ، ہاں باز آ، اے بَد عمل

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفعۃً سَر پَر جو آ پہنچے اجل !　　پھر کہاں تُو اور کہاں دَارُالعمل
جَائے گا یہ بے بہا[4] موقع نکل　　پھر نہ ہَاتھ آئے گی عُمرِ بے بَدل

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

۱؎ ہاتھی سے بدن والا یعنی قوی ۲؎ سرو کا سا قد، مراد سیدھا، سڈول ۳؎ صبح ۴؎ قیمتی

تُجھ کو غافل فکرِ عقبیٰ کچھ نہیں — کھا نہ دھوکہ عیشِ دُنیا کچھ نہیں
زندگی چند روزہ کچھ نہیں — کچھ نہیں اِس کا بھروسہ کچھ نہیں

ایک دن مَرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہ لُطف و عیشِ دُنیا چند روز — ہے یہ دورِ جام[1] و مینا[2] چند روز
دارِ فانی[3] میں ہے رہنا چند روز — اَب تو کرلے، کارِ عُقبیٰ، چند روز

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عِشرتِ[8] دُنیائے فانی ہیچ ہے — پیشِ[9] عیشِ جاودانی[10] ہیچ ہے
مٹنے والی شادمانی[11] ہیچ ہے — چند روزہ زندگانی ہیچ ہے

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہو رہی ہے عُمر مثلِ برف کم — چُپکے چُپکے، رفتہ رفتہ[12]، دم بدم
سانس ہے اِک رہروِ مُلکِ عدم[13] — دفعتاً اِک روز جائے گا تھم

ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہاں سے تُجھ کو جانا ایک دن — قبر میں ہوگا ٹھکانا ایک دن
مُنہ خُدا کو ہے دِکھانا ایک دن — اَب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن

---

[1] پیالہ [2] صراحی شراب کی [3] مٹنے والا گھر یعنی دُنیا [8] عیش و آرام [9] بمقابلہ [10] ہمیشہ کا [11] خوشی [12] آہستہ آہستہ [13] آخرت

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سب کے سب ہیں رہِ کوئے فنا ۔   جا رہا ہے ہر کوئی سوئے فنا
بہہ رہی ہے ہر طرف جوئے فنا   آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

چند روزہ ہے یہ دنیا کی بہار   دِل لگا اِس سے نہ غافل! زینہار
عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گذار !   ہوشیار اے محوِ غفلت ہوشیار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور   جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
عمر یہ اِک دن گذرنی ہے ضرور   قبر میں میّت اُترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آنے والی کِس سے ٹالی جائے گی   جان ٹھہری جانے والی جائے گی ۔
رُوح رگ رگ سے نکالی جائے گی   تجھ پہ اِک دِن خاک ڈالی جائے گی ۔

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

نہ چلنے والا ہے گلی ہے نہ ندی ۔ ہرگز نہ غفلت میں ڈوبا ہوا نہ

توسنِ عمرِ رواں ہے تیز رو ۔۔۔ چھوڑ سب فکریں لگا مولیٰ سے لَو
گندم از گندم بروید جو ز جو ۔۔۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزمِ عالم میں فنا کا دور ہے ۔۔۔ جائے عبرت ہے مقامِ غور ہے
تو ہے غافل کیا یہ تیرا طور ہے ۔۔۔ بس کوئی دن زندگانی اور ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سخت سخت امراض گو تو سہہ گیا ۔۔۔ چارہ گر گو سخت جاں بھی کہہ گیا
کیا ہوا کچھ دن جو زندہ رہ گیا ۔۔۔ اِک جہاں سیلِ فنا میں بہہ گیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لاکھ ہو قبضہ میں تیرے سیم و زر ۔۔۔ لاکھ ہوں بالیں پہ تیرے چارہ گر
لاکھ تو قلعوں کے اندر چھپ مگر ۔۔۔ موت سے ہرگز نہیں کوئی مفر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

زور یہ تیرا نہ بل کام آئے گا ۔۔۔ اور نہ یہ طولِ امل کام آئے گا
کچھ نہ ہنگامِ اجل کام آئے گا ۔۔۔ ہاں مگر اچھا عمل کام آئے گا

؎ مردہ ؎ گھوڑا ؎ گذرنے والی ؎ تیز دوڑنے والا ؎ تعلق و محبت ؎ گیہوں بونے سے گیہوں اُگتا ہے جو بونے سے جو یعنی جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے ؎ محل ؎ حکیم ڈاکٹر ؎ سیلاب ؎ سرہانے ؎ بھاگنے کا موقع ؎ لمبی اُمیدیں ؎ موت کے وقت

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سرکشی زیرِ فلک زیبا نہیں ! دیکھ ! جانا ہے تجھے زیرِ زمیں
جب تجھے مرنا ہے اک دن بالیقیں چھوڑ فکرِ این و آں ، کر فکرِ دیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہرِ غفلت یہ تیری ہستی نہیں دیکھ ! جنت اِس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے یہ بستی نہیں جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش کر غافل نہ تو آرام کر مال حاصل کر نہ پیدا نام کر
یادِ حق دنیا میں صبح شام کر جس لئے آیا ہے تو وہ کام کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مال و دولت کا بڑھانا ہے عبث زائد از حاجت کمانا ہے عبث
دل کا دنیا سے لگانا ہے عبث رہ گذر کو گھر بنانا ہے عبث

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

۱ آسمان کے نیچے یعنی دنیا ۲ اچھی ۳ ادھر اُدھر کا ۴ فکر چھوڑ اور دین کا فکر کر۔
۵ راہ و گذرگاہ ۶ فضول

کشکول مجذوب

عیش و عشرت کے لئے انساں نہیں — یاد رکھ تو بندہ ہے مہماں نہیں
غفلت و مستی تجھے شایاں[1] نہیں — بندگی کر تو اگر ناداں نہیں !

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حسن ظاہر پر اگر تو جائے گا — عالم فانی سے دھوکہ کھائے گا
یہ منقش[2] سانپ ہے ڈس جائیگا — رہ نہ غافل یاد رکھ پچھتائے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفن خود صدہا کئے زیر زمیں ! — پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقیں
تجھ سے بڑھ کر بھی غافل کوئی نہیں — کچھ تو عبرت چاہیئے نفس لعیں[3]

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یوں نہ اپنے آپ کو بے کار رکھ — آخرت کے واسطے تیار رکھ
غیر حق سے قلب کو بیزار رکھ — موت کا ہر وقت استحضار[4] رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو سمجھ ہرگز نہ قاتل موت کو — زندگی کا جان حاصل موت کو
رکھتے ہیں محبوب قاتل موت کو — یاد رکھ ہر وقت غافل موت کو

---

۱ مناسب نہیں۔ ۲ نقش و نگار والا سانپ یعنی دنیا کا عیش و آرام ۳ قابل لعنت
۴ دھیان

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو ہے اِس عبرت[1] کدہ میں بھی مگن   گو ہے یہ دارالمحن[2] بیت الحزن[3]
عقل سے خارج ہے یہ تیرا چلن   چھوڑ غفلت عاقبت اندیش[4] بن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تیری غفلت ہے بے عقلی بڑی   مسکراتی ہے قضا سر پر کھڑی
موت کو پیشِ نظر رکھ ہر گھڑی   پیش آنے کو ہے یہ منزل کڑی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دُنیا پہ تو پروانہ وار   گو تجھے جلنا پڑے انجام کار
پھر یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں ہوشیار   کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار[5]

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حیف[6]! دُنیا کا تو ہو پروانہ تو   اور کرے عقبیٰ کی کچھ پروا نہ تو
کس قدر عقل سے ہے بیگانہ تو   اس پہ بنتا ہے بڑا فرزانہ[7] تو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

---

۱ عبرت کی جگہ مراد دُنیا ۲ محنتوں کی جگہ ۳ غم کا گھر ۴ انجام سوچنے والا ۵ طریقہ ۶ افسوس ۷ عقلمند

دارِ دنیا کی سجاوٹ پر نہ جا — نیکیوں سے اپنا اصلی گھر سجا
پھر وہاں بس چین کی بنسی بجا — اِنَّهٗ قَدْ فَازَ فَوْزًا مَنْ نَجَا[1]

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کج رووں[2] کی یہ چٹک اور یہ مٹک — دیکھ کر ہرگز نہ رستے سے بھٹک
ساتھ اِن کا چھوڑ ہاتھ اپنا جھٹک — بھول کر ہرگز نہ پاس اِن کے پھٹک

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تری مجذوبؔ حالت اور یہ سِن[3] — ہوش میں آ! اب نہیں غفلت کے دِن
اَب تو بس مرنے کے دن ہر وقت گِن — کس کمر درپیش[4] ہے منزل کٹھن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کر تو پیری[5] میں نہ غفلت اختیار — زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار
حلق پر ہے موت کے خنجر کی دھار — کر بس اب اپنے کو مُردوں میں شمار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

۱؎ وہ یقیناً کامیاب ہوگیا جس نے نجات حاصل کرلی۔ ۲؎ غلط راہ پر چلنے والے مُراد بے دین۔ ۳؎ عمر ۴؎ آنے والی ۵؎ بڑھاپا۔

ترک اَب ساری فضولیت کر — یُوں نہ ضائع اپنے تُو اوقات کر
رہ نہ غافِل یادِ حق دِن رات کر — ذکر و فکرِ ہاضم اللذّات[6] کر !
ایک دن مَرنا ہے آخر مَوت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر مَوت ہے

دَرسِ عبرت

جَہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمُونے — مگر تجُھ کو اندھا کیا رنگ و بُو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تُو نے — جو معمُور[1] تھے وہ محل اب ہیں سُونے[2]
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

مِلے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے — مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نِشاں کیسے کیسے — زمیں کھا گئی نوجواں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا — مُلوک[3] و حضُور و خُداوند کیا کیا
دِکھائے گا تو زور چند کیا کیا — اَجل نے پچھاڑے تنومند[4] کیا کیا
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

[6] لذتوں کو مٹانے والی یعنی مَوت۔
[1] آباد [2] ویران [3] بادشاہ [4] طاقتور

اَجَل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دَارَا   اِسی سے سکندر سَا فاتح بھی ہارا
ہَراِک ہِے کے کیا کیا حَسرت سِدھارا   پڑا رہ گیا سَب یہی ٹھاٹھ سَارا
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہَے
یہ عبرت کی جَا ہَے تماشہ نہیں ہے

یَہاں ہر خوشی ہے مُبدّل بہ صَد غم   جَہاں شادیَاں تھیں وہیں اَب ہیں ماتم
یہ سب ہر طرف انقلابات عالم   تِری ذات ہی میں تغیر ہیں ہر دم
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہَے
یہ عبرت کی جَا ہَے تماشہ نہیں ہے

تُجھے پہلے بچپن نے بَرسوں کِھلایا   جَوانی نے پھر تُجھ کو مجنُوں بنایا
بڑھَاپے نے پھر آکے کیا کیا سَتایا   اَجل تیرا کر دے گی بالکل صَفایا!
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہَے
یہ عبرت کی جَا ہَے تماشہ نہیں ہے

یہی تجھ کو دُھن ہے رَہوں سب سے بالا   ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا!
جِیا کرتا ہے کیا یُونہی مَرنے وَالا   تُجھے حُسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہَے
یہ عبرت کی جَا ہَے تماشہ نہیں ہے

وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی   جَہاں تاک میں کھڑی ہو اَجل بھی
بس اب اپنے اِس جہل سے تو نکل بھی   یہ طرزِ معیشت اَب اپنا بَدل بھی
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہَے
یہ عبرت کی جَا ہَے تماشہ نہیں ہے

---

۵ موت۔ ۱ تبدیل ہونیوالی۔
۲ تبدیلیاں ۳ دیوانہ ۴ جگہ ۵ زندگی کا طریقہ۔

یہ دُنیائے فانی ہے محبوب[1] تجھ کو — ہوئی واہ کیا چیز مرغوب[2] تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوب تجھ کو — سمجھ لینا اب چاہیئے خوب تجھ کو

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بڑھاپے سے پا کر پیامِ قضا[3] بھی — نہ چونکا نہ چیتا نہ سنبھلا ذرا بھی
کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا[4] بھی — جنوں[5] تا کجے ہوش میں اپنے آ بھی

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

نہ دِلدادۂ[6] شعر گوئی[7] رہے گا — نہ گرویدۂ شُہرہ[8] جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا — رہے گا تو ذکرِ نکوئی[9] رہے گا

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

جب اِس بزم[10] سے اُٹھ گئے دوست اکثر — اور اٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر — یہاں پر ترا دل بہلتا[11] ہے کیونکر

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا[12] ہے — کہیں فکر و فاقہ سے آہ و بکا ہے
کہیں شکوہ جور[13] و مکر و دغا ہے — غرض ہر طرف سے یہی بس صدا ہے

---

[1] پیاری [2] پسندیدہ [3] موت کا پیغام [4] دیوانگی کب تک؟ [5] عاشق [6] شعر کہنا [7] شہرت طلب کرنا [8] اچھا ذکر۔ [9] محفل یعنی دُنیا [10] بلند [11] ظلم۔

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

کل ہوس اِس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب مُلکِ رُوس ہے اور کیا زمینِ طوس ہے

گر میسّر ہو تو کیا عشرت سے بسر کیجئے زندگی
اِس طرف آوازِ طبل، اُدھر صدائے کوس ہے

سُنتے ہی عبرت یہ بولی اِک تماشہ مَیں تجھے
چل دِکھاؤں تو تُو قیدِ آز کا محبوس ہے

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنّا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دِکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سِکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسلمانو کرو اب جنگ آئینی کی تیاری

اٹھو اے نیند کے ماتو سنو پیغام بیداری

پیغامِ بیداری

مشتمل بر

ترغیب اتحاد و عمل و جنگ آئینی۔ برائے تحفظ حقوق دنیوی و دینی

مصنفہ

حافظ عصر حضرۃ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہیں گھیرے ہیں دشمن مسلمو ہشیار ہو جاؤ ؛ رہو بس اب نہ غافل مستعد کار ہو جاؤ
پئے ناموس دیں سب متحد اک بار ہو جاؤ ؛ نہ ہو دنیا میں جس کی ڈھال وہ تلوار ہو جاؤ

مسلمانو ! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ ۔
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

سرِ تسلیم خم پیشِ خدائے پاک و برتر ہو ۔ نظر حق پر ہو لب پر نعرۂ اللہ اکبر ہو
بڑھو وہ تیغ بُرّاں بن کے ایماں جس کا جوہر ہو کہ حسبِ وعدہ قبضہ میں تمہارے بحر ہو بر ہو

مسلمانو ! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بُتوں سے مل نہیں سکتی اماں بے جنگِ آئینی وفا کی بو نہیں ان میں ہے رنگینی ہی رنگینی
بلا ہے قہر ہے آفت ہے ان کے دل کی سنگینی یہ ہیں کٹر عدوِ دنیوی و دشمنِ دینی

مسلمانو ! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ ہرگز ان پہ غالب کسبِ مال و جاہ سے ہو گے نہ جب تک حملہ آور ان پہ دینی راہ سے ہو گے
نہ ہرگز کامراں سعی گر و بیگاہ سے ہو گے نہ جب تک مل کے سب وابستہ حبل اللہ سے ہو گے

مسلمانو ! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارا وہ گذشتہ کرو فر واپس نہ یوں ہو گا تمہارا یوں نہ ہرگز راست بخت واژگوں ہو گا

تمہارا یوں نہ ہرگز ٹھیک یہ حالِ زبوں ہوگا　　تمہارا درد دنیاوی مداووں سے فزوں ہوگا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بڑے سفاک ہیں یہ بُت اہنسا گو ہے دیں انکا　　بڑے خونی ہیں یہ ہر فرد ہے شمرِ لعیں ان کا
بس اب تو حد سے خارج ہوگیا ہے بُغض وکیں انکا　　تمہیں کھا جائیں کچا بس جو چل جائے کہیں ان کا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

سمجھ لینا مُحب انکو نہ تم اپنا کہیں دل میں　　بظاہر دوست ہیں اور دشمنِ دنیا و دیں دلمیں
پیامِ صلح لب پر ہے بھرا ہے بغض وکیں دلمیں　　تمہاری اب گنجائش ذرا رکھتے نہیں دل میں

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو ملنا چاہتے ہیں بُت یہ انکی چالبازی ہے　　بزعمِ اکثریت تم سے بالکل بے نیازی ہے
بنئے مسلم کُشی میٹھی چُھری مسلم نوازی ہے　　بظاہر چارہ سازی ہے بباطن فتنہ سازی ہے

مسلمانو! اٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارے دشمنِ جانی ہیں گو کہنے کو بھائی ہیں　　زبان کے یہ مسیحا ہیں قلم کے یہ قسائی ہیں
ملائیں انکی تحریریں سے کیا کیا تم پہ آئی ہیں　　سیاہی سے لہو کی ندیاں گویا بہائی ہیں

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو جی چاہے کریں یہ بت کہ ہیں لیل و نہار انکے　　بھرے ہیں محکموں اور دفتروں میں اہل کار انکے
عمل کچھ اور ہے کچھ اور ہیں قول و قرار ان کے　　بڑے جھوٹے ہیں کہنے میں نہ آنا زینہار انکے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارے گھر میں چوروں نے لگائی ہے نقب جاگو — تمہارا یہ لیے جاتے ہیں مال اسباب سب جاگو
پڑے ہو اب بھی غافل کر رہے ہو کیا غضب جاگو — بہت سوئے بہت سوئے بس اب جاگو بس اب جاگو

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

سمجھتے ہی رہو تم ہند میں شرکت میاں اپنی — بنا بیٹھے ہیں ملک اسکو تو اِن مہرباں اپنی
یہ رائج کر چکے ہیں سب کی سب چیزیں یہاں اپنی — شعارِ مذہبی اپنے لباس اپنا زباں اپنی

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کبھی وہ وقت بھی تھا جب تھا سارا دیار اپنا — کسی شی پر مگر باقی نہیں اب اختیار اپنا
یہ اب غیروں کا ہے بالکل کہیں ہم گو ہزار اپنا — سزا اسکی ہے کیوں چھوڑا وہ اسلامی شعار اپنا

مسلمانو! اُٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بس اب کھدر ہے گاندھی کیپ ہے چپل ہے دھوتی ہے — مقدس وضعِ اسلامی پڑی حُجرے میں روتی ہے
بتوں کے سامنے جھک جھک کے ڈنڈوت ہوتی ہے — یہی خصلت غلامی کی تو قوموں کو ڈبوتی ہے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارا ہر نئے دورِ حکومت میں بدل جانا — نمونہ ہو کے بھی ہر قوم کے سانچے میں ڈھل جانا
رہِ حق میں بتوں کے حسنِ ظاہر پر پھسل جانا — جدھر چاہا حُدودِ شرع سے باہر نکل جانا
مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ ۔ نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ صورت سے مسلمانی نہ سیرت ہے مسلمانی — بھلا اس حال میں پھر کیا ہو تم پر فضلِ یزدانی
رہے ناکام گو تم کر چکے ہر سعیِ امکانی — مسلماں بن کے دیکھو کامراں پھر ہو بآسانی

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

رواداری تو ہو لیکن نہ اتنی بھی رواداری — کہ خاطر سے بتوں کی اپنے دیں پہ پھیر دو آری
نہیں کچھ دور اندیشی خرابی اسکی ہے ساری — زمانہ بھولے پن کا اب نہیں لازم ہے ہشیاری

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں سے یوں کبھی عہدہ برآ ہرگز نہ ہم ہوں گے — نہ جبتک متحد ہونگے نہ جبتک منتظم ہوں گے
ہوا ایسا تو فوراً سرنگوں سارے صنم ہوں گے — وہ گو کتنے ہی زائد اور ہم کتنے ہی کم ہوں گے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

صحابہؓ کے طریقہ پر جو ہم ثابت قدم ہونگے — تو بے جاہ و حشم ہی صاحبِ جاہ و حشم ہونگے
پھٹے حالوں میں بھی اس درجہ پھر بارعب ہم ہونگے — کہ جتنے بھی یہ سرکش بُت ہیں سر ان سب کے خم ہونگے

مسلمانو! اُٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری راہ میں ہر قوم کانٹے اب تو بوتی ہے — کبھی اے غافلو اسکی بھی تم کو فکر ہوتی ہے
تمہاری غفلت و مستی پہ خود عبرت بھی روتی ہے — سبھی بیدار ہیں اک قومِ مسلم ہے کہ سوتی ہے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں کا منتہائے آرزو بس دال روٹی ہے — یہاں مدِنظر حق ہے نہ روٹی ہے نہ بوٹی ہے

ہمارا میل کیا اس قوم سے یہ قوم کھوٹی ہے   کہ مذہب اس کا چوٹی ہے تمدن اک لنگوٹی ہے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں کا ہمنوا ہو کر عبث فریاد کرنا ہے   جو چھوٹے بھی تو پھر ان کا قفس آباد کرنا ہے
اِنھیں تو صرف اپنی قوم کو آزاد کرنا ہے   پھر آزادی سے تم کو ہر طرح برباد کرنا ہے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ہزار الزامِ جور و جبر ہوں صیادِ لندن پر   ہزاروں بدنما داغ اُسکے روئے روشن پر
مگر اُسکو ہے پھر ترجیح اُس صیادِ پُرفن پر   چھُری بھی پھیر دے جو پھانسنے کی بعد گردن پر

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کریں یہ بُت تمہاری لاکھ گو ظاہر میں دلداری   نہ آنا اِنکے دھوکے میں سمجھنا اُسکو مکاری
یہ بُت ہیں اِنکی دلداری بھی ہے از راہِ عیاری   کرینگے پھر جفاکاری ستمگاری دل آزاری

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کبھی ان بے وفاؤں سے نہ امیدِ وفا رکھو   ہٹو ان مطلبی یاروں سے اپنے کو جُدا رکھو
نہ ہونگے یہ تمہارے تم کلیجے بھی جو لا رکھو   الگ اپنی جماعت تم توکل بر خدا رکھو۔

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ ہوگی سارے عالم میں کوئی عیار قوم ایسی   نہ پاؤ گے کہیں محسن کش و غدار قوم ایسی
بنی ہے اب حکومت کی علمبردار قوم ایسی   غضب ہے تم پہ حاکم ہو ذلیل و خوار قوم ایسی

مسلمانو! اٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ستم یہ ان بتانِ سنگدل کی مہربانی ہے — لہو ہے یہ جو صورت میں شرابِ ارغوانی ہے
تمہارے میٹ دینے کی انہوں نے دل میں ٹھانی ہے — تبسم انکا رنگیں پردۂ بغضِ نہانی ہے

مسلمانو! اٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

حقوق اس طرح ان کم حوصلوں سے تم نہ پاؤ گے — دباتے ہی چلے جائیں گے جتنے دبتے جاؤ گے
اگر سب متحد ہو کر نہ تم قوت بڑھاؤ گے — غلام انکے بنو گے جوتیاں ان کی اُٹھاؤ گے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ۔
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

زبردستوں نے قبضہ کر لیا ہے سب نشستوں پر — ستم کیا کیا نہ ڈھائے جائیں گے اب زیردستوں پر
ضعیفوں کا چلے کیا زور ان قوت کی مستوں پر — یہ رہزن بن کے آ بیٹھے ہیں بہبودی کے رستوں پر

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

اب اسلامی شعائر پر بتوں کی گولہ باری ہے — بلا سے ذبح ہوں مسلم انھیں تو گائے پیاری ہے
اگر مُلّا اذاں دیدے تو فوراً فوج داری ہے — مگر بالکل نڈر گھنٹہ بجانے میں پُجاری ہے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ روز افزوں تمہارے درپئے ایذا صنم ہونگے — ابھی کیا ہے ابھی تو دیکھنا کیا کیا ستم ہونگے
جو اہلِ حق ہیں اُنکے حق میں یہ تیغِ دودم ہونگے — وہ ہر دم انکے زیرِ مشقِ شمشیر و قلم ہونگے

مسلمانو! اُٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

سرِ مسلم بجرمِ حق پرستی گو قلم ہوں گے — مگر جو کچھ بھی ہو پیشِ بتاں ہرگز نہ خم ہوں گے
نہ کب تک رام ہاں دیکھیں تو یہ ظالم صنم ہوں گے — رہیں سینہ سپر ہم بھی تو پھر تا کے ستم ہوں گے

مسلمانو! اُٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں نے تو حکومت پا کے سب کو تنگ کر ڈالا — کہ سارے ہند کو اک عرصہ گاہِ جنگ کر ڈالا
تعصب نے دلوں کو ان کے بالکل سنگ کر ڈالا — لہو کو اپنی ہولی کا انہوں نے رنگ کر ڈالا

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتانِ سادہ رُو دیکھو تو کتنے کینہ ور نکلے — بڑے ہی سنگدل نکلے بڑے ہی فتنہ گر نکلے
بہ قصدِ خونِ ناحق لے کے یہ تیغ و تبر نکلے — سمجھ لو بس کہ اب یہ ختم ہیں چیونٹی کے پر نکلے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بُتوں کی بن پڑی ہے سب مرادیں اپنی پالی ہیں — بھرے ہیں ان کے دامن اور تمہارے ہاتھ خالی ہیں
اگر کچھ دن یہی دنیا میں ایام و لیالی ہیں — تمہاری مذہبی آزادیاں سب چھننے والی ہیں

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

اُدھر اغیار میں خوشیاں ہیں اور فرحت کا عالم ہے — ادھر ہم ہیں دلِ پُرداغ ہے اور چشم پُرنم ہے
بہت غم ہیں مگر سب سے بڑا غم ہے تو یہ غم ہے — جو بہرِ سجدۂ حق تھا وہ سر پیشِ بتاں خم ہے

مسلمانو اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارے جو عزت بت تھے وہ بُت سوراج لے بیٹھے — کوئی حق کل تمہارا اور کوئی حق آج لے بیٹھے
تمہارا تخت لے بیٹھے تمہارا تاج لے بیٹھے — تمہارا دین جو تھا باعثِ معراج لے بیٹھے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں نے ہند میں قائم کیا ہے رام راج اپنا — کریں گے یہ وصول اللہ والوں سے خراج اپنا
سمجھ لو تم کہ مذہب سخت خطرے میں ہے آج اپنا — کرو اسکی حفاظت چھوڑ کر سب کام کاج اپنا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بڑھائے جا رہے ہیں بُت قدم آہستہ آہستہ — ترقی کر رہے ہیں دم بدم آہستہ آہستہ
بڑھا انکا ستم انکا خدم آہستہ آہستہ — کیا تم کو انہوں نے کالعدم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کھُلے گا ان بتوں کا سب بھرم آہستہ آہستہ — ستم ڈھائیگا یہ انکا کرم آہستہ آہستہ
مٹا دیں گے یہ تم کو لاجرم آہستہ آہستہ — بنے گا ان کا کُل ہند آشرم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ غفلت تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں دینگے یہ بُت رنج والم آہستہ آہستہ — جبھی کہنا نہ بھر والیں چلم آہستہ آہستہ
یہ لے بیٹھے ہیں کرسی اور قلم آہستہ آہستہ — بلند انکا ہوا ہر سُو علم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ پر پرزے نکالیں گے صنم آہستہ آہستہ ― دکھا دیں گے تمہیں آنکھوں سے ہم آہستہ آہستہ
کریں گے دق یہ نو مشقِ ستم آہستہ آہستہ ― تمہارا ناک میں کر دیں گے دم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ ڈالیں گے کچھ ایسے پیچ و خم آہستہ آہستہ ― کہ ہو گے ان کے عبدِ بے درم آہستہ آہستہ
یہ دیں گے ایسے ایسے تم کو دم آہستہ آہستہ ― کہ پھر ڈالو گے خود تیغِ ستم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں سے میل کا پھیلے گا سم آہستہ آہستہ ― کریگا یہ تعلق حق سے کم آہستہ آہستہ
کریں گے دل میں گھر اپنا صنم آہستہ آہستہ ― کرالیں گے یہ سر سجدے میں خم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بڑھائے جاؤ تم اپنے قدم آہستہ آہستہ ― تو اپنی چوکڑی بھولیں صنم آہستہ آہستہ
کرو پیچھا جو تم ہو کر بہم آہستہ آہستہ ― رُخ ان کا پھیر دو سوئے عدم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بنے ہیں شہ غلام ابن غلام آہستہ آہستہ ― نہ ہو کیوں درہم و برہم نظام آہستہ آہستہ
بپا ان سے ہوئے فتنے تمام آہستہ آہستہ ― انھیں میٹے انھیں کا ظلمِ عام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تسلُّط ہو رہا ہے ان کا عام آہستہ آہستہ ― یہ اپنا کر رہے ہیں ہر مقام آہستہ آہستہ

جو کی تم نے نہ اِنکی روک تھام آہستہ آہستہ ۔۔۔ تو مشکل ہنا میں ہوگا قیام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بڑھے نَو دوستانِ شاد کام آہستہ آہستہ ۔۔۔ بڑھو تم بھی جو حق کا لیکے نام آہستہ آہستہ
تو سب اُڑ جائے انکا رنگ خام آہستہ آہستہ ۔۔۔ یہ ان کی صبح پھر ہو جائے شام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو تدبیر و تحمّل سے ہو کام آہستہ آہستہ ۔۔۔ تو ہوں پھر مشکلیں آساں تمام آہستہ آہستہ
کرو طے سب منازل سب مقام آہستہ آہستہ ۔۔۔ چڑھو زینہ بہ زینہ تا بہ بام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں کی تیغ ہوگی بے نیام آہستہ آہستہ ۔۔۔ کریں گے یہ تمہارا قتلِ عام آہستہ آہستہ
یہ اس کا کر رہے ہیں انتظام آہستہ آہستہ ۔۔۔ کر کر ڈالیں تمہارا اختتام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بُتانِ شوخ ہیں گرمِ خرام آہستہ آہستہ ۔۔۔ چلے جاتے ہیں صد محشر بہ گام آہستہ آہستہ
نہ کی تم نے جو ان کی روک تھام آہستہ آہستہ ۔۔۔ قیامت ڈھائیں گے یہ لا کلام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بنالیں گے تمہیں یہ بُت غلام آہستہ آہستہ ۔۔۔ دکھا کر دانہ لینگے زیرِ دام آہستہ آہستہ
یہ کر لیں گے تمہیں اس درجہ رام آہستہ آہستہ ۔۔۔ کہ تم کہنے لگو گے رام رام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نگاہ کچھ اور دیتی ہے پیام آہستہ آہستہ   کہ زہر اُگلیں گے یہ شیریں کلام آہستہ آہستہ
غلط نکلیں گے یہ وعدے تمام آہستہ آہستہ   زباں اک ہوگی تیغِ بے نیام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ دو ڈھیل انکو ہاں کھینچو لگام آہستہ آہستہ   بہت یہ ہوگئے ہیں تیز گام آہستہ آہستہ
کیا ان بدلگاموں کو نہ رام آہستہ آہستہ   تو روندے جائیں گے مسلم تمام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ ہو جائیں گے خونخوارِ انام آہستہ آہستہ   بھریں گے یہ ہوس کا اپنے جام آہستہ آہستہ
تمہارا خون پی لیں گے تمام آہستہ آہستہ   یہ چھوڑیں گے نہ قطرہ تشنہ کام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بُتِ خوش خُلق بھی آخر سراپا بُغض و کیں نکلا   بظاہر نرم خو جو تھا وہ مارِ آستیں نکلا
بتوں سے میل کا بس یہ نتیجہ ہم نشیں نکلا   ادھر دنیا نہ ہاتھ آئی اُدھر ہاتھوں سے دیں نکلا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

رہو گے تا بکے غافل کرو ہاں کچھ خیال اب تو   عدو ملکر تمہیں کرنے اٹھے ہیں پائمال اب تو
سمجھ لو تم کہ موت اور زندگی کا ہے سوال اب تو   خدا کے واسطے ڈالو نظر سوئے مآل اب تو

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کب اس صورت سے تم دنیا میں اوراقِ پریشاں تھے — بہت کم تھے مگر سب یکجہت یک رنگ یکجاں تھے
گدائے ہر کس و ناکس ہوئے اب جو شاہِ شاہاں تھے — زنِ خانہ نشیں اب بن گئے جو مردِ میداں تھے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کبھی ناکامیوں میں بھی نہ تم ناکام رہتے تھے — بُرا آغاز ہوتا پھر بھی نیک انجام رہتے تھے
کسی سے جو نہ بنتے وہ تمہارے رام رہتے تھے — دلیرانِ جہاں سب لرزہ براندام رہتے تھے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں وہ تھے کہ مشہورِ جہاں فخرِ زمانہ تھے — وہ رتبہ تھا زمیں پر رہ کے بھی عرش آشیانہ تھے
تمہارے رنگ ڈھنگ اطوار سب گو صوفیانہ تھے — دماغ اور دل مزاج اور حوصلے لیکن شہانہ تھے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں اب ہو کہ رسوائے جہاں ننگِ زمانہ ہو — ہر اک ذلت کے مورد ہر مذمت کے نشانہ ہو
کبھی حاجت روا تھے سائل اب خانہ بخانہ ہو — بنو مسلم تو اب بھی درخورِ تاجِ شہانہ ہو

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو اب بھی دین و ایماں پھر تمہارا حال ہو جائے — تو حاصل پھر تمہیں اپنا وہی اقبال ہو جائے
تمہیں جو میٹنا چاہے وہ خود پامال ہو جائے — ابھی سب فتنہ پردازوں کا استیصال ہو جائے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ مانا دشمنوں کی سی تمہیں آتی نہیں گھاتیں　　بڑھو نامِ خدا لے کر یہ چھوڑو یاس کی باتیں
ذرا ہمت کرو تو پھر وہی دن ہیں وہی راتیں　　مطیعِ حق بنو قدرت کی پھر دیکھو کراماتیں

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ادھر ہر فرد تم میں مردِ ہو مخلص ہو غازی ہو　　اُدھر حسنِ عمل ہو اتقا ہو پاکبازی ہو
تو پھر حاصل تمہیں دونوں جہاں کی سرفرازی ہو　　نہ کوئی کارگر تم پر یہ بتوں کی فتنہ سازی ہو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارا ہر عمل جب لائقِ خیر الامم ہو گا !　　تمہارے قلب کا جب یہ صنم خانہ حرم ہو گا
تمہارے ہاتھ میں جب دینِ خالص کا علَم ہو گا　　جبھی پرچم کے نیچے پھر عرب ہو گا عجم ہو گا

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تم اپنے کو سپردِ حق بصدقِ دل اگر کر دو　　تو ہو جائے مسخر جس کسی پر تم نظر کر دو
بڑھو نامِ خدا لے کر تو یکساں بحر و بر کر دو　　صحابہ کی طرح عالم کو پھر زیر و زبر کر دو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو رہنا ہے تو دنیا میں رہو تم آسماں ہو کر　　رہو مثلِ زمیں کیوں پائمالِ دشمناں ہو کر
رہے ہو تم ہمیشہ سے جہاں میں حکمراں ہو کر　　مطیعِ اہلِ باطل کیوں بنو اب ناتواں ہو کر

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تم اب بھی سب پہ بھاری ہو ذرا تنظیم اگر کر لو　　وہ قوت حق نے دی ہے ایک گر سر دو تو سو سر لو

دلوں کو بُغض سے خالی کرو اخلاص سے بھر لو۔ نہ خود رائی کرو ہر امر میں تم حکم رہبر لو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

رہو گے تا بکے یوں منتشر سب ایک ہو جاؤ تمہارا ایک معبود ایک ہے رب ایک ہو جاؤ

بہت دن لڑ چکے سب کھو چکے اب ایک ہو جاؤ کرو کوشش کسی صورت کسی ڈھب ایک ہو جاؤ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کہیں اے مسلمو یہ اختلافوں کا زمانہ ہے خبر بھی ہے تمہارے درپے ایذا زمانہ ہے

ذرا دیکھو تو تم! کیا وقت ہے کیسا زمانہ ہے تمہاری خانہ جنگی پر اجی ہنستا زمانہ ہے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بس اب مل کر رہو آپس کی تم یہ ردّ و کد چھوڑ دو یہی تو باعثِ ادبار ہے یہ خُوئے بد چھوڑ دو

بہم سب متفق ہو جاؤ اور بُغض و حسد چھوڑ دو شریعت پر ہو ثابت قدم اپنی نہ حد چھوڑ دو

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ہو مُسلم صاحبِ ایثار رہنا چاہیے تم کو! نہ باہم درپئے آزار رہنا چاہیئے تم کو!

اَشِدَّاءُ عَلَے الْکُفَّار رہنا چاہیئے تم کو! اُنھیں سے برسرِ پیکار ہونا چاہیئے تم کو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

قیامت ہے کہ وقتِ معرکہ آپس میں بٹ جاؤ ذرا سی بات میں اپنی جماعت ہی سے ہٹ جاؤ

اکٹھے ہو کے اور صف باندھ کر میدان میں ڈٹ جاؤ نہ ہرگز پھر ہٹو مرکز سے گو سارے ہی کٹ جاؤ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ جب تک مسلمو تم حالتِ دینی سنوارو گے   کرو گو لاکھ تدبیریں ہمیشہ سب سے ہارو گے
گناہوں کا یہ جب بارِ گراں اپنا اُتارو گے   جبھی تعرِ مذلت سے تم اپنا سر اُبھارو گے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایماں پر   تمہاری زندگی موقوف ہے تعمیلِ قرآں پر
تمہاری فتحیابی منحصر ہے فضلِ یزداں پر   نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ ساماں پر

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

غضب ہے گو غلامانِ شہِ ہر دو سرا تم ہو   مگر پھر بھی مطیعِ مردمانِ ناسزا تم ہو
غلامِ ہر کس و ناکس بنے سوچو تو کیا تم ہو   غلامانِ خدائے مالکِ ارض و سما تم ہو

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں اے غافلو پچھلا زمانہ بھی ہے یاد اپنا   وہ ذوقِ دیں وہ جوشِ مذہب و شوقِ جہاد اپنا
وہ ایثار و خلوصِ باہمی وہ اتحاد اپنا   وہ نیک اعمالیاں اپنی وہ حُسنِ اعتقاد اپنا

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں وہ تھے جنہوں نے خون کے دریا بہا ڈالے   جہاں پہنچے قدم آثارِ باطل سب مٹا ڈالے
جو لوہے کے چنے بھی سامنے دنیا نے لا ڈالے   تو وہ بھی بے تکلف مثلِ پستوں کے چبا ڈالے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو تھوڑوں کا بھی اعداء سے کبھی دوچار ہو جانا   ہزاروں کے مقابل برسرِ پیکار ہو جانا
جو صف بندی سے لڑنا آہنی دیوار ہو جانا   قیامت ہے تمہارا اب حالِ زار ہو جانا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارا ہر ضعیف و ناتواں سہراب و رُستم تھا   پچھاڑے کیسے کیسے پیلتن کیا تم میں دَم خَم تھا
تمہارے ہر گدا کے سامنے شاہوں کا سر خم تھا   ہر اک اب گربہ و روباہ ہے یا شیر و ضیغم تھا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو سب پر چھا گیا تھا وہ تمہارا ہی تو پرچم تھا   تمہیں وہ تھے کہ جن کا غلغلہ تا عرشِ اعظم تھا
خبر بھی ہے تمہارا کس زمانے میں یہ عالم تھا   تمہارا جبکہ دستور العمل قرآنِ محکم تھا

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں تو فاتحِ ایران و روم و شام و خیبر تھے   تمہارے حوصلے کتنے بلند اللہ اکبر تھے
تمہیں میں سے تو صدیقؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ تھے   مقلد اہلِ باطل کے ہو یا عالم کے رہبر تھے

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کھڑے ہیں چار سو نرغہ کئے اعدائے دیں دیکھو   انھوں نے اہلِ دیں پر تنگ کر دی ہے زمیں دیکھو
یہ کرنے اُٹھے ہیں شاہوں کو بھی زیرِ نگیں دیکھو   بلند اب ہمتیں کس درجہ انکی ہو گئیں دیکھو

مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ان اعدا سے تمہارا حیف یوں محصور ہو جانا — کرو ہمت تو کیا مشکل ہے ان کا دور ہو جانا
تمہاری شان کے شایاں نہیں مجبور ہو جانا — یہ گویا مہر کا ذروں سے ہے مستور ہو جانا

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو چڑھ آئے ہیں تم پر تم بھی ان پر بول دو دھاوا — کرو عجلت نہیں تو بعد کو پھر ہو گا پچھتاوا
تم اُٹھ خود انھیں زغہ میں لیلو دے کے اک کاوا — نہ چھوٹو جز فنا ان کا کوئی ملجا کوئی ماوےٰ

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ یوں ایمن بتانِ ظالم و بے پیر سے ہو گے — نہ یوں مامون انکے مکر اور تزویر سے ہو گے
نہ یوں غالب ان اہلِ زور پر تدبیر سے ہو گے — اگر ہو گے تو ہاں مثلِ سلف شمشیر سے ہو گے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

وہ آپہنچیں تو پھر میدان میں تم بھی اُتر لینا — ذرا بھی اُن کی کثرت کا نہ تم دل پر اثر لینا
بڑھیں آگے تو بڑھ کر اُن کو تم نیزوں پہ دھر لینا — لبالب دامنِ صحرا کو پھر لاشوں سے بھر لینا

مسلمانو! اُٹھو! بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو یورش کر کے تم پر آتے ہیں اغیار آنے دو — جو لاتے ہیں وہ اپنا لشکرِ جرار لانے دو
جو بُغضِ اہلِ حق میں کھاتے ہیں وہ خار کھانے دو — فرشتوں کی طرف سے پاتے ہیں پھٹکار پانے دو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ بزدل آتے ہیں چڑھ چڑھ کے اب تم سے دلیری سے — یہ گیدڑ بھبکیاں دیکھو تو انکی تم سے شیروں پر

گرج کر تم جو اُٹھو یہ نظر آئیں مُنڈیروں پر ابھی آ جاؤ غالب ان حکومت کے لُٹیروں پر
مسلمانو! اُٹھو، بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ کب تک نادمِ پا بوسیِ کفّار تم ہو گے اب اس سے بھی زیادہ کیا ذلیل و خوار تم ہو گے
کوئی حد بھی کہاں تک خوگرِ آزار تم ہو گے نہ اب ہو گے تو پھر کب برسرِ پیکار تم ہو گے
مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تباہی میں تمہاری رہ گئی ہے کیا کسر باقی نہ رُوح و دین و دل باقی نہ جاہ و مُلک و زر باقی
نہ تاج اب ہے، نہ ٹوپی رہ گیا ہے سر ہی سر باقی کرو قربانیاں دنیا میں رہنا ہے اگر باقی
مسلمانو! اُٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو مل کر ان پہ تم جھپٹو تو بس کائی سی پھٹ جائے جو حائل آہنی دیوار بھی ہو وہ بھی ہٹ جائے
فلک نعروں سے گونج اُٹھے زمیں لاشوں سے پٹ جائے چلا آتا ہے جو مدت سے جھگڑا وہ نبٹ جائے
مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ جھجکو ہاں قدم میداں میں بے خوف و خطر رکھو ہتھیلی پر پئے نذرانہ حق اپنا سر رکھو
نگاہ کیوں اپنی سوئے قلتِ تیغ و سپر رکھو تم اپنے قادرِ مطلق کی قدرت پر نظر رکھو
مسلمانو! اٹھو، بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ بے سامانیاں کیوں ہوں تمہیں وجہِ پریشانی نہ ہو بندوقِ انگریزی نہ ہو تیغ صفاہانی
مسلمانوں کی وجہ بے بسی ہے نا مسلمانی صحابہؓ کا سا پیدا دل میں کر لو جوشِ ایمانی

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ مرنے سے ڈرو مومن بھلا کب مرنے والا ہے — فلک الزام تم پر بزدلی کا دھرنے والا ہے
جو مسلم ہے کہیں وہ خوفِ اعدا کرنے والا ہے — خدا سے ڈرنے والا کبھی کسی سے ڈرنے والا ہے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ کم ہمت بنو تم اپنی ماضی پر نظر ڈالو — کئے تھے تم نے جو کارِ نمایاں پھر وہ کر ڈالو
دل اپنا جانبِ حق پھیر کر سجدے میں سر ڈالو — اس اپنے نعرۂ اللہ اکبر میں اثر ڈالو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ذرا سوچو کہ تم پہلے تو کیا تھے اور اب کیا ہو — کرو کچھ شرم تم خیر البشرؐ کے نام لیوا ہو
یہ بد اعمالیاں چھوڑو اگر فتح و ظفر چاہو — خدا کے تم بنو پہلے خدا بھی پھر تمہارا ہو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بس اب تو بندۂ حق اور مسلم نام کے ہم ہیں — مطیعِ نفس و شیطان بندۂ دینار و درہم ہیں
کبھی ہم فخرِ عالم تھے مگر اب ننگِ عالم ہیں — کبھی ہم مہرِ تاباں تھے اور اب ذروں سے بھی کم تر ہیں

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

زمانہ بھر کو تہذیب و شرافت تم نے سکھلائی — ہر اچھا فعل اور ہر نیک عادت تم نے سکھلائی
خدائے پاک کی سچی عبادت تم نے سکھلائی — جہاں کے حکمرانوں کو سیاست تم نے سکھلائی

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری بات بھی اونچی تمہارا ظرف تھا عالی		تمہاری وہ ادائیں تھیں کہ اک دنیا تھی متوالی
تمہاری قوم نے تاریخ عالم کی بدل ڈالی		وہی تم ہو کہ سب اوصاف سے اب ہو گئی خالی

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بدلنا چاہیے اب جلد یہ طرزِ عمل تم کو		نہیں ہے موت آجائیگی بس اک دن اجل تم کو
سنائے دیتے ہیں یہ ہم بآوازِ دُہل تم کو		کہ پھر موقع شکایت کا تو ہم سے ہو نہ کل تم کو

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو ہر مسلم حقیقی خادمِ اسلام بن جائے		اور اس خدمت کا اک پورا نظامِ عام بن جائے
تو پھر کیا ہے بعونِ اللہ سارا کام بن جائے		تمہارا ہر بُتِ مغرور و سرکش رام بن جائے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

خدا ہی سے مدد چاہو کرو تکیہ نہ غیروں پر		ہو تم مسلم نظر ڈالو نہ گرجوں پر نہ دَیروں پر
کھڑا ہونا تمہیں اب چاہیے اپنے ہی پَیروں پر		غضب ہے نیند سے چونکو نہ تم اعدا کے فیروں پر

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

اثر دیکھا جو تم نے نیند میں کروٹ ذرا بدلی		نظر آنے لگی کیفیت ارض و سما بدلی
ذرا تم نے جو آہیں کیں تو دنیا کی ہوا بدلی		ذرا تم نے دعائیں کیں تو عالم کی فضا بدلی

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ابھی تو نیند سے چونکے ہو پورے بھی نہیں جاگے　　کہ بھگدڑ مچ گئی اعدائے دیں میں دیکھ لو بھاگے
مگر منزل کہاں منزل ابھی تو ہے بہت آگے　　کہ دشمن مجتمع ہیں اور تم ہو منتشر تاگے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ابھی کیا ہے ابھی کرنا بہت کچھ کام باقی ہے　　ابھی کرنی بہت کچھ خدمتِ اسلام باقی ہے
ابھی ذمہ تمہارے یہ بڑا الزام باقی ہے　　کہ مسلم اب کہاں مسلم کا بس اب نام باقی ہے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ابھی باقی ہے غم سے خونِ دل خونِ جگر ہونا　　یہ اگلے بعد کی باتیں ہیں نالوں میں اثر ہونا
اگر تم چاہتے ہو حق کا منظورِ نظر ہونا　　تو لازم ہے اُسے سچے قدیم اسلام پر ہونا

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں اللہ پھر مخدوم کر دے محترم کر دے　　سرِ سامانِ اعزازِ دو عالم پھر بہم کر دے
عنایت تم کو عقل و دیں کی پھر تیغِ دو دم کر دے　　جو قبضے میں تمہارے پھر عرب کر دے عجم کر دے

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

پڑے رہتے ہیں بُت پیچھے تمہارے ہاتھ دھو دھو کر　　انہیں موقع مظالم کا دیے جاتے ہو سو سو کر
سبق حاصل نہیں کرتے تم اپنے حق بھی کھو کھو کر　　جبھی مجذوبِ محزوں کی ہے تم سے عرض رو رو کر

مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی نظم

وقتِ عمل کب آئے گا ہم ہیں کس انتظار میں
اب بھی ہے کیا کوئی کسر ذلت و افتقار میں
گو ہیں عدو بڑھے ہوئے زور میں اور شمار میں
فتح و شکست ہے مگر قبضۂ کردگار میں
گو ہیں ضعیف و ناتواں گو ہیں نحیف و خستہ جاں
رکھتے ہیں ہم مگر نہاں شیر کا دل کنار میں

جبکہ خدا پہ تھی نظر کچھ نہ تھا دشمنوں کا ڈر
دس بھی ہوئے تو بے خطر گھس گئے ہم ہزار میں
کفر ہے، دیں پہ حکمراں زیرِ زمیں ہے آسماں
ہو گیا منقلب جہاں گردشِ روزگار میں
رکھتے ہیں فوق ہم پہ سب کرتے ہیں ظلم روز و شب
ایسے تھے ہم ذلیل کب فرد تھے روزگار میں
دین مُغانہ تھا نعرۂ حق ترانہ تھا
ہائے وہ کیا زمانہ تھا ہم تھے عجب بہار میں

ہم میں جو تھا یگانہ تھا رتبہ کا کیا ٹھکانہ تھا
عرش پہ آشیانہ تھا اب تو پڑے ہیں غار میں
سایہ سے ڈگتے ہیں قدم ڈر ہے نکل نہ جائے دم
آئینہ دیکھتے تھے ہم خنجر آبدار میں
اب تو عجیب حال ہے جو ہے گناہ حلال ہے
عیب بھی اب کمال ہے گردش روزگار میں
کیسا یہ انقلاب ہے دیکھ کے دل کباب ہے
کہتے ہیں اب ثواب ہے سود میں اور قمار میں
دنیا گلے کا ہار ہے دین نظر میں خار ہے
یہ ہی اگر بہار ہے آگ لگے بہار میں
جو ہے وہ مادہ پرست بندۂ زر ہوا پرست
رہ گئے کم خدا پرست ایک ہے اب ہزار میں
روح جو رشکِ طور تھی پہلو میں گویا حور تھی
یا تو وہ غرقِ نور تھی یا ہے نہاں غبار میں
دورِ عمل فسانہ ہے ہم ہیں اب اور خانہ ہے
کسل کا کیا ٹھکانہ ہے گھر میں ہیں یا مزار میں
ہوش میں آؤ بھائیو ایسی نہ زندگی جیو
بادۂ سرمدی پیو اب نہ رہو خمار میں
بیٹھے ہو کیا اُٹھو اٹھو ہاتھ میں اب تو سیف لو
راہِ خدا میں جان دو حوریں ہیں انتظار میں
عمرِ رواں یہ خواب ہے دریا نہیں سراب ہے
بحرِ جہاں حباب ہے دیدۂ ہوشیار میں

پھر تو ہر اک دلبر ہو مسخر میں کچھ نہ دیر ہو -
آپ ساحق کا شیر ہو عرصۂ کار زار میں

دیکھ نہ لیں حضور ابھی غفلتیں سب ہیں در ابھی
ہونا ہے نفخ صور ابھی آپ کی اک پکار میں

ترانۂ مسلم

آثار سے ہے ماضی ہر سو عیاں ہمارا — ہر خطۂ زمیں ہے افسانہ خواں ہمارا
گذرا ہے ایسا زرّیں عہد گذشتہ کس کا — ثانی کوئی بتائے تاریخ داں ہمارا
پرواز کی حدیں تھیں گھیرے ہوئے جہاں کو — چھوٹا سا تھا عرب میں گو آشیاں ہمارا
کس ملک و مملکت میں اس صفحۂ زمیں پر — گونجا نہ زیر گردوں شور اذاں ہمارا
نام خدا مچا دی وہ دھوم دو جہاں میں — شہرہ یہاں ہمارا چرچا وہاں ہمارا
کایا جنھوں نے پلٹی عالم کی وہ ہمیں تھے — زوروں پہ جن دنوں تھا بخت جواں ہمارا
لرزاں تھی ساری دنیا تلوار سے ہماری — مانے ہوئے تھا لوہا سارا جہاں ہمارا
ایمان کی تھی قوت اخلاص کی تھی برکت — اک اک ہزار کا تھا اک اک جواں ہمارا
ظلمت کدہ کو ہم نے دنیا کے جگمگایا — دل مثل مہر انور تھا ضو فشاں ہمارا
آتے تھے آسماں سے بہر مدد فرشتے — اللہ میاں کے ہم تھے اللہ میاں ہمارا
راہیں ترقیوں کی کیوں ہم پہ سب نہ کھلتیں — ہادی تھا سرگروہِ پیغمبراں ہمارا
سالارِ کارواں کے نقش قدم کو چھوڑا — گم ہے جو وادیوں میں اب کارواں ہمارا
کل اپنا تھا ہر ایواں عشرت کا اک مرقع — اور آج ہر کھنڈر ہے اک نوحہ خواں ہمارا

کیا ہنس رہے ہیں دشمن بدلے گا زیرِ گردوں
دورِ بہار اُن کا دَورِ خزاں ہمارا

کمزور پا کے ہم کو چھیڑیں نہ اہلِ باطل
تن تو تنکو پہ بھی ہے بھاری ہر ناتواں ہمارا

بندے ہیں ہم خدا کے خود دار ہیں بلا کے
خم ہوگا سر نہ ہرگز پیشِ بتاں ہمارا

قائم رہے ہیں حق پر ہم سر کٹا کٹا کر
چپ ہے زبانِ خنجر پہ کچھ ہے بیاں ہمارا

مسلم ہیں ہم غلامی کرتے نہیں کسی کی
بس اک خدائے برتر ہے حکمراں ہمارا

رکھتے ہیں خونِ آبا اب تک وہی رگوں میں
شک جس کو ہو وہ کر لے پھر امتحاں ہمارا

پائیں جو کچھ بہانہ الٹیں ابھی زمانہ
بجلی کا ہے خزانہ قلبِ تپاں ہمارا

قوت تو حق نے دی ہے تنظیم کی کمی ہے
جاتا ہے زور اکثر سب رائگاں ہمارا

غیروں سے کیا شکایت غیروں سے کیا توقع
موقوف ہے ہمیں پر سود و زیاں ہمارا

ہم خاک ہو گئے گو پامال کرنے والو۔
اُٹھے نہیں کہ پھر ہے سارا جہاں ہمارا

کیونکر نبھے بتوں سے اب دوستی ہماری
ہر امر مذہبی ہے اُن کو گراں ہمارا

کر دیں گے اپنے دیں پر ہم اپنی جان صدقے
سو جاں سے بھی ہے پیارا یہ جانِ جاں ہمارا

ٹھانی ہے بس اب یہی دم لینگے ہم نہ ہرگز
ہو جائیگا نہ جب تک ہندوستاں ہمارا

دنیا میں ہو رہا ہے ہر سمت حشر برپا
ہو جائے اب تو زائل خوابِ گراں ہمارا

شایانِ شانِ مرداں اے مسلمو نہیں ہے
یہ بیٹھنا گھروں میں مثلِ زناں ہمارا

نعروں سے دشمنوں میں پڑ جائے اک تہلکہ
ہر سُو جلوس نکلے با عزّ و شاں ہمارا

نالوں میں بھی ہمارے نعروں کی سی کڑک ہے
مردانہ قسم کا ہے طرزِ فغاں ہمارا

ہو پھر نصیب یا رب ہم کو عروجِ سابق
چھا جائے کل جہاں پر قومی نشاں ہمارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تضمین بر اشعارِ جناب شفق عماد پوری

فیض توحید سے صد قالب و یک جاں ہم تھے — کب اس انداز سے اوراق پریشاں ہم تھے
ایسے افسردہ تھے کب شعلہ بداماں ہم تھے — یادِ ایام کہ ملت کے نگہباں ہم تھے
جن پہ اسلام تھا نازاں وہ مسلماں ہم تھے

معرکوں میں تھے جواں برہنہ شمشیر تھے ہم — خانقاہوں میں مگر پیروں کے بھی پیر تھے ہم
کیا خوش اقبال تھے کیا صاحبِ تقدیر تھے ہم — رزم میں خالدؓ جانباز کی تصویر تھے ہم
بزم میں آئینہ بوذرؓ و سلماںؓ ہم تھے

زور سے ہوتے تھے ہم زیر نہ تدبیروں سے — ہاں اگر ہوتے تھے مجبور تو تقدیروں سے
لیتے تھے سینوں پہ، ڈرتے نہ تھے ہم تیروں سے — گرجے تکبیروں سے برسے کبھی شمشیروں سے
جس کو روکا نہ سمندر نے وہ طوفاں ہم تھے

ریش ہے خار دیدۂ مشرکِ خر شعار میں — بھڑکے نہ کیوں وہ دیکھ کر شیر ہیں اس کچھار میں
ڈاڑھی سے ہاتھا پائی ہے چٹیا کی شامت آئی ہے — کوہ وہ ہے یہ رائی ہے یہ بھی ہے کچھ شمار میں

ضروری تنبیہ

اس مجموعہ میں جہاں جہاں رجزیہ اشعار ہیں اُن سے مقصود محض اِظہار جذبہ سپاہیانہ ہے نہ کہ تحریک عمل جارحانہ پڑھنے والے خوب سمجھ لیں. غلط فہمی ہرگز نہ ہونے پائے ،

المزاح فی الکلام کالملح فی الطعام

بے لطف ہے جو ہو نہ ظرافت کلام میں
بے ذائقہ ہے ہو نہ نمک جس طعام میں

مسٹر اور مُلّا کی نوک جھونک

ملقب بہ

نمک دان ظرافت

نمک دان ظرافت اک مکمل درس عبرت ہے
ظرافت کی ظرافت ہے نصیحت کی نصیحت ہے

از تصنیف
حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ خلیفہ ارشد حضرت تھانویؒ

پردہ کے متعلق ایک نہایت پرلطف اور فیصلہ کن منظوم
مناظرہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ ~~~~~~~~~~~~ از جناب شوکت تھانوی مرحوم عـــہ

تعارف

نہ خان بہادر نظر آتے ہیں نہ گریجویٹ، نہ انسپکٹر آف سکولز کوئی کہہ سکتا ہے، نہ شاعر صورت دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے اذان دے کر تشریف لا رہے ہیں۔ بڑی سی ڈاڑھی پنج کلیہ ٹوپی لمبا سا کرتا اونچا سا پاجامہ، تسبیح کرتہ کی جیب اور ہاتھ تسبیح کے اوپر۔ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ سود کی ڈگری دینے کے بجائے محکمہ تعلیمات میں منتقل ہونا پسند کیا۔ اب تک اسی محکمہ میں ہیں۔ آج وہ انتقال فرما چکے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ناشر۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتے تھے اور حضرت مولانا کی توجہ نے ڈپٹی کلکٹر کو آدمی ہی نہیں بلکہ مسلمان بنا دیا تھا۔ خواجہ صاحب بہت ہی عمدہ کہتے تھے۔ مگر کسی غزل میں ڈھائی سو اشعار سے کم نہیں کہتے اور پھر انتخاب نہیں کر سکتے کہتے چلے جاتے ہیں اور پھر کہہ چکنے کے بعد سناتے چلے جاتے تھے۔ اشعار کے ان انباروں میں اچھے برے سبھی قسم کے شعر ہوتے ہیں، مگر اچھے زیادہ اور معمولی کم [ملخصاً]

عـــہ نوٹ: مشہور ادیب جناب شوکت تھانوی کا یہ مضمون "شیش محل" سے ملخص کر کے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے شعراء کے متعلق مزاح کے طرز پر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں۔ اس تحریر میں بھی ان کا خاص رنگ جھلکتا ہے۔

[ناشر]

عرضِ ناشر

بے پردگی عُریانی اور عورتوں کا بازاروں اور گلیوں میں عام پھرنا سکول و کالج کی لڑکیوں کا فیشن ایبل لباسوں میں باہر آکر اور غلط تعلیم کے بہانے فحش اور عصیاں کو بڑھانا۔ اس قدر عام ہوگیا ہے کہ اب اگر ان باتوں سے روکا جائے۔ تو ناسمجھ لوگ پیچھے پڑجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم و ترقّی سے مولوی لوگ روکتے ہیں لیکن یہ لوگ ان نتائج بد سے بالکل ہی ناواقف ہیں جو کہ مغربی تہذیب و انگریزی تعلیم اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ آئے دن لڑکیوں کا اغوار و گمشدگی صاف بتا رہا ہے کہ یہ تعلیم سراسر دین۔ عزّت و غیرت کو تباہ کرنے والی ہے اقبال مرحوم نے بھی کہہ دیا ہے ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ؛ ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین ؛ پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔

مگر یہ اقبال کے مقلد اقبال کی باتوں کو کب سُنتے ہیں۔ بس یہی رٹ ہے کہ مُلّا ترقّی سے روکتے ہیں۔ اور عورتوں کی آزادی کے مخالف ہیں۔ روز مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ لڑکیاں بھاگ رہی ہیں اور سینکڑوں اغوار کے واقعات دیکھ رہے ہیں مگر عقل پر پردہ پڑگیا ہے۔ اس لیے نہیں سوچتے۔ اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

بے پردہ دیکھی میں نے جو کل چند بیبیاں ؛ اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا اے بیبیو! تھا پردہ گیا کہاں ؛ بولیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

مجذوبؒ کے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمادیں۔ جنہوں نے پردہ کی حمایت میں ایسا کلام پیش کیا ہے کہ جس کی تردید انشاءاللہ تعالیٰ کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ کتاب ایک فرضی مسٹر اور فرضی مُلّا کے درمیان منظوم مناظرہ ہے مسٹر کہتا ہے کہ عورتوں کے لیے پردہ کی ضرورت

نہیں مگر مُلّا پردہ کو ضروری قرار دیتا ہے۔ دونوں طرف سے دلائل پیش ہوتے ہیں۔
بالآخر مُلّا جو کہ حق پر ہے مسٹر کو شکست فاش دیتا ہے۔ اگر اس کتاب کو غور سے
پڑھا جائے تو واقعی بے پردگی کے حامی اپنی غلطی کو مان لیں گے۔ بشرطیکہ عقل سلیم و طبع مستقیم
ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت کو سنواریں۔ اور ہمیں راہِ ہدایت پر رکھیں۔ آمین فقط ناشر۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید از مؤلّف

حامدًا و مصلّیًا

یہ مجموعہ منظوم مناظرہ ہے، ایک فرضی مسٹر اور ایک فرضی مُلّا کے درمیان پردہ نسواں کے متعلق جس کو ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مذہبی اصلاح کی غرض سے شائع کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے اسلامی شعائر کو دوسروں کی کورانہ تقلید کرکے پس پشت نہ ڈالدیں [جیساکہ نوتعلیم یافتوں میں بکثرت یہ مرض واقع ہورہا ہے] اور مسلمان اپنی پُرانی روش پر قائم ہیں۔ وہ مخالفین پردہ کے دام تزویر میں نہ آئیں۔

گو اس تالیف کا غالب رنگ ظرافت ہے لیکن اسکے اندر مذاق کے پردہ میں اس مبحث کے متعلق سارے حقائق پیش نظر کردیے گئے ہیں۔ اور اگر متین طبع ناظرین بھی خذ ما صفا دع ما کدر سے کام لیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ اس گدڑی کے اندر بہت سے لعل بھی ٹکے ہوئے ہیں۔ اور اس خارزار میں جا بجا تختہ ہائے گُل بھی اپنی بہار دکھارہے ہیں ؎

نمکدانِ ظرافت اک مکمل درس عبرت ہے
ظرافت کی ظرافت ہے نصیحت کی نصیحت ہے

اب اس مناظرہ کی روئیداد سنیئے اس میں سب سے پہلے مُلّا جس کا نام ہی پردہ کی حمایت کو ظاہر کررہا ہے۔ اپنی روانی طبع کے جوہر دکھاتا ہے جن کو دیکھ کر بے پردگی کا علمبردار یعنی مسٹر بھی خم ٹھوک کر سامنے آموجود ہوتا ہے۔ آپس میں چوٹیں چلتی ہیں، جواب اور جواب الجواب شائع ہوتے ہیں۔ پردہ دری کا جنون اور حامیانِ پردہ پر غیظ و غضب مسٹر کو کہیں سے کہیں پہنچادیتے ہیں۔ ملّا کے خطاب عالم کے جواب میں وہ خطاب خاص کرتا ہے اور نہ صرف ملّا کی ذات پر۔ بلکہ تہذیب و معاشرت اسلامی پر نہایت رکیک حملے کرتا ہے

ملا اوّل ضبط سے کام لیتا ہے اور خطابِ خاص کے جواب میں بھی خطاب عام ہی کرتا ہے اور دورانِ بحث میں مسٹر کو بعنوان "شکایت" تنبیہ بھی کرتا ہے۔ لیکن مسٹر کی شانِ خودداری بھلا ملا کی بات کی تاب لاسکتی ہے وہ اور بھی آگ بگولا ہو جاتا ہے اور آپے سے باہر ہو کر خواہ مخواہ کے لیے بیچارے مُلا پر برسنے لگتا ہے اور اپنی جاہ و ثروت کی اکڑ میں اُس غریب کو ذلیل و خوار سمجھ کر نہ جانے کیا کیا واہی تباہی اول فول ڈیم فُول بکنے لگتا ہے لیکن وہ جتنا جتنا اپنے کلام میں چاسنی دشنام کا اضافہ کرتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا اپنے دلائل کو کمزور اور لچر اور اپنے آپ کو البادی اظلم کا مصدق بناتا جاتا ہے۔ آخر میں ملا بھی اپنی متانت کو چھوڑ کر پھر اپنے توسن طبع کو ایک زور کی ایڑ لگاتا ہے اور اسی لہجۂ درشت میں للکار کر یہ اشعار بزبان حال پڑھتا ہوا میدان مقابلہ میں آکر اپنے حریف سے کوسوں آگے نکل جاتا ہے ؎

تمہاری زُلف کا سر چڑھ کر لیلیا بوسہ ⁂ کبھی کسی سے نہ ہم دبے بانکپن میں رہے

پھول میں پھولوں میں پُول اور خار میں خاروں میں ہوں ⁂ یار میں یاروں میں ہوں عیار عیاروں میں ہوں

لیکن مُلا آخر پھر مُلا ہے وہ اس جوش و غضب میں بھی اپنے مالک حقیقی کو نہیں بھولتا اور بار بار اس کی جناب میں یہ بھی خطاب کرتا جاتا ہے ؎

سمجھیں نہ کچھ کسی کو ہم ایسے کہاں کے ہیں ⁂ تیرے ہی بل پہ زور سب اس ناتواں کے ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اس تفویض اور حق پرستی ہی کی بدولت ہر موقعہ پہ اسکی کھلی دستگیری ہوتی ہے اور ہر بار مقابل پر اُس کو غلبۂ قاہرہ عطا فرما دیا جاتا ہے۔ وہ بعون اللہ تعالیٰ و بفضلہٖ ایسے ترکی برترکی جوابات دیتا ہے کہ مسٹر کے دانت کھٹے ہو ہو جاتے ہیں۔ ایسی گہری گہری چوٹیں کرتا ہے کہ مسٹر بغلیں جھانکنے لگتا ہے اور ایسی بھگو بھگو کر لگاتا ہے کہ مسٹر کا دماغ درست ہو جاتا ہے! مگر باوجود اس فطری کمزوری کے جس سے دنیا کی اکثر اہم ترین ہستیاں بھی خالی نہیں ملا کا توازن دماغی قابل ستایش ہے اس کی زبان کی تیزی اور مقابل پر غیظ و غضب اس کی صحت دلائل کے سدِ راہ نہیں اس کے سب سے آخری جواب کو از اوّل تا آخر پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ مسٹر کا کوئی ایسا اعتراض نہیں جس کا مسکت اور برجستہ جواب

اسکن نہ دیا ہو۔ اس کے استادانہ داؤ پیچ اس کی تحیّر افزا پھرتی اور اس کے بھرپور اور فیصلہ کن ہاتھ ناظرین کرام سے خراج تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کی مکمل شخصیت اس کے کلام سے آشکار ہے جس کو دیکھ کر ہر منصف مزاج شخص بے دم بخود رہ جاتا ہے اور زبان حال سے یوں بول اُٹھتا ہے ؎

بدن سارا ڈھلا سانچہ میں گویا ؛ نہیں اترا ہوا ظالم کہیں سے

باوجود انتہائی تیزی قلم اور شوخی خامہ کے الزامی اور تحقیقی دونوں قسم کے جوابات اور وہ بھی نہایت مدلّل اور دندان شکن آپ اس کی تقریر دلپذیر میں موجود پائیں گے

غرضکہ یہ مجموعہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جس کو مختلف اہل قلم حضرات کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ ہم مضمون و ہم طرح اشعار کو بڑی کوششوں کے ساتھ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور مناسب ترتیب دے کر مرتّب کیا گیا ہے بہت ہی دلچسپ ہے اور علاوہ بے انتہا سبق آموز ہونے کے ادب نواز اور بذلہ سنج حضرات کے لیے تفنن طبع کا سامان بھی کافی طور پر مہیا کر رہا ہے۔

ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ یہ پنجابی چوں چوں کا مربہ یا یوں کہیے کہ نورتن چٹنی خوان صحافت وظرافت پر ایک قابل قدر اضافہ ہوگا۔ اور اسکی لذائذ لفظی و معنوی اہل ذوق کے لیے بے انتہا ضیافت طبع کا موجب ہونگے۔ اور ہمارے اس مجموعہ کا نام "مسٹر اور مُلّا کی نوک جھونک" بھی بلحاظ اپنی موزونیت و چسپانیدگی کے ہمارے ناظرین عالی تبار کو اول اپنی جانب خاص طور سے متوجہ اور پھر بعد ملاحظہ محظوظ و مسرور کئے بغیر نہ رہے گا

آخر میں یہ اطلاع کر دینا بھی ضروری ہے کہ مسٹر کی جانب جتنے اشعار اس مجموعہ میں منسوب کیے گئے ہیں اُن سب پر مسلسل نمبر ڈال دیئے گئے ہیں تاکہ جہاں جہاں ممکن ہو سکے اور ضرورت سمجھی جائے مُلّا کے جوابات میں حاشیہ پر ان کا حوالہ بھی دیدیا جائے اور اس طرح دونوں کے اشعار کو ناظرین بیک وقت اور بسہولت اپنے پیش نظر رکھ سکیں اور اس نوک جھونک کا پورا لطف اٹھا سکیں۔ والسلام: مؤلف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مسٹر اور مُلا کی نوک جھونک

ملقب بہ نمکدانِ ظرافت

نمک دانِ ظرافت اک مکمل درسِ عبرت ہے
ظرافت کی ظرافت ہے نصیحت کی نصیحت ہے

پردۂ غیرت

(از مُلّا)

کیا فیشن نے سب کو واقفِ اسرارِ پنہانی
کہ پیراہن میں بھی آنکھوں نے لُوٹا لطفِ عُریانی
اہا ہا حسنِ بے پردہ سے عالم جگمگا اُٹھا
اہو ہو کیسی کیسی صورتیں دیکھی ہیں نُورانی
اُڑے جاتے ہیں میرے ہوش ہی اے پردہ دراُف اُف
ارے رے عقل ہی میری ہوئی جاتی ہے دیوانی
سنبھالوں ہائے میں کیونکر اس اپنے چُلبلے دِل کو
نہیں پاتا ہوں قابو کر چکا ہر سعی امکانی
اُٹھی جاتی ہیں جذبِ حسن سے بے اختیار آنکھیں
ہوا جاتا ہے سارا زھد و تقویٰ نذرِ حیرانی
پھرا جاتا ہے منہ سوئے بتاں روکے نہیں رُکتا
مدد اے جذبِ ایمانی، کرم اے فضلِ رحمانی

ل: یہاں سے بے پردگی کے نقائص مُلّا بیان کرتے ہیں ۱۲

پڑے جاتے ہیں رخنے دین و ایماں میں اَرے توبہ
بتوں کی ہے یہ ہر کافر نگہ اِک تیر شیطانی

ہوئی جاتی ہے نیّت ڈانواڈول ہائے میں ڈوبا
کئے ہیں دل میں اک طوفاں بپا ہیجان نفسانی

ہوئے جاتے ہیں غارت دین و دل اَے دشمن پردہ
خُدا سے ڈر، ارے خلق خُدا پر یہ ستمرانی

خلافِ عقل و دیں تو پردہ در بے پردگی ہے ہی
خلافِ رحم بھی ہے یہ نظر بر ضعف انسانی

نکلتی ہیں ٹہلنے عورتیں اُٹکھیلیاں کرتی
جدھر جاتے ہیں آتا ہے نظر اک غول شیطانی

جو ہے پردہ میں خُوبی اِسکو کیا جانیں یہ آوارہ
جو ہے عفت میں لذّت اسکو کیا سمجھیں یہ غیبانی

ہنسی ہے دل لگی ہے رات دن چھیڑیں ہیں چہلیں ہیں
حیا مٹتی ہے مٹ جائے، طبیعت اُنکو بہلانی

سبھی ہم رنگ ہیں اَب یہ سمجھنا بھی تو مشکل ہے
گھرستن ہے کہ کسبی، مہترانی ہے کہ مہرانی

گئے پردے کے دن اُب تو ہوا خوری ہے سیریں ہیں
غضب ہے گھر کی حُوریں ہوگئیں غولِ بیابانی

نگل جا اے زمیں ناپید انہیں اے آسماں کردے
نہ یُوں بیٹھیں گی پردے میں یہ بے غیرت یہ سیلانی

کبھی سر کا لیا دامن، کبھی ڈھلکا دیا آنچل
غرض ہر طرح جوبن اپنی انہیں مردوں کو دکھلانی

خُدا کو حشر میں اَے پردہ در کیا مُنہ دکھائے گا
تمام اعضائے انسانی کو کر دیا تُو نے زانی[1]

۱؎ حسب حدیث شریف کہ تمام اعضا زنا کرتے ہیں۔ ۱۲

ہمیں جھینپے، حسینوں نے لڑائی اس طرح آنکھیں
نگاہِ شوق نے ہی ہار چشمِ شوخ سے مانی

نئی تعلیم نے کیا لڑکیوں کو فیض بخشا ہے
جسے دیکھو وہ فنِ دلربائی کی ہے اُستانی

سُجھائیں عشق کی صدہا سبیلیں سینکڑوں راہیں
بہت کام آئی ناول بینی و جغرافیہ دانی

یہ کس فرقہ کا ان کو ہمنوا کرتے ہو سوچو تو
سکھائی جا رہی ہے لڑکیوں کو کیوں خوش الحانی

حوالے ٹیوٹروں[1] کے بے تامل لڑکیاں کر دو
کرینگے بھیڑیئے یہ خوب ان بھیڑوں کی نگرانی

ترقی کی تمھیں دن رات دُھن اور میں یہ کہتا ہوں
"کہ یکدم با خُدا بودن بہ از مُلکِ سلیمانی"

نہیں گنجائشِ چون و چرا خود تجربہ کر لو
میں سمجھاؤں تمہیں کیونکر یہ ہے اک امر وجدانی

نصیحت تیری کیا ہو مسٹروں پر کارگر مُلّا
مرض ان کا ہے انگریزی ترا نسخہ ہے یُونانی

(البصیرت)

(از مسٹر[2] بجواب پردۂ غیرت

مری فکرِ رسا! نا واقفِ اوہامِ انسانی
فدائے شاہدِ آزادی ہمدرد دلنوانی

سکوت ایرادِ بیجا پر کہاں تک خامشی تا کے
ضروری ہے کہ اب ٹوٹے طلسمِ جہل و نادانی

---

[1] یعنی مرد اُستاد جو گھر پڑھانے آتے ہیں۔ ۱۲
[2] یہاں سے مسٹر پردہ کی برائی اور بے پردگی کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ ۱۲

تعصب پھر نہ سنگِ راہ ہو جائے ترقی کو
چھپے پھر تیرہ زنداں میں نہ حُسنِ ماہ کنعانی
تعجب ہے ابھی تک پاک میں ایسے بھی ناداں ہیں
ترقی عورتوں کی جن کی نظروں میں ہے نادانی
سحر بھی ان کی نظروں میں ابھی تک شامِ غفلت ہے
شرارِ جہل کو سمجھے ہیں وہ قندیلِ رہبانی
ترقی کر کے قومیں منزلِ مقصود تک پہنچیں
مگر یہ لوگ ہیں اَب بھی اسیرِ دامِ نادانی
بزعمِ خدمتِ قومی جنابِ شیخ اور مُلّا
کیا کرتے ہیں اکثر در خود دھمتِ قلم رانی
جنونِ نَو جو وہ تہذیبِ مغرب کو بتاتے ہیں
تو یہ نکلے ہیں لے کر نُسخہ ہائے طبِ یونانی
کوئی پوچھے کہ اَے ہذیاں سرائے پردۂ غیرت
جہاں میں کیا نہیں ہے کوئی شے تہذیبِ انسانی
یہ بہتر تھا نہ ہوتی نظم یہ شائع کہ اَے ناداں
ترے جذباتِ پنہاں کی یہ ہے تصویرِ عُریانی
تری تخیلِ نفسانی کی ہے تخلیق وہ عورت
بنایا ہے جسے بے غیرت و شیطان و سیلانی
ارے اِس طرح کا بدبیں و نابینا تو بہتر ہے
جہاں میں حُسنِ نسوانی سے ہو سکتا ہے جو زانی
مطیعِ نفسِ شیطانی ہے زہد و اتقا جس کا
عبث دُنیا میں ہے جویائے فضل و رحمِ رحمانی
مَے ایماں سے جنکے ساغرِ دل پُر ہیں دُنیا میں
نظر اِس حُسن میں آتی ہے ان کو شانِ یزدانی
کیا ہے خبثِ باطن نے پریشاں جس تصوّر کو
رسائی سے ہے اس کی دُور شانِ حُسنِ نسوانی

فریبِ نفسِ شیطانی کا یہ بھی اک کرشمہ ہے
جو حُوریں تک نظر آنے لگیں غولِ بیابانی

اُٹھا کر پردۂ رنگِ تعصّب دیکھ او ناداں
کہ ہے بے پردگی میں بھی نمایاں شانِ انسانی

وفا کی ہیں وہ تصویریں حیا کی دیویاں وہ ہیں
جو عصمت میں ہیں بے ہمتا صداقت میں ہیں لاثانی

سراپا پیکرِ صبر و رضا حلم و مروّت ہیں
بجا ہے گر کہوں ہیں مظہرِ اوصافِ انسانی

فدائے شمعِ ایماں آج تک پروانۂ دل ہے
انھی کے دم سے قائم ہے ابھی شانِ مُسلمانی

نہ سمجھے فرق جو سارا قصور اسکی سمجھ کا ہے
چراغِ غولِ صحرائی ہے یا شمعِ شبستانی

لباسِ فاخرہ دونوں کا عصمت ہے، تو کیا ڈر ہے
رہے گی اپنی حد میں مہترانی ہو کہ مہرانی

ہے دعوائے غلط خورشید اِک ذرے کا بن جانا
پرِ طاؤس کوّے کو ہوئے وجہِ پشیمانی

نہیں جذباتِ نفسانی کا پردہ جن کی آنکھوں پر
پرکھ لیتے ہیں مستورات کا رُتبہ باآسانی

بہت ہے شور و غوغا آج ہند و پاک میں جس کا
حقیقت میں وہ پردہ ہے دلیلِ جہل و نادانی

ابھی اے مُسلمِ جاہل نہیں معلوم ہے تجھ کو
کہ یہ پردہ نہیں ہے حاصلِ آیاتِ قُرآنی

ارے اے طبقۂ نسواں یہ کیا کچھ کم اذیّت ہے
گھروں میں بند رکھنا عُمر بھر مانندِ زندانی

رہیں علم و ہُنر سے بے خبر دُنیا سے ناواقف
نہ اُن پر پڑنے پائے پرتوِ شمعِ شبستانی

کبھی قیدِ جہالت میں نہ پیدا ہوگا وہ جوہر
ارے وہ دل کا پردہ ہے جو ہے پیغامِ ربّانی

نئی تہذیب بدظن ہوا جاتا ہے کیوں ناداں
یہی دُنیا میں ہے انکے لئے قندیلِ رہبانی

اسی نے پھر سکھائی آج انکو شانِ خودداری
جہالت مٹ گئی روشن ہوئے اوصافِ پنہانی

خس و خاشاک نے صُورت بدل دی تھی گُلستاں کی
رواج و رسمِ مشرق میں نہ تھی شانِ مُسلمانی

نئی تعلیم سے سرشار ہو کر اب وُہی عورت
چلی ہے کاٹنے زنجیرِ پائے جہل و نادانی

تماشائے جہاں ہے رُوبرُو اب روز و شب اسکے
اسے معلوم ہے جو کچھ ہوئی اس پر ستم رانی

وہی عورت سہیں حق تلفیاں جس نے خموشی سے
ہوئی ہے آج اُٹھ کر داد خواہِ حقِ نسوانی

نہ رکھتا تھا نظر میں جن کی وقعت طبقۂ نسواں
کوئی دیکھے اب ان کی بے حواسی اور حیرانی

ہُوئی ہے عقل ناکارہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا
جو کچھ تہذیب باقی تھی ہوئی نذرِ پریشانی

کوئی الزام دھرتا ہے کوئی بدنام کرتا ہے
کوئی کہتا ہے دیوانی کوئی کہتا ہے سیلانی

کوئی پُوچھے کہ اے تہذیبِ باطل کے پرستارو!
رہے گی تابکے یہ شورشِ اغراضِ نفسانی

رہو گے درپئے آزار تُم کب تک ترقّی کے
رہے گی تابکے قیدِ طلسمِ جہل و نادانی

بس اے قلبِ حزیں خاموش حاصل بحث سے کیا ہے
بتا دے گی خود اپنا فرق دانائی و نادانی

ل

حقیقت

(از مُلّا)

بجواب بصیرت

خُدا شاہد ہے جو ہے واقفِ اسرارِ پنہانی
کہ ہیں پردہ اُٹھانے میں نہاں اغراض نفسانی

ادائیں چُلبلی سج دھج رنگیلی چال مستانی
پسند آئیں یہ باہر والیاں یا گھر کی مُلّانی

اُلٹ دی جب نقابِ رُخ تو پھر کیا پاک دامانی
یہ چہرہ کھولنا ہے پردہ در تمہید عُریانی

کریں مسٹر نہ ہرگز جرأتِ تفسیر قرآنی
کہ ہے اقرار نادانی یہ دعوائے ہمہ دانی

کہاں تعلیم انگریزی کہاں تفسیر قرآنی
زباں یار من ترکی تو ترکی نمیدانی

یہ ہے منشائے نفسانی نہیں منشائے قرآنی
یہ تاویلیں ہیں مطلب کی یہ تفسیریں ہیں من مانی

قیامت ہے کہ یُوں جائیں ازراہِ ہوس رانی
نثارِ مصحفِ روئے بُتاں آیاتِ قُرآنی

عبث ترمیم دیں کی فکر ہے عقلیں ہیں دیوانی
اٹل ہے حُکمِ ربّانی، اپیل اس کی نہ نگرانی

یہ قیدِ پردہ ہے عینِ اقتضائے طبع انسانی
جس آزادی کے تم خواہاں ہو وہ ہے خُوئے حیوانی

نہ کر یُوں طعن اے روشن دماغِ تیرہ دل ہم پر
ہے رسمِ پردہ وہ ظُلمت جو در پردہ ہے نورانی

ل یہاں دوبارہ مُلّا مسٹر کو جواب دیتا ہے اور پردہ کے حق میں اپنے دلائل بیان کرتا ہے ۱۲

خیالی روشنی روشن خیالی آج کل ہے
دِلوں سے سلب اس نے کرلیا ہے نُورِ ایمانی
نئی جو روشنی ہے وہ نئی ہے ہاں بایں معنی
کہ ظاہر اس کا نورانی ہے باطن اس کا ظلمانی
نئی تہذیب بے پردگی کی کیسی نکلی ہے
خلاف دیں خلافِ غیرت و تہذیبِ انسانی
ملیں غیروں سے بیگم صاحبہ تو جا کے خلوت میں
میاں صاحب کریں بیٹھے ہوئے چوکھٹ پہ دربانی
ملاقاتیں کراتے پھرتے ہیں خود ہی رقیبوں سے
شریکِ عیش اب ہیں جو کبھی تھے دشمن جانی
تماشے ہیں کلب ہیں، پارک ہیں اور سیرگاہیں ہیں
بس اب تو عشق کی سب منزلیں طے ہیں بآسانی
چلے آتے ہیں صبح و شام وہ تفریح کرتے خود
شبِ فرقت دراز اب ہے نہ روزِ غم ہے طولانی
سلامت رہ چکی اب کشتیٔ ناموس اے ہمدم
ہوا خوری ہے بحرِ حُسن میں آئے گی طغیانی
نہیں ہے خیر اب شہسوارِ حُسن کی بس یارو
کھلے بندوں سمندِ ناز ہے سرگرم جولانی
غضب ہے اختلاطِ مرد و زن یوں بے تکلف ہو
حیا رخصت ہوتی دیدوں کا سب کے ڈھل گیا پانی
پری زادوں کے جُھرمٹ ہیں نظربازوں کے جھمگٹ ہیں
یہ حُسن و عشق کی دیکھے کوئی ہر سُو فراوانی
معاذاللہ توبہ چشمِ غیرت ہوگئی خیرہ
کہ برقِ حُسن ہے بے پردہ سرگرمِ درخشانی
متاعِ ہوش کو لے کر کہاں جائیں کدھر بھاگیں
کہ ہر سُو بے حجابی سے ہے اک بازار حیرانی

مصیبت اہلِ دل کی ہے مزے ہیں بوالہوس تیرے
نہ ادراکِ نظر تجھ کو نہ احساسِ پریشانی

نظر والوں کی مُشکل ہے جو اندھا ہو وہ کیا جانے
کرشمہ سنجی و غمزہ شناسی و ادا دانی

کجا دانند حالِ ما سبکساراں ساحلہا
قیاس اپنے پہ کرلینا ہے سب کو سخت نادانی

اُٹھا پردہ ہُوئے آزاد، بن ٹھن کے حسیں نکلے
یہ فتنے کیوں نہ ہوں ظاہر قیامت بھی تو ہے آنی

کرے گا منتشر شیرازۂ عالم کو ھی اِک دن
ہَوا خوری میں زُلفوں کا یہ اندازِ پریشانی

"ظہورِ ہر کمالے را زوالے" ہونے والا ہے
ترقی حد سے گزری اب تری اے عالمِ فانی

اُٹھا پردہ تو دُنیا سے شرافت بھی اُٹھی سمجھو
نہ پھر سیّد، نہ صدّیقی، نہ فارُوقی، نہ عثمانی

کھلا یہ راز اہلِ عقل کے پردہ اُٹھانے سے
زیادہ حد سے دانائی کا بڑھنا بھی ہے نادانی

شرافت آبرو مذہب ترقی پر فدا ہیں سب
یہ ہے ایثارِ مردانہ اِسے کہتے ہیں قربانی

بس اَب تو ھی مردِ میدانِ ترقی ھیں
کریں اَب مرد گھر میں بیٹھ کر گہوارہ جنبانی

شریکِ کار کرلو، نازنینوں کو حسینوں کو
خلافِ طبع لوگوں سے جو ہو کچھ بات منوانی

نہ قیدِ مذہب و ملّت نہ رسمِ پردۂ غیرت
یہ آزادی ہے آزادو سراسر قیدِ نفسانی

قیودِ شرح پر واللہ سو آزادیاں صدقے
کہاں یہ حظِّ نفسانی، کہاں وہ لُطفِ رُوحانی

یہ پابندی شریعت کی ہے گویا جان آزادی
سمجھنا قید اسے طعنہ زنی ہے سخت نادانی

جو ہم پابندِ مذہب ہیں تو تم پابند فیشن ہو
جو تُم آزاد فطری ہو تو ہم آزاد روحانی

مُسلمانوں سے بھی اُٹھ جائے پردہ کیا قیامت ہے
"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مُسلمانی"

پتے کی کہہ رہا ہے بڑمیں اِک مجذُوب دیوانہ
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید شک نہ کر ہرگز
"پس از سی سال ایں معنیٰ محقق شد بخاقانی"

شکایت[1]

خطابِ عام کے رَد میں کِئے ہیں ذات پر حملے
مُبارک مسٹروں ہی کو یہ تہذیب قلم رانی

"بصیرت" کیا مٹائے گی فروغِ "پردۂ غیرت"
کہاں اِک نقشِ باطل اور کہاں نقشِ سلیمانی

وہ سمجھے "پردۂ غیرت" کو کیا جو دل کا روگی ہو
بھلا کیا فائدہ دے اسکو عینک جو ہو یرقانی

"بصیرت" تو نے لکھی ہے خاک آنکھوں میں جھونکی ہے
بتایا تُو نے کن کو مظہرِ اوصافِ انسانی

حیا کی دیویاں بے پردہ پھرنے والیاں بھی ہوں
مری باتیں ہیں ہذیانی کہ یہ باتیں ہیں ہذیانی

بدیہیات کا انکار اس دیدہ دلیری سے
بتایا رات کو دن واہ کیا سُوجھی ہے لاثانی

[1] یہاں سے مُلّا مسٹر کی شکایت کرتا ہے کہ مسٹر نے گفتگو میں تہذیب کو چھوڑ دیا ہے وغیرہ وغیرہ ۱۲

حیا و عصمتِ بے پردگی ثابت ہو ناممکن
ضدوں کو جمع کرنا عقل کے دُشمن ہے نادانی

خُدا سے ڈر ارے دھری نہ بن کیسا مُسلماں ہے
کہ سمجھا حُسن بے غیرت کو تُو شانِ یزدانی

وفورِ شوقِ حُسنِ زن سے ہے حُسنِ ظن تیرا
فرو کر کے تو دیکھ اے بوالہوس ہیجان نفسانی

تقدس کا نہیں میں مدعی بیشک میں بدبیں ہوں
مری فطرت ہے انسانی مری خُو بُو ہے مردانی

ھزاروں مُجھ سے بدبیں ہیں بنا اِن سب کو نابینا
جہاں میں تجھ سے کتنے ہیں نظر جنکی ہے عرفانی

نہ مانوں گا نہ مانوں گا یہ ناممکن ہے ناممکن
رہے تو عورتوں میں اور نہ ہو میلان نفسانی

ترقی لاکھ تُو کرلے فرشتہ ہو نہیں سکتا
نہ بدلیں ہیں نہ بدلیں گے خواصِ طبعِ انسانی

نہ ڈینگیں مار تو اتنی نہ بن تو پارسا اتنا
نہ کر دعویٰ تقدس کا بعید از حدِ امکانی

سمجھ کافی نہ عورت کے لئے تو دل کے پردے کو
یہ ہے اغوائے شیطانی نہیں پیغامِ ربانی

اُڑا دے گی ہوائے کوئے آزادی اُسے دم میں
نہ رہنا اس بھروسے پردہ در ہو گی پشیمانی

جہاں مردوں سے کیں باتیں ملیں آنکھیں لڑیں نظریں
کہاں پھر دل کا پردہ اور کہاں پھر آنکھ کا پانی

حجابِ نو عروساں در برِ شوہر نمی ماند
زنِ بے پردہ ہو گی بیٹھ کر مردوں میں مردانی

---

۱ دیکھئے صفحہ نمبر شعر نمبر

ہر اک جانب سے جب اِس پر ہجوم عاشقاں ہوگا
کرے گی کیونکر اور کس کس سے عفت کی نگہبانی

رہے بھی قعرِ دریا میں نہ دامن بھی ہو تر ہرگز
بعید از حد امکانی بعید از عقل انسانی

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند
رہے گی تا بکے مردوں میں رہ کر پاک دامانی

محبّت کی نگاہیں خود بلا کا جذب رکھتی ہیں
پھر اُس پر ضعفِ قلب و انفعالِ طبع نسوانی

جہاں دیکھا کسی پُرشوق نے نادیدہ نظروں سے
دلِ نازک تو عورت کا وہیں ہو جائے گا پانی

گریزاں چاہنے والوں سے عورت رہ نہیں سکتی
کہ قدرِ قدرداں ہے اقتضائے طبع انسانی

جہاں سے بے خبر رہنا تو ہے اے طعنہ زن مسٹر
بروئے غافلات المومنات اک وصف نسوانی

خبر دُنیا کی سب کچھ ایک کو اک بے خبر بالکل
جہاں دیدہ مسٹر اور صرف شوہر دیدہ مُلّانی

بہت دن تک تو تُو نے آزمائے مغربی نسخے
علاج اَب تو بدل کب تک اُٹھائے گا پریشانی

مُسلمانوں کو اے ناواقفِ تاریخ اے ناداں
یہی نافع ہوئے ہیں نُسخہ ہائے طبِّ یونانی

نہ ہنس ان پر نہ ہنس ان پر برت کر دیکھ تو ان کو
نہ پھر امراض جسمانی نہ پھر امراض روحانی

ہوئی ہے اور نہ ہوگی اور نہ ہوسکتی ہے اے مسٹر
ترقی اس طرح چل کر خلافِ حکم ربّانی

لگو مُلّا بس اپنے کام میں کیوں وقت بھی کھویا
ابھی ڈالو گے تم چکنے گھڑوں پر تا بکے پانی

حقیقتِ حقیقت[۱]

(از مضطر)

بجوابِ حقیقت

مری فکرِ رسا اے نعمتِ عطائے یزدانی
جہالت کی شبِ تاریک میں شمعِ شبستانی

حقیقت کی حقیقت بھی ذرا دُنیا کو دِکھلا دے
کہ ہے اوّل سے آخر تک ثبوتِ جہل و نادانی

جوابِ جاہلاں باشد خموشی جانتا ہُوں مَیں
مگر اِس وقت یہ ہو جائے گی تمہید نادانی

جہالت کی نظر آئے جہاں چھائی ہوئی ظلمت
ضرورت ہے کہ روشن ہو اسی جا شمع نورانی

ارے ہذیاں سرائے "پردۂ غیرت" یہ بھی سُن لے
رسائی سے ہے تیری دُور اوجِ پاک دامانی

اگر تصویرِ عُریانی تھی نظمِ "پردۂ غیرت"
تو یہ نظمِ "حقیقت" بھی ہے اک تشریحِ نادانی

پریشاں عقل و دانش کو کیا ہے یُوں تعصّب نے
کہ رُخصت ہو گئی ہے تجھ سے سب تہذیبِ انسانی

لے بس یہ انتہائے فکر ہے تیری اَے ناداں
نقابِ رُخ سے وابستہ سمجھ لی پاک دامانی

سمجھ کا پھیر ہے او دشمنِ ادراک یہ ورنہ
کُھلا رکھنا نہیں چہرے کا کچھ تمہیدِ عُریانی

اگر دعوٰے کیا ہے تو بہم پہنچا ثبوت اس کا
جہاں لکھا ہے یہ بتلا تو وہ آیاتِ قرآنی

۱ یہاں سے مسٹر پھر مُلا کو ان کی نظم حقیقت کا جواب دیتا ہے ۱۲

کہا ہے طنز میں مسٹر جسے وہ مولوی بھی ہے
پڑھی ہیں اس نے باتفسیر سب آیات قرآنی

فدائے شاہدِ اسلام ہے پیرو ہے مذہب کا
فروزاں کعبۂ دل میں ہے اس کے شمع نورانی

اُٹھا کرتا ہے دل میں درد ہوتے ہیں رواں آنسو
مسلمانوں کی جب وہ دیکھتا ہے نامسلمانی

بُرا کہتا ہے کیوں تعلیم انگریزی کو ارے ناداں
اَرے اِس سے تو بن جاتا ہے ذرّہ مہر نورانی

گھٹا چھائی تھی ظلمت کی اندھیرا ہی اندھیرا تھا
نظر سے چھپ گیا تھا حُسن نورِ شمع ایمانی

پھنسی تھی کشتئ اسلام یوں بحرِ تعصّب میں
کہ بچنا ڈوبنے سے تھا بعید از عقل انسانی

یکایک مغربی تعلیم آئی روشنی لے کر
فنا ہونے لگا دُنیا سے دورِ جہل نادانی

سکھائی طرزِ نقد و تبصرہ اس نے زمانے کو
کسوٹی پر کسا جانے لگا ہر قولِ انسانی

گئے وہ دِن کہ جب تم ایسے کٹھ مُلّے ہی سب کچھ تھے
زیادہ تُم سے کر سکتے ہیں ہم تفسیر قرآنی

عوام الناس تھے تازی زباں سے بس کہ ناواقف
دیئے دھوکے پہ دھوکے ان غریبوں کو بآسانی

بتایا طبقۂ نسواں کو پہلے عقل سے خارج
گھروں میں بند کر کے پھر بنایا اُن کو زندانی

ہوا ہیجان پیدا نفسِ شیطانی سے جب دل میں
تو اپنے حق میں جائز کی ہر اک شئے کی فراوانی

ہو اگر معترض کوئی بشر ازراہِ ہمدردی
تو وہ ملحد ہے پھر باقی کہاں شانِ مسلمانی

مسلمانوں کی حالت کس لئے اتنی ہوئی ابتر
نظر آتی ہے کیوں افلاس کی ہر سو فراوانی

پہنچ کر منزلِ مقصود پر اغیار شاداں ہیں
سرِ راہِ ترقّی میں ہیں ہم اور رنج و حیرانی

سبب اس کا اگر پوچھو تو ہیں تم ایسے ملّا ہی
جو انگریزی کو کہتے ہیں خلافِ حکمِ قرآنی

خلافِ فتوےٰ سرسیّد نے کالج جبکہ کھولا تھا
بنایا تھا اسے بے دین ملحد اور ھذیانی

لکھا ہے حضرت سودا نے بھی کیا خوب یہ مصرع
"ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی"

چراغ ہوش رکھتا ہے تو اس پہ غور کر ناداں
یہ سب منشائے قرآن تھا یا منشائے نفسانی

کہاں تک میں تجھ کو بتاؤں ہیں باقی یہ تفسیریں
کہ ہے یہ داستاں پکّے مسلمانوں کی طولانی

ارے ناداں پھر دنیا میں توڑی ھی کیوں جاتی
جو قیدِ پردہ ہوتی اقتضائے طبعِ انسانی

بہت ھی پست ہے پرواز مرغِ عقل کی تیرے
ترا پائے نظر ہے بستۂ زنجیرِ نادانی

بہم تیرہ دلی روشن دماغی سے ہو ناممکن
ترا ہر قول نادانی تیری ہر بات ہذیانی

مگر پکّے مسلماں طبعِ انسانی کے ہیں مظہر
زمانہ بھر ہوا ہے مبتلائے خوئے حیوانی

نہیں ہے اصلیت سے کچھ تعلق تیری باتوں کو
تری کج بیں نظر ہے مرکزِ اوھام و نادانی

خیال روشنی اے تیرہ دل جس کو بتایا ہے
کیا ہے تاب دے کر اس نے روشن نورِ ایمانی

یہ آخر اختلاطِ مرد و زن سے کیوں پریشاں ہے
تری چشمِ ہوس سے ہے یہ سب ہیجان نفسانی

زمانہ کروٹیں لیتا ہے رُخصت ہوگئے وہ دن
جہاں میں جبکہ عورت تھی فقط ظرفِ ہوس رانی

برابر حیثیت مرد اور عورت کی ہے دُنیا میں
یہی لکھا ہے قرآں میں یہی ہے حُکمِ ربّانی

بہم کیا مرد و زن میں پاک اُلفت ہو نہیں سکتی
وہ مِل سکتے ہیں دُنیا میں بِلا اغراضِ نفسانی

سمجھ میں تیری یہ باریک نقطہ آ نہیں سکتا
نہ ادراکِ نظر تجھ کو نہ فہمِ جذبِ نسوانی

رہے گولر کے بھنگے کی طرح محدود دُنیا جب
تو پھر وُسعتِ نظر میں آ نہیں سکتی بآسانی

خلافِ عقل سرتاسر ہے یہ مجذوبؔ کی بڑ بھی
ہمیشہ مشورہ جس کا ہوا وجہِ پشیمانی

پُرانی یہ دلیلیں ہیں نہیں ان میں اثر باقی
نہ ہونا دیکھ اب اس راہ میں سرگرمِ جولانی

نئی تہذیب نے آکر سکھائے معنئ پنہاں
خلاف اِس کے جہاد اے عقل کے دشمن ہے نادانی

مَرے مُردوں کو سونے دے نہ قبریں کھود اب انکی
ہوئی مُدت کہ رُخصت ہو چکا دُنیا سے خاقانی

عرضِ حال بجوابِ شکایت ؏

بصیرت چور کی ڈاڑھی کا تنکا ہو گئی بالکل
خطابِ عام پر ورنہ گلہ شکوہ ہے نادانی

؏ ملّا نے جو مسٹر سے شکایت کی تھی اس کا جواب مسٹر یہاں دے رہا ہے ۱۲

نہیں ہے پردۂ رنگِ تعصب جن کی آنکھوں پر / سمجھ ہی کر پڑھا کرتے ہیں وہ آیاتِ قرآنی
جہالت کا نہیں سایہ پڑا ہے عقل پر جن کی / ابھی تک جن کے دل میں ہے عیاں شانِ مسلمانی
نگاہِ حق نگر اُن کی نمایاں کر چکی ہو گی / بصیرت کی متانت "پردۂ غیرت"[1] کی عُریانی
چراغِ صبح گاہی کی جھلک ہے "پردۂ غیرت" / عبث اِس نفسِ فانی کو کہا نقشِ سلیمانی
فروغِ "پردۂ غیرت" بچے گا کیا "بصیرت" سے / نہ چھوڑے گا خس و خاشاک کو بہتا ہُوا پانی
بتاتا ہُوں تجھے اِک بات موٹی سی جو تُو سمجھے / کہ اپنے منہ میاں مٹھو ہے بننا سخت نادانی
جسے تو خاک سمجھا ہے وہی کحل الجواہر ہے / تری آنکھوں میں یُوں جھونکا کہ کم ہو تیری حیرانی
ارے ناداں یہی تو فرق ہے انسان و حیوان میں / کہ وہ آقا ہے اور یہ بندۂ احساسِ نفسانی
ہزاروں تجھ سے پیدا ہیں اگر بد ہیں تو کیا ڈر ہے / انہیں دُنیا میں کچھ حاصل نہ ہو گا جز پشیمانی
مطیعِ نفسِ شیطانی کی نظروں کو بھی اے بد بیں / ضیائے عصمتِ عورت بنا دیتی ہے عرفانی

[1] یہ پچھلے سوال و جواب نظموں کے نام ہیں ۱۲

غیر طرحِ[1] بہ حمایت مُلّا

اس آزادی میں کیا پابندِ شوہر بیبیاں ہوں گی
نصیبِ دُشمناں ہوں گی نصیبِ دوستاں ہونگی
یہی آزادیاں ہوں گی یہی بے باکیاں ہونگی
تو بس یہ بیبیاں پھر بیبیاں کیا رنڈیاں ہوں گی
کریں گی ڈگریاں حاصل ملازم بیبیاں ہوں گی
وہ خود کسبِ معاش اپنا کریں گی کسبیاں ہونگی
حرم دفتر بنے گا بیبیاں بھی اَب میاں ہونگی
بجائے تخت اور پیڑھی کے میز اور کرسیاں ہونگی
درونِ خانہ بھی رہ کر نہ کچھ پابندیاں ہوں گی
کریں گی دیدہ بازی گھر میں ہر سُو کھڑکیاں ہونگی
یہاں تک حُسن کے بازار میں ارزانیاں ہونگی
میسّر نوکروں کو بیگمیں اور رانیاں ہونگی
سپر تھا پردہ اَب بے روکِ تیر اندازیاں ہونگی
حیا و عصمت و ناموس کی قربانیاں ہوں گی
جمال آرائیاں ہونگی شباب آرائیاں ہونگی
سرِ محفل بصد ناز و ادا انگڑائیاں ہوں گی
بھلا غیروں سے یوں بے لوث کب تک شوخیاں ہونگی
ابھی خوش فعلیاں ہوں گی پھر بد فعلیاں ہونگی

[1] یہاں سے مُلّا کی حمایت کے اشعار ہیں مگر طرح ان کی اَور ہے ١٢
[2] حضرت مجذوبؔ صاحب کی یہ پیشگوئیاں سب حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہیں ١٢

هر اک سے رفتہ رفتہ بے تکلف بیبیاں ہونگی
ابھی رسمی ملاقاتیں ہیں پھر تو یاریاں ہونگی

کہاں خانہ نشینی؟ اب تو بزم آرائیاں ہونگی
جو اب تک جانِ شوہر تھیں وہ اب جانِ جہاں ہونگی

پھریں گی ماری ماری گاہ یہاں گاہ وہاں ہونگی
وہ جب بے پردہ ہوں گی کشتیٔ بے بادباں ہونگی

ہر اک سے دل لگی ہوگی ہر ایک سے شوخیاں ہونگی
وہ کیا پردہ نشینوں کی طرح افسردہ جاں ہونگی

کہاں کی سادگی؟ بڑھیوں میں بھی رنگینیاں ہوں گی
حیا کس سے؟ سرِ بازار بھی اٹھکیلیاں ہوں گی

بلا اندیشہ باغِ حسن میں گل چینیاں ہوں گی
بہ علمِ باغباں ہوگی بہ اذنِ مالکاں ہونگی

بنے گا پاک پیرس گر یہی شوقینیاں ہوں گی
جو کنواری ہیں مسیں جو بیگمیں ہیں لیڈیاں ہونگی

بلا کی مستیاں ہونگی غضب کی شوخیاں ہونگی
گھٹائیں پانی پانی لوٹ ان پر بجلیاں ہونگی

اب اُلٹی بیبیاں ہی شوہروں پر حکمراں ہوں گی
ترقی کر کے وہ یعنی زمیں سے آسماں ہونگی

پسند اب آئینگا سایہ پسند اب ساڑیاں ہونگی
کہ دینی وضع میں ایسی کہاں عُریانیاں ہونگی

ابھی سے لڑکیوں میں اس قدر رنگینیاں ہوں گی
تو جب ہوں گی یہ بالغ تب تو تیغِ خونفشاں ہونگی

ذرا خائف نہ وقتِ رخصت اب کنواریاں ہونگی
وہ فن داں ہونگی صحبت یافتہ ہوں گی رواں ہونگی

جب ایسی شوخ دیدہ چھٹ پنے میں لڑکیاں ہونگی
تو آفت ڈھائیں گی جب بڑی ہونگی جواں ہونگی

اب اسٹیجوں پہ آکر جلوہ فرما بیبیاں ہونگی
جواب تک معنئ پنہاں تھیں وہ اب سُرخیاں ہونگی

غلط راہوں سے روکیں گی وہ چپت پڑپڑ کے مَردوں کو
برائے اوج قومی عورتیں اب سیڑھیاں ہونگی

کہے گا ایک اگر شوہر سُنائیں گی وہ سو اُسکو
سراپا گوش تھیں یا اب وہ سرتاپا زباں ہوں گی

بدل جائیں گی رسمیں اب نیا دَور آئے گا ایسا
کہ پہلے رخصتیں ہو جائیں گی پھر شادیاں ہوں گی

پھرینگے کُو بکو پردہ نشیں خود جلوہ دکھلاتے
نہ پوچھو کیسی کیسی حُسن کی اب خواریاں ہوں گی

مِسیں بن بن کے ساتھ اب مسٹروں کے لڑکیاں ہونگی
وہ صاحب لوگ ہونگے اور یہ صاحبزادیاں ہونگی

بڑھیں گے بال ابھریگا شباب اٹکھیلیاں ہوں گی
گھٹائیں سر پہ ہوں گی جام ہونگے مستیاں ہونگی

جوانوں کی طرح بُڑھیوں میں بھی شوقینیاں ہونگی
کہ زُلفِ پُرشکن تو سر پہ منہ پر جُھریاں ہونگی

کِسی دن بیبیوں کی رنگ لائیں گی یہ تفریحیں
بڑھے گا جب سرورِ دل تو پھر بدمستیاں ہونگی

ابھی تک عورتیں کچھ عورتیں تھیں خاک کے تودے
اب اُٹھ کر کوہ اور پھر کوہ بھی آتش فشاں ہونگی

لڑیں گے مرد آپس میں تو ہوں گی عورتیں باعث
کریں گی صلح باہم تب بھی یہ درمیاں ہوں گی

کرالیں گی یہ خالی دیکھنا سب کے خزانوں کو
انہیں کے ہاتھ میں مردوں کی اب تو کنجیاں ہونگی

یہی بے شرمیاں ہونگی تو لٹیا ڈوب جائے گی
یہی ہیں بارشیں تو غرق سب کی کشتیاں ہونگی

بصیرت بے بصیرت[۱] جواب الجواب حقیقتِ حقیقت

(از مُلّا)

خلافِ پردہ کرلے پردہ در ہر سعی امکانی
وہ بہکائے نہ بہکیں گے جن پر فضل یزدانی
ارے اس یوسفِ قلعہ نشیں کو کہہ نہ زندانی
کرے جو گھر کے اندر رہ کے عفت کی نگہبانی
اگر پردہ دروں کی رائے تم نے بیبیو مانی
جبھی کہنا جو عزت پر نہ پڑ جائے گھڑوں پانی
چڑائیں لاکھ تم کو پردہ در کہہ کہہ کے زندانی
کرو پردہ میں شاہی اس کو سمجھو ظلِ سبحانی
ہوئی بے پردگی سے کیسی گڈمڈ نسلِ انسانی
کہ ماں ہندی ہے باپ افغان ہے اور بیٹی ہے مغلانی
لبِ رنگیں پہ سب کے دانت ہیں دیکھو تو ارزانی
اگا ہے کوڑیوں کے مول اب لعل بدخشانی
پسند اپنے لئے کرلیں مزعفر خواہ بریانی
کہ خوانِ حسن پر ہے عاشقوں کی عام مہمانی
کوئی تھی آسیہ پردے میں کوئی مریم ثانی
بنے گی اب کوئی شیطان کی خالہ کوئی نانی

۱ یہاں پر مُلّا اپنا جواب دیتا ہے اور طریقے سے مسٹر کی تردید کرتے ہوئے بے پردگی کی خرابیاں بیان کرتا ہے

ترے جلوؤں کی یہ اے حُسن بے پروا فراوانی
ہیں چشمِ شوق کو بھی شکوہ ہائے تنگ دامانی

نہ اب آنکھیں ہیں شرمیلی نہ اب زلفیں ہیں طولانی
کریں ایجاد اب شاعر نیا طرزِ غزل خوانی

کبھی ساڑھی کبھی سایہ مگر ہندو نہ نصرانی
ملے غیروں سے کھل کر پھر بھی صورت کس نے پہچانی

مقابل میں ٹھہر سکتی بھلا کیا وضعِ مُلّانی
کہ ساری وضعِ ملکی اور سایہ وضعِ سُلطانی

ہوا کھا کر دبی آواز سے بولیں یہ شیخانی
مُوئے پردہ پہ اب تو چاہیئے اب آگ برسانی

ہوئی نامِ خُدا صنفِ ضعیف اب ایسی مردانی
دکھاتی ہے یہ مورِ ناتواں زورِ سُلیمانی

ہیں کیسی ہٹی کٹّی عورتیں اب ہو کے مردانی
لگے رہتے تھے ورنہ آئے دن امراضِ نسوانی

کہاں تک اے ترقّی عیش و عشرت کی فراوانی
قیامت ڈھائے گی اِک دن یہ تیری فتنہ سامانی

ہُوا ہے اب تو کچھ آزاد ایسا نفسِ انسانی
نہیں بہرِ گنہ شرمندۂ اغوائے شیطانی

کِسی کو بھا گئی صُورت کسی کو چال مستانی
قدم لیتا ہے کوئی چُومتا ہے کوئی پیشانی

کوئی دل پیش کرتا ہے کوئی آنکھیں بچھاتا ہے
کوئی کرتا ہے جاں صدقے کوئی ایماں کی قرْبانی

کوئی ہے رُخ کا شیدائی کوئی زلفوں کا سودائی
کوئی ہے محوِ حیرانی، کوئی وقفِ پریشانی

گھری ہے چار سُو اب ناز برداروں سے ہر عورت
بھلا یہ چار دیواری میں کب تھی شانِ نسوانی

جلو میں لشکرِ عشاق ہے پر چشم بے پردے کا
ہوا ہے اب تو شاہِ حُسن کو شوقِ جہاں بانی
پڑا رہتا بھلا وہ چار دیواری کے اندر کیوں
ترقّی کے زمانے میں روا کب ہے تن آسانی
یہ کب تھی شان پردے میں کہ کوئی دست بستہ ہے
کوئی ہے پنجۂ مژگاں سے مشغولِ مگس رانی
وہی آگے رہے گی قوم میدانِ ترقّی میں
کہ مستورات ہوں جس قوم کی جتنی بھی سیلانی
بڑی ہی کشمکش تھی جان چھوٹی بعد مدّت کے
کھلی زینت ہوئی عفت سبکدوشِ نگہبانی
جہاں چاہا گذارا دن، جہاں چاہا گذاری شب
کہیں تو مہرِ نورانی، کہیں شمعِ شبستانی
سرِ بازار اب وہ حُسن کی دولت لٹائینگے
علی الاعلان اڑایا جائے گا اب گنجِ پنہانی
اس آزادی کی ہے کیسی ہوا معجز نما دیکھو
نظر آتے ہیں صحراؤں میں پھرتے سرد بستانی
مُضر ہے پردہ صحت کو اٹھانا اس کا واجب ہے
مرض ہوں رُوح کے لیکن نہ ہوں امراضِ جسمانی
وبائے بے پردگی کی کیسی عالمگیر ہے یا ربّ
بچا اس سے نہ ہندی ہی نہ ترکی ہی نہ افغانی
لئے پھرنا شریکِ زندگی کو ساتھ لازم ہے
دلیلِ ترکِ پردہ واہ کیا سُوجھی ہے لاثانی
خلافِ عقل ہی ٹھہرا جو مستورات کا پردہ
سرِ بازار رکھ دو گتیاں بھینکو بھی ہمیانی

ا پاکستانی ۲ پرانے زمانے میں اسکو پیسے رکھنے کی جگہ کہتے تھے اب بٹوا کہتے ہیں۔

اگر بچ بھی رہا دن میں نقب لگ جائیگی شب میں
دکھاتا پھر نہ مسٹر سب کو مال اپنا یہ نادانی

یہ مصداقِ حدیث آنکھوں سے دیکھا اِس زمانے میں
کہ ہر عورت کے پیچھے پیچھے ہے اک غول شیطانی

بتاں شعلہ رو کیوں چار دیواری سے نِکلے ہیں
انھیں کیا چار سُو اب عشق کی ہے آگ پھیلانی

نکالے بیبیوں نے باہر آ کے کیسے پر پُرزے
یہی پردہ میں تھیں حوران غیبی اَب ہیں غیبانی

نہ کھائیں بیبیاں دھوکہ پھریں خوش خوش نہ بے پردہ
یہ سارے لُطف ہیں آنی یہ سارے عیش ہیں فانی

نتیجہ سوچ لیں غنچہ دہن پردہ دری کا خود
لئے پھرتی تھے بازاروں میں گُل کو چاک دامانی

گماں ہے شیخ ھی کے ابتلا کا پردہ اُٹھنے پر
کہ جیسے خود تو رکھتے ہی نہیں ہیں طبع انسانی

مہذّب رہنے دینگی مسٹروں کو ہم بھی دیکھیں گے
ادائیں دِلربا، آنکھیں نشیلی، چال مستانی

نہ کھانا پردہ درسے بھولی بھولی بیبیو دھوکہ
کہ باتیں تو مہذب ہیں مگر نظریں ہیں شہوانی

عبث ہے قیل و قال اَے مسلمو اب بحث پردہ میں
کہ بس فرما چکا "قولِ صوابؔ" اک مردِ حقانی

کہاں تک روئیں رونا چاہیئے بس اَب دُعا کرنا
عبث ہے مرثیہ خوانی کریں اب فاتحہ خوانی

ل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کی ایک تصنیف جس میں قُرآن شریف و حدیث شریف سے پردہ شرعی کا ثبوت دیا گیا ہے ۱۲

الٰہی سایہ گستر رکھ مُسلمانوں پہ پردے کو
سمجھ دے اُن کو جو اسکے مخالف ہیں یہ نادانی
دکھا باطل کو باطل حق کو حق اور حق پہ رکھ ھم کو
بحقِ قُطب اجمیری، بحقِ غوثِ جیلانی
(آمین)

صدائے بازگشت

یعنی

"اظہارِ ملال" بجواب "عرضِ حال"

جو کہتا[1] ہے کروں اس راہ میں اب میں نہ جولانی
تو کس برتے پہ منہ آیا تھا تو اب ہار کیوں مانی
چلا ہی کیوں تھا تو اس راہ میں ازراہ نادانی
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"
کے چھیڑا بس اب پیچھا چھڑانا سخت مشکل ہے
ابھی دیکھی ہے کیا میرے قلم کی تو نے جولانی
چھڑا کر جان اب بھاگا تو پہلے ہی سے کیوں جاگا
یہ رسّی ہے نہیں تاگا، نہ ٹوٹے گی بآسانی
نہ چھوڑوں گا نہ چھوڑوں گا تکبّر تیرا توڑوں گا
جبھی کہنا نہ کر دوں آج اگر پتہ ترا پانی
کہاں جائے گا تو او دُم دبا کر بھاگنے والے
نکل آیا ہے اب میدان میں شیرِ نیستانی
کہیں چھُپ لگ کے مکر و زُور سے اب جان بچتی ہے
نہیں یہ جنگ کوہستاں لڑائی ہے یہ میدانی

[1] یہاں سے مُلّا مسٹر کے عرض حال کا جواب دے رہا ہے اور مسٹر کی تردید کرتا ہے کہ اب مسٹر کو پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا ہے۔ ع

نرا مُلّا سمجھ رکھا ہے تُو نے مجھ کو اُے مسٹر
جبھی تیری یہ جُرأت ہے یہ بیباکی یہ لسّانی

مَیں جھگڑالو ہُوں اگر جھگڑا پنا کوئی کرے مجھ سے
مہذّب ہوں اگر برتے کوئی تہذیبِ انسانی

صفائی جانتا ہُوں، پالِسی مجھ کو نہیں آتی
نہ رکھوں گا لگی لپٹی کہوں گا بات حقّانی

مہذّب گالیاں تیری طرح دینا نہیں آتا
سنانا کوری کوری جانتا ہُوں مَیں ہوں دہقانی

مقابل میرے وہ آئے بُرے آئے ہوں دن جسکے
لڑائے وہ زباں مجھ سے کہ جس کو منہ کی ہو کھانی

نہ چھیڑے گا کسی مُلّا کو تُو اَب عُمر بھر ہرگز
مجھے تو آج مسٹر یہ قسم تجھ سے ہے کھلوانی

جو یوں ہر بات پر تو ڈانٹ لیتا ہے سبب یہ ہے
کہ مَیں بے زر ہُوں تیرے پاس ہے زر کی فراوانی

مَیں ہوں کس بات میں کم بس یہی تو بات ہے مسٹر
کہ کمبل میرا پشمیں ہے دوشالہ تیرا الوانی

گدا مجھ کو سمجھ کر تو نہ ڈانٹ اُے بدزباں بدخُو
شہانہ رکھتا ہے خُوبُو یہ میرا فقرِ ساسانی[1]

مقابل حق کے جب آیا گرا تو منہ کے بل اوندھا
نہ بھڑ مجھ سے کہ میرے ساتھ ہے تائیدِ ربّانی

ہَیں حق پر تُو ہے باطل پر نہ بس زورآزمائی کر
مرا ہے آہنی پنجہ ترا پنجہ ہے مرجانی

اُلجھ مجھ سے نہ ہرگز تار تار اک دم میں کر دوں گا
یہ سب مسٹر ترا زنجیرۂ صد تارِ شریانی

۱ شاہ ساسان نے شاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی تھی۔

نہیں رُکتا ہے واروں سے اُلجھتا ہی ہے یاروں سے
تو لے پھر دیکھ ہی لے رستم دستاں کی دستانی

مجھے "ہذیاں سرا" اور جانے کیا کیا جب کہا تُو نے
تو سُن لے وہ بھی جو مَیں نے حقیقت تیری پہچانی

خطابِ عام پر اِس درجہ غُصّہ ہے جو مسٹر کو
مگر کچھ دال میں کالا ہے مرتا ہے کہیں پانی

کسی نے سچ کہا ہے یہ کہ "تنگ آمد بجنگ آمد"
کرے تُو اور کیا کر چکا جب ہر سعیٔ امکانی

ترے غُصّہ میں خود تیری شکستِ فاش مضمر ہے
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خُونِ گرم دہقانی

کہا مُسلم کو جاہل دھپ لگے گا منہ سنبھال اپنا
ابوجہلِ زمانہ بس بگھار اپنی نہ لقمانی

جہاںؔ میں اور جتنے مرد و عورت ہیں وہ سب احمق
یہ "مسٹر" اور "مسز" دو ہی تو ہیں فرزانہ ، فرزانی

خلاصہ ہاں تری تعلیم انگریزی کا مَیں سمجھا
یہی دو لفظ تجھ کو یاد ہیں بس جہل و نادانی

ہوئی بدنام تجھ جیسوں ہی سے تعلیم انگریزی
زباں ہونے کی حیثیت سے کس نے وہ بُری جانی

جو شے تھے اسکے مخالف تھا یہی ڈر انکی نظروں میں
کہ مذہب آج ہے منجملہ اوہام انسانی

بڑا تو بے تعصب بن رہا ہے کہ قسم کھا کر کہہ
کہ کالج کے ہیں کتنے تابعِ احکامِ قرآنی

میں ایسے خطابات کی بھرمار ہے جس میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

کشکولِ مجذوب

نہیں کچھ دین سے مطلب مگر بحثوں میں پڑدے کی
وہ تقریریں ہیں جیسے آپ ہی ہیں دین کے بانی

جوازِ بے حجابی کی ہے دُھن ورنہ اجی توبہ
کہاں مسٹر کہاں دینی کُتب کی صفحہ گردانی

جسے دیکھو وہی کوشش میں ہے پردہ اُٹھانے کی
اسی پر ان دنوں سب صَرف ہے زورِ مسلمانی

ارے او بے حیا غیرت نہ آئی تجھ کو یہ کہتے
کہ "مغرب کی ضیاء سے ہے منور شمعِ ایمانی"

مسلمانی تجھے سوجھی بھی تو بس اہلِ مغرب میں
مسلمانی مسلمانوں کی ٹھیری نامسلمانی

اسی باریک بینی پر لکھا ہے تُو نے "یہ نکتہ"
نئی تہذیب نے سکھلائے ہیں معنئ پنہانی

تجھے مغرب کی برقی روشنی نے کر دیا اندھا
نہ جھٹلا "یَخْطَفُ اَبْصَارَهُم" ہے نصِ قرآنی

ارے اعمیٰ انہیں آنکھوں پہ ہے دعویٰ بصیرت کا
بھلا اے بے بصر مغرب ہے یا مشرق ہے نورانی

نئی جو روشنی ہے تاب دے اس سے نہ ایماں کو
ارے گھس جائے گا جوہر کہ یہ صیقل ہے سوہانی

تعصب جس کو تُو سمجھا ہے وہ ہے قوتِ ایماں
رواداری جسے کہتا ہے وہ ہے ضعفِ ایمانی

ترقی کی ہوس میں تیرے ایمان کی ہے یہ حالت
کہ جیسے کوئی ڈانوا ڈول ہو کشتئ طوفانی

ترقی دیکھئے غائب ہیں سب اسلام کے ارکان
ہوا پر اب معلق ہے یہ قصرِ بے ارکانی

میں بستہ ہوں اگر زنجیر میں جہل و تعصب کے
ترے ہیں منتشر ڈھل مل یقین اجزائے ایمانی

ارے پکے مسلماں ہیں وہی جو حق پہ قائم ہیں
انہیں چاہے کوئی خبطی کہے یا کوئی ہذیانی

رسول اللہ ﷺ کو بھی ناسمجھ مجنون ہی کہتے تھے
کہ جن پر ختم تھی مثلِ نبوت عقل انسانی

دیئے ہیں تو نے جتنے بھی لقب اے بدزباں ہم کو
وہ ہیں سب سنتِ خیرالوریٰ اور فضلِ یزدانی

ارے سن تو کرنٹوں سے تو پھر اچھے ہیں کٹھ ملّے
خدا نے بخش تو رکھا ہے ان کو نورِ ایمانی

جو ہیں گو لڑکے بھنگے مچھروں سے پھر غنیمت ہیں
وہ بالکل بے ضرر یہ دشمنِ خونخوارِ انسانی

یہ مچھر ہی تو اڑ اڑ کر وبا پھیلاتے پھرتے ہیں
فسادِ دیں کے تجھ جیسے ہی تو آزاد ہیں بانی

اگر تمثیل مچھر کی خلافِ شانِ مسٹر ہو
تو اک تشبیہِ ثانی بھی مجھے سوجھی ہے لاثانی

کہوں مچھر نہ چھوٹا سا کہوں اک سانڈ موٹا سا
مگر اس کی سی آزادی بھی ہے اک خوئے حیوانی

ارے لو خوب یاد آئی مثال اک اور اچھی سی
جسے اہلِ ہوس دنیا کے مانیں گے بآسانی

کہا کرتے ہیں وہ خود ہی کہ ہم دنیا کے کتے ہیں
بہت مسٹر کو ہے کتوں کا شوق اس لئے بھی یہ مانی

چلا آتا تھا کرتا اسپ تازی کی سی جو تن فن
قریب آیا تو کیا دیکھا کہ اک خچر ہے پالانی

چلا آتا ہے ٹوپ اِس شان سے پہنے ہوئے مسٹر
چلا آتا ہو جیسے منہ اُٹھائے اُونٹ کوہانی

ترقی کر کے مچھر سے کہاں پہنچا ہے مسٹر بھی
یونہی ذوق میں ہو روز افزوں نادانی؟

جو کی ہیں اپنی تعریفیں ترا ہی قول دہرا دوں
کہ اپنے منہ میاں مٹھو ہے بننا سخت نادانی

رسا ہے فکر تیری ہاں بڑی ہے بات چھوٹا منہ
ذرا سا قد مگر رکھتا ہے تو بندوق طولانی

ارے او قطرۂ ناپاک او کم ظرف او بے باک
یہ کیا میں تو خس و خاشاک تو بہتا ہوا پانی

کہاں کیچڑ، کہاں سنبل، کہاں مینڈک کہاں بلبل
کہاں مسٹر کی ٹرٹر اور کہاں میری خوش الحانی

کہاں تیری یہ حق پوشی کہاں میری یہ حق کوشی
کہاں تیری شرر ریزی، کہاں میری گل افشانی

کہاں حق اور کہاں باطل، تری کوشش ہے لاحاصل
کہاں میرا یہ جذبِ دل، کہاں تیری یہ لسّانی

میں حق پر اور ضد پر تو، نہیں تجھ میں سمجھ کی بُو
کیا باطل نے بھی آخ تھو مگر پھر بھی نہ کچھ مانی

چراغِ صبح گاہی "پردۂ غیرت" کو تو سمجھا
بچے ہاں دیدۂ خفاش میں کیا مہرِ نورانی

یہ شے ہے تصویرِ عریانی مگر کس کی ارے تیری
جبھی تو دیکھ کر اس کو ہے تو اک نقشِ حیرانی

ارے او بے بصیرت اس میں ہیں صناعیاں وہ
کہ اک تصویرِ حیرت بن گئے بہزاد اور مانی

نہ ہو جس آنکھ میں اے کورِ باطن "پردۂ غیرت"
"بصیرت" اور "حقیقت" اسکی ہے اک دامِ شیطانی

"بصیرت" میں جو نادانی تھی تیری اسکو کھولا تھا
"حقیقت" کو بجا تُو نے کہا تشریحِ نادانی

ترا تھوکا ہُوا تیرے ہی منہ پر آ پڑا دیکھ
فلک پر تھوک کر تجھ کو ملا کیا جز پشیمانی

"بصیرت" کو نہ کہہ کل الجھا ہر اہلِ بینش سے
پرکھ لیتے ہیں وہ گندم نماؤں کو بآسانی

بلند اتنا ہوا دامن کہ مرغِ عقل نے میرے
نہ پایا ہاں نہ پایا تیرا اوجِ پاک دامانی

پہنچتی ہے تری فکرِ رسا ہی اس بلندی پر
مثالِ تیرِ برجستہ بصد سرعت بآسانی

ذرا تو دیکھ تو منہ ڈال کر اپنے گریباں میں
نقابِ رُخ سے ہی وابستہ ہے ہاں پاکدامانی

ارے چہرہ ہی تو سارے بدن کی ناک ہے گویا
بلا کا جذب رکھتا ہے یہ مقناطیسِ نسوانی

بجائے دلکشی نفرت تو ہوائے پردہ در پیدا؟
یہی ضد ہے تو بہتر بے نقابی سے ہے عُریانی

جو کہتا ہے کہ "مرد و زن میں ہو سکتی ہے پاک اُلفت"
وہ مل سکتے ہیں دنیا میں بلا اغراضِ نفسانی

تو سُن لے اپنا ہی اِک شعر مجھ سے اُس غزل کا جو
ترے جذباتِ پنہاں کی ہے اِک تصویرِ عُریانی

نظر آتی ہے زیرِ سُرخیٔ "جذباتِ عالیہ"
بہ پہلوئے "بصیرت" جلوہ گر باصد دَرخشانی

لگاوٹ کی نظر نے ہائے ظالم ذبح کر ڈالا
اسی میٹھی چُھری نے ٹکڑے کر ڈالے مرے دل کے

انہیں "جذباتِ عالیہ" پہ مجھ پر تیری چوٹیں ہیں
بتایا ہے مجھے بدبیں مری فطرت کو حیوانی

مقدس مولوی پکّا مُسلمان اور عارف تو
میں کج بیں، جاہل و ناداں، مطیعِ نفسِ شیطانی

نہ جھٹلا مرد و عورت میں بہم میلان فطری ہے
یہی انسان کی فطرت ہے، یہی فطرت ہے انسانی

مری ضد میں بدیہیات کا تو کر نہ تو انکار
نہ تجھ کو شرم دُنیا کی نہ تجھ کو خوفِ ربّانی

مکرّر یاد کر میٹھی چُھری کے زخمِ کاری کو
ارے اپنی کہی تو مان اگر میری نہ کچھ مانی

نہیں "شیر و شکر" "تیزاب اور سوڈا" ہیں مرد و زن
یہ مل سکتے نہیں ہرگز بلا ہیجانِ نفسانی

قیامت ہے، غضب ہے آگ کا اور پھوس کا مِلنا
یہ باہم اختلاطِ مرد و زن ہے سخت نادانی

جو کہنے کثرتِ نظارہ کر دیتی ہے کم حِس کو
تو کیا بالکل ہی مِٹ جاتی رہے گی خوئے مردانی

پڑیں گے نیل جو تکلیف میں زخموں سے بھی بدتر
ہدف پر پڑتے پڑتے کُند ہو گو نوکِ پیکانی

جو تھا رُوئے سخن تیرا سُوئے بے پردگاں مسٹر
تو کی ہے واہ تیرے قلم نے گوہر افشانی

حقیقت پھر تھی کچھ پوسیدہ تُو نے کھول دی ساری
ہوا جاتا ہے باہر اُف ترا جوشِ ثنا خوانی

بڑا عارف بڑا تو محرمِ اسرار ہے اُن کا
کئے ہیں واہ وا کیا کیا بیاں اوصافِ پنہانی

سراپا پیکرِ صبر و رضا ہیں، با مروّت ہیں
بالفاظِ دگر بے عُذر ہیں تا حدِّ امکانی

یہ باور آ گیا ہم کو یہ بالکل سچ کہا تُو نے
انہیں کے دم سے قائم ہے تری شانِ مسلمانی

بڑی گہری یہ کہدی بات تُو نے کیوں نہ ہو مسٹر
رسا ہے فکر تیری تو نظر رکھتا ہے معانی

یہ الفاظِ معانی خیز، یہ طرزِ بیاں تیرا
سخن گوئی پہ تیری محوِ حیرت ہے سخن دانی

سلیقہ نظم کے لکھنے کا ہو ایسا تو شاعر میں
تجھی سے چاہیئے اہلِ قلم سیکھیں قلمرانی

عجب الفاظِ ذو معنی میں کی ہیں تو نے تعریفیں
کہ تیرا خصم بھی تو ہو گیا قائل بآسانی

عجب رکھتا ہے تو مدحت سرائی میں یدِ طولےٰ
نہ ذوقِ اشعار ایسے لکھ سکا ہرگز نہ قاآنی

ترے الفاظ بھی شستہ معانی بھی ہیں ناگفتہ
فصاحت تیری فردوسی بلاغت تیری سحبانی

ترے اس "پیکرِ صبر و رضا حلم و مروّت" کی
کرے ترکیب کیوں کر ذہنِ نحوی جُرجانی

"چہ نسبت خاک را با عالم" اسکو کہتے ہیں
کہ مسٹر کر رہا ہے جرأتِ تفسیرِ قرآنی

لگا رکھا ہے ٹوپ اتنا بڑا لیکن ہے سر چھوٹا
نہیں کچھ علم سے نسبت مگر شملہ ہے طولانی

برابر مرد و عورت کو بتایا اور یہ کہہ کہہ کر
یہی لکھا ہے قرآں میں یہی ہے حکمِ ربّانی

ہے "قوامون" بھی قرآن میں اے جاہل اب کہنا
پڑھی ہیں ہم نے با تفسیر سب آیاتِ قرآنی

نیا ہے مولوی مسٹر نئی تفسیر کی شاید
کھڑا ہے ہاتھ جوڑے جو پیشِ صنفِ نسوانی

اہاہا یہ ترا علم و تبحر مولوی مسٹر
اہوہو یہ تری تفسیر دانی یہ ادب دانی

نہ سمجھا کوئی تیرہ سو برس تک واہ کیا کہنا
اگر سمجھا تو مسٹر معنیِ آیاتِ قرآنی

زمیں بدلی فلک گھوما کہ اب عورت ہے مخدوم
فلک کو تو زمیں سمجھا زمیں تو نے فلک جانی

برابر مرد و عورت کو تُو سمجھا ہے تو اے مسٹر
بتا پھر کون سی مس یا مسز تُو نے بنی مانی

نہ کر تُو بے وقعتی پیچھے نہ رکھ آگے بڑھا اپنے
امامت بھی تجھے اب چاہیئے عورت سے کروانی

یہ کیا انصاف کیوں ہو یہ فقط مردوں کو حق حاصل
طلاق اب عورتوں سے چاہیئے مردوں کو دلوانی

اب مسٹر ایسے قانون کے حق میں ہیں کہ طلاق کا حق عورت کو دینا چاہیئے۔

جو ہیں آیاتِ میراث و شہادت وہ نہیں ہیں کیا
ارے او بے خبر منجملۂ آیاتِ قرآنی
جو یکساں عقل میں ہیں مرد اور عورت تو اے ناداں
خدا نے صرف عورتوں کی گواہی کیوں نہیں مانی
وراثت میں شہادت میں امامت میں نبوّت میں
کسی میں بھی ہے مردوں کے برابر حق نسوانی
مگر ہاں مرد و زن دونوں ہیں حسبِ اتقا بیشک
بلا تفریق ہوگا آخرت میں فضلِ یزدانی
ارے دیکھا بھی کیسی منہ کی کھائی ہیں نہ کہتا تھا
کہ "ہے اقرار نادانی یہ دعوائے ہمہ دانی"
اسی برتے پہ کٹھ ملّوں سے یہ پرزور دعوے تھا
زیادہ تم سے کر سکتے ہیں ہم تفسیرِ قرآنی
بڑا تو مولوی بنتا ہے اپنی حد میں رہ مسٹر
کسی مکتب میں جا کر بیٹھ پڑھ دستورِ صبیانی
بس اب تو عمر بھر کو باندھ لے پلّے مرا مصرعہ
کریں مسٹر نہ ہرگز جرأتِ تفسیرِ قرآنی
ہوئیں بے ستر مستورات مکشوفات کہہ انکو
نہ اب عورت کو عورت کہہ کہ اب عورت ہے مردانی
بنا عورت کو تو اب آلۂ کسبِ معاش اپنا
بہت دن تک رہی یہ نقطۂ ظرفِ ہوس رانی
ارے باہر کے کاموں کے لئے ہیں مرد ہی موزوں
امورِ خانہ دار کے لیے ہے صنفِ نسوانی
یہ تقسیمِ عمل اک مسئلہ ہے خود تمدن کا
اسی میں مصلحت دونوں کی ہے دونوں کو آسانی

برابر مرد و زن کو تُو سمجھ بیٹھا ہے اے مسٹر
کرے گا ایسی نادانی نہ اک طفلِ دبستانی

نہ تھا معلوم فرقِ غالب و مغلوب اگر تجھ کو
تو بحث فاعل و مفعول تُو نے کیوں نہ گردانی

بڑا تو مدعی انصاف کا ہے ہم تو جب جانیں
مٹا دے گی مرد و زن سے فرقِ فوقانی و تحتانی

نہ کر عورت کی حق تلفی برابر کی رہیں چوٹیں
بہت دن تُو نے چاہیئے اب اس سے .....

ہمیشہ تو اسی کو اپنے زیرِ مشق رکھتا ہے
نہیں کیا ظلم یہ تیرا نہیں کیا یہ ستمرانی

لڑے گا کس طرح فطرت سے تو اے ناسمجھ مسٹر
خلاف اسکے جہاد اے عقل کے دشمن ہے نادانی

خلافِ وضعِ فطرت ہیں یہ تیری کوششیں باز آ
نہ یکساں ہوگی حیثیت زنانی اور مردانی

ہر اک مخلوق کو اپنی بنایا جیسا جی چاہا
چلانا عقل کا خالق کی حکمت میں ہے نادانی

نہ دے تو دخل قدرت میں نہ دے اصلاحِ خلقت میں
غنیمت جان پیکر تجھ کو دے رکھا ہے انسانی

دلیل ایسی تو ہو سکتا ہے پھر تھوڑی ہی کیوں جاتی
"جو قیدِ پردہ ہوتی اقتضائے طبعِ انسانی"

کہی ہے واہ کیا مسٹر ترا اے یار کیا کہنا
یہ تیرا علم منطق اور تری یہ فلسفہ دانی

رہا بارہ برس دلّی میں لیکن بھاڑ ہی جھونکا
پڑھا کالج میں اتنے دن مگر سیکھی تو نادانی

یہی منطق ہے تو "پھر قید میں لائی ہی کیوں جاتی
جو ہوتی بے حجابی اقتضائے طبعِ انسانی"

پُرانی جو دلیلیں ٹھیں سمجھ تھا اثر جن میں
نئی تیری دلیلوں پر انہیں سے پھر گیا پانی

گڑے مُردے تو دونوں نے اُکھاڑے فرق ہے اتنا
تجھے سودا پسند آیا ہے مجھ کو میرِ خاقانی

اسی پر فیصلہ جانو، تمہیں کہدو مُسلمانو!
"ہوا جب کُفر ثابت ہے وہ تمغائے مُسلمانی"

تجھے سودا سے ہے فخرِ تلمذ ہزل گوئی میں
جبھی تو بڑ نظر آئی مری تقریرِ حقانی

پُرانوں کی ذرا تو سوچ کر تحقیر کر مسٹر
پُرانے تو بہت سے ہیں نہیں صرف ایک خاقانی

پُرانا تیرا پردادا، پرانی تیری پردادی
پُرانا تیرا پرنانا. پُرانی تیری پرنانی

پُرانے چاولوں کو پا نہیں سکتے نئے چاول
پکا لے ان سے خشکہ پک نہیں سکتی ہے بریانی

شرابِ کہنہ کی تیزی کو پا سکتا نہیں ہرگز
اکڑ فوں گو دکھاتا ہے بہت سوڈے کا بھی پانی

جو ہے ایسی ہی نفرت ہر پرانی چیز سے تجھ کو
نہ اس دُنیا میں بھی تو رہ بنا اک عالمِ ثانی

مری باتیں پُرانی تھیں پُرانوں کو پسند آئیں
جبھی ہر شعر پر میرے تری مر مر گئی نانی

نکالا ہے نیا مذہب پُرانی رد ہیں باتیں سب
یہی ضد ہے تو بس پھر اب بنا اِک مصحفِ ثانی
عبث کوشش ہے ابطالِ حق و احقاقِ باطل کی
کہ فرقِ حق و باطل کر چکی ہے تیغِ فرقانی
کہے مُنہ پھاڑ کر تہذیبِ اسلامی کو تو باطل
اُسی مُنہ سے کرے پھر ناز و دعوائے مُسلمانی
پُرانوں پر جو بے پر کی اُڑائی ہیں تو دیکھ اَب تو
نئی تہذیب کے بھی مُرغِ زریں کی پَر افشانی
نئی تہذیب! لعنت تجھ پہ اور تیرے تصنّع پر
کہ ہیں ہم رنگِ یارِ جاں نثار و دشمنِ جانی
وہ مارِ آستیں نکلا سراپا بغض و کیں نکلا
جو ہر دم خندہ لب تھا خندہ رُو تھا خندہ پیشانی
بھرے ہیں خارہائے کینہ و بغض و حسد دل میں
بنا رکھی ہے ظاہر میں مگر صُورت گلستانی
زباں پر لمبے چوڑے عہد و پیماں ہیں مگر مسٹر
ذرا سر تو جُھکا کر دیکھ دل کی سُست پیمانی
نئی تعلیم نے مانا بنایا مہر ذرے کو
مگر اب آگ برسائے گا یہ مہرِ نورانی
نئی تعلیم نے بس یہ نئی باتیں سکھائی ہیں
کہ نادانی تو دانائی ہے دانائی ہے نادانی
نئی تہذیب تُو لندن سے حاصل کر کے کیا آیا
نظر آنے لگے سب اہلِ مشرق تجھ کو دہقانی
کوئی فوراً خبر لے سخت نازک تیری حالت ہے
تیرے اخلاط میں پیدا ہیں کیفیاتِ ہیجانی

نئی تعلیم، نوجوانی، تازہ ولایت پلٹ تو
مزاج حار سرسامی بخار ایّامِ بحرانی

نہیں ہوش براز و بول اس ماحول پر لاحول
نکالا منہ سے جو بھی قول وہ بے ہودہ ہذیانی

زنانہ جب کہ گھبرایا مری ڈاڑھی پہ ہاتھ آیا
صفاچٹ تھا ہی کلّہ جھٹ چپت میں لے دھر تانی

بڑا عاقل ہے تو مسٹر پہیلی بوجھ اک میری
بتا وہ کون ہے جس میں ہیں ترے اوصافِ لاثانی

نہ ڈاڑھی ہے نہ مونچھیں ہیں نہ عورت ہے نہ امرد ہے
نہ زنخا ہے نہ خنثیٰ ہے نہ چینی ہے نہ جاپانی

مرا ڈاڑھی بڑھا لینا تو فعلِ وحشیانہ ہو
جو موتے تو کھڑا ہو کر نہ ہو وہ خوئے حیوانی

نہ ہو پر قمیض پہنے کوٹ اور پتلون اگر مسٹر
ہوں بغلول اگر پہنوں میں شلوار اور شیروانی

یہ تیرا پھینٹنا تاشوں کا تو کارآمد اے مسٹر
مگر اک شغلِ لایعنی مری تسبیح گردانی

۲ ڈٹا کرسی پہ خود اور ٹوپ رکھا پاس جوتوں کے
یہ اپنے سر کی مسٹر خوب تو نے قدر پہچانی

۳ پھرے کھولے ہوئے سینہ جو عورت وہ مہذب ہے
جو برقع میں ڈھکی ہو وہ سراپا جہل و نادانی

۴ کراؤں پردہ عورت سے تو میں بیداد و ظالم
دکھائے تھیٹر اور سینما تو تو ہمدرد نسوانی

سکھائے لڑکیوں کو فنّ موسیقی تو تُو عاقل
میں دُون تعلیم دیں ان کو تو ٹھیرے جہل و نادانی
ملے عورت نہ مردوں سے تو وہ بد خلق اور وحشی
جو ناچے ساتھ غیروں کے تو یہ تہذیبِ انسانی
جو سب کے سامنے لے رخصتی بوسے وہ شائستہ
چھپائے جو نظر بھی پیار کی سب سے وہ دہقانی
سرِ بازار ٹہلیں مرد و عورت ہم بغل ہو کر
بریں اخلاق نفریں تف بریں تہذیبِ شیطانی
نئی تہذیب نے شائستگی کو وہ ترقّی دی
کہ پہنچے درجۂ تکمیل کو اخلاقِ انسانی
اگر مہماں کوئی آیا تو اپنے اپنے ذمّہ کی
میاں نے دن کی، بیگم صاحبہ نے شب کی مہمانی
مِسز کو چھوڑ کر مسٹر سفر میں جائیں بے کھٹکے
کہ ہر خدمت کو ہے موجود خدمتگار رمضانی
کہاں پیرِ مُغاں مُلّا کہاں مسٹر بس اک لونڈا
ابوالوقت ان میں اوّل ہے تو ابن الوقت ہے ثانی
مسزِ کس نازنیں ہے اسکو مُلّانی سے کیا نسبت
وہ اک رقاصہ لونڈی اور یہ اک سنجیدہ پیرانی
سر و بازو و ساق و سینہ و زانو سبھی کھولے
ترقّی اور ہاں تھوڑی سی اے تہذیبِ نسوانی
بتانِ سیمتن سینوں کو کھولے تن کے بیٹھے ہیں
کلب گھر بن رہا ہے اک کوہستانی و برفانی
ہے وقفِ عام نخلستانِ حُسن اے عاشقو لوٹو
انار، امرود، آڑو، ناشپاتی، سیب، خوبانی

جھلکتا ہے بدن کُندن سا سب باریک کپڑوں میں
مِسوں کا رقص ہے یا چاے کا اک دَورِ فنجانی

مَیں سمجھا کیچلی میں سانپ ھے ناگاہ جب دیکھا
مِسز کا کالا کالا رنگ اور کپڑوں کی تابانی

نظر آتا ہے یُوں گورا بدن شفّاف کپڑوں میں
بھرا ہو جیسے شیشی میں کسی کا بول جریانی

کہاں عُریانیاں وہ گُلرخوں کی گرمیوں جیسی
نظر بازوں کی ہے فصلِ خزاں فصلِ زمستانی

تماشا ناچ گھر میں دوستو آج اِک نیا ہو گا
لگا کر مور کے پر ناچنے نکلی ہے کوّانی

اگرچہ دھج ہے میموں کی تو ہو صورت بھی میموں کی
نہیں پوڈر تو مَل لے منہ پہ وہ مٹی ھی مُلتانی

کوئی برقِ تپاں ھے اور کوئی ہے شعلۂ لرزاں
دلوں کو پھونک دے گی ناچ گھر کی آتش فشانی

پٹاخہ ھے کوئی چرخی کوئی اور کوئی گھن چکر
ہر اک رقصاں ہے اور چشمِ تماشہ محوِ حیرانی

مزے ہیں لُطف میں ہر شب ھے گویا شبِ برات اس جا
یہاں پہ ھے ھمیشہ چودھویں تاریخ شعبانی

وھی عورت ھے پھڑکے بوٹی بوٹی جسکی شوخی سے
وہ عورت کیا، نہ آتی ہو کمر بھی جسکو مٹکانی

خفا ہونے لگیں جب لڑکیوں کی بے حجابی پر
تو مسٹر نے کہا سٹھیا گئی ہو تم تو شیخانی

ہلا تو لے بھلا آنکھیں کوئی ان شوخ چشموں سے
پڑے باندھے ہوئے چاروں طرف ھے فوجِ مژگانی

خودی تو اب ہے خودداری تو ضع اب دنائت ہے
نئی تہذیب ہے اب اور نئے اخلاق انسانی

نہ جب تک دل ملیں جائز نہیں جسموں کا ملنا بھی
بس اب تو آشنا ہیں پارسا زوجین ہیں زانی

کہاں اب راست بازی ہے ریا ہے حیلہ سازی ہے
کہاں اب حق نوازی ہے گیا وہ دورِ حقانی

کبھی ایران کی ہانکی، کبھی توران کی ہانکی
مگر جب غور سے دیکھا تو ایرانی نہ تورانی

خود اپنے جرم کا بھی اب تو ہے الزام اوروں پر
پرانی اب کہاں وہ جرمِ ناکردہ پشیمانی

پہن کر پوستین شیر کوئی شیر ہوتا ہے؟
پہن کر سوٹ مسٹر تیرا اترانا ہے نادانی

مثال آتی ہے اصل و وضع پر بس تیرے یہ صادق
کہ مضموں سب تو اردو ہے مگر تحریر رومانی

مگر مچھ نے ہڑپ کیں مچھلیاں دریا میں جتنی تھیں
کوئی ٹوپی نہ چھوڑی ٹوپی نے ترکی نہ ایرانی

کرے اب کوئی کیونکر امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ میں
کہ عہدہ تو پیادے کا ہے اور وردی ہے کپتانی

نئی تہذیب کو اسلام سے کیا واسطہ مسٹر
نہ کر دے دے کے دھوکے تو مسلمانوں کو نصرانی

غضب ہے عورتوں سے چھین کر اسلام کی مشعل
بنائی تو نے ان کی رہنما قندیلِ رہبانی

بحمد اللہ خود اسلام ہے اک رہبر کامل
مسلمانوں کو ہے اغیار کی تقلید نادانی

میں کیوں احسان لوں عیزوں کا تیری طرح اے مسٹر
کہ ہر اچھی سے اچھی شئے کی ہے گھر میں فراوانی

علامت ایک ہے اور وہ بھی نہاں اور صرف مردوں میں
مٹا ڈالے گئے ورنہ سب آثارِ مسلمانی

مرے مسٹر جو غربت میں تو بے ننگا کئے کیونکر
یہ ہو معلوم ہندو ہے مسلماں ہے کہ نصرانی

مسلمانوں میں بھی اب کس کی صورت ہے مسلمانی
کسی کی ہندوانی ہے کسی کی ہے کرشنانی

عجب رنگِ زمانہ ہے جسے دیکھو زنانہ ہے
نظر آتی نہیں دنیا میں اب صورت ہی مردانی

ذرا دیکھو تو نیرنگی پھریں اب عورتیں ننگی
کوئی ترکی ہو یا زنگی، سبھی سے ان کی بن جانی

بڑی عاشق نوازی ہے ہر اک سے دیدہ بازی ہے
یہ رسمِ حسن تازی ہے گیا دورِ ستمرانی

یہ بد اخلاقی تھی بے رحمی یہ بھی تھی ادا کوئی
ادھر منہ پھیر لینا اور ادھر جانوں پہ بن جانی

نمازوں سے غرض کیا مسٹروں کو اور اگر گاہے
گلے پڑ ہی گئی تو بے وضو ہی ان کو ٹرخانی

ہر اک راضی ہے لے بھاگیں جسے چاہیں مع زیور
نہ کوئی فوجداری کر سکے ان پر نہ دیوانی

نہ شاہد ہو نہ قاضی ہو مسز مسٹر سے راضی ہو
یہ رسمِ عقد ہے اک رسمِ دورِ جہل و نادانی

جو تھی ہر طرح سے جانچی ہوئی لی ہے مسٹر نے
پڑی ملا کے وہ ماتھے جو تھی جانی نہ پہچانی

نہ شوخی ہے نہ بیباکی، نہ شوقینی نہ رنگینی
پسند آنے لگی پھر کیوں بھلا مسٹر کو ملانی

پسند آئی وہ البیلی جو باتوں میں کھلی کھیلی
ملیں جب بسکٹ اور جیلی تو پھر کیوں کھائیں گڑ دھانی
لبھایا اوّل اوّل تو مسز نے خوب مسٹر کو
ستایا ایسا ایسا پھر کہ یاد آ گئی نانی
جواب تلخ ہی ہر بات پر ملتا ہے شوہر کو
جو منہ پہلے تھا کوزہ قند کا اب ہے نمکدانی
ہزاروں میں سے تو مسٹر مسز کو چن کے لایا ہے
دکھائے پھر نہ کیوں دُنیا کو اس کا حُسن لاثانی
مسز بن ٹھن کے نکلی ہے تو اور اسکی غرض کیا ہے
بجز اسکے کہ مردوں کو ہے شانِ حُسن دکھلانی
کلب میں سیر میں ٹینس میں سب میں ساتھ تیرے ہے
مسز کے بھیس میں اب ہے ترا ہمزاد شیطانی
پُرانی تُو نے باتیں ذکر کیں کس کس بُرائی سے
نئی باتوں کی بھی اب مجھ سے سُن فہرست طُولانی
پُرانی اب کہاں باتیں نئے دن ہیں نئی راتیں
یہ دُنیا دُوسری دُنیا، یہ عالم، عالمِ ثانی
نئی دُنیا، نئی بستی، نیا عالم، نئی ہستی
نیا سکّہ، نیا ٹپہ، نیا راجہ، نئی رانی
نئی اُلفت، نئی چاہت، نئے ارماں نئے دل
نیا جوڑا، نیا گھوڑا، نیا دانہ، نیا پانی
نیا رہنا، نیا سہنا، نئی سج دھج، نیا گہنا
نئی بیوی، نئی بیٹی، یہاں آنی، وہاں جانی
نیا عاشق، نیا دلبر، نیا ساقی، نیا ساغر
نیا سبزہ، نیا بادل، نئی کھیتی، نیا پانی
نئی انگیا، نیا جوبن، نئی چولی، نیا دامن
نیا دولہا، نئی دُلہن، نیا دھگڑا، نئی جانی

نیا کوچہ، نیا گھر ہے، نئی چوکھٹ، نیا سر ہے
بڑا چھوٹا برابر ہے، ہر اک فرخندہ پیشانی

وہ اہلِ زر ہو یا بے زر، کھلے سر یا کلہ بر سر
لٹاتا ہے کھڑا گوہر، نئی ہے گوہر افشانی

نیا مہمان، نیا مسکن، نئی تھالی، نیا بینگن
نیا سالن، نیا برتن، نئی مہماں کی مہمانی

نئی ڈبیہ، نیا سگریٹ، نئی پنسل، نئی پاکٹ
نیا صاحب، نئی جاکٹ، نئی شانِ مسلمانی

نیا کاغذ، نیا خامہ، نیا مضموں، نیا نامہ
نئے اہلِ قلم ہیں اور نئی ان کی قلمرانی

نئی کل اور نیا آلہ، نئی کنجی، نیا تالہ
نیا زخم اور نیا بھالا، نئی صورت سے موت آنی

نئی کنگھی، نئی چوٹی، نئی ہر چیز زینت کی
نہ اب سرمہ، نہ اب مسی، نہ اب گھر میں تِلے دانی

نئے ہر روز کے عاشق، نئی ہر روز کی کوشش
کبھی پیلی، کبھی نیلی، کبھی کاہی، کبھی دھانی

کوئی گوری، کوئی کالی، کوئی مہنگی، کوئی سستی
نئی گائیں، نئی بھینسیں، نیا چارہ نئی سانی

مصیبت رات بھر جھیلی، ملی کیا صرف اک دھیلی
نئی سرسوں، نیا تیلی، نیا کولہو، نئی گھانی

نیا بوڑھا، نیا لک، نیا سودا، نیا گاہک
غضب ہے سولھواں تو پاؤں اور جوتی ہے بچگانی

نیا دورِ مسافت اور نئی ہیں اسکی ایجادات
قلم تو لانبے لانبے اور چھوٹی سی قلمدانی

نیا منہ ہے، نئی لے ہے، نیا مطرب نئی لے ہے
نئی مستی، نئی مے ہے، بڑھی مستوں سے مستانی

نیا ہے اب تو پہناوا فقط کھدّر ہے اور گاڑھا
نہ ڈھاکہ کی چکن اب ہے نہ اب مخمل ہے کاشانی

یہ ہے گو جامِ زر ساقی، تامّل تو نہ کر ساقی
ارے جلدی سے بھر ساقی وہ ہو ٹھرا کہ بے چھانی

ارے یہ کیا غضب ساقی، نہ ہٹ پہلو سے اب ساقی
پلا دے تا بلب ساقی، بلا سے ہو لہو پانی

نئی اینٹ اور نیا روڑا کہاں کا جُز کہاں جوڑا
جو شیر خشت انگریزی تو اجوائن خراسانی

کسی کی نسل گوری ہے کسی کی نسل کالی ہے
کوئی زیرہ سفید اور کوئی کالا خاص کرمانی

کسی کا حُسن اصلی ہے کسی کا حُسن نقلی ہے
کوئی مٹی تو چینی ہے کوئی مٹی ہے مُلتانی

نیا مذہب نیا مشرب نئے مُلّا نئے مکتب
بدل ڈالے طریقے سب نہ بڈھوں کی بھی کچھ مانی

بس اب کُرسی ہے اور دفتر نئی مسجد نیا منبر
یہ گٹ پٹ سی ہے کیا لب پر نئی تسبیح گردانی

کبھی چندے کی لی جھولی کبھی گاندھی کی جے بولی
جو کچھ کرنی نئی کرنی، نئی ہر بات فرمانی

نئی انشاء نیا منشی، نیا حاکم نئی پیشی
نیا جھنڈا، نیا فوجی، نئی سُلطان کی سُلطانی

خود اپنے ہو گئے دُشمن نئے اعدا نئی اَن بن
جو کچھ سُوجھی نئی سوجھی، جو کچھ ٹھانی نئی ٹھانی

نئی کُنیتیں اب ہیں نئی شخصیتیں اب ہیں
کوئی ابّا وفا کا کوئی حقّی، کوئی حقّانی

کوئی ناکام قسمت فتح کا خود باپ بن بیٹھا
کسی غم آشنا نے فرح بیٹی اپنی گردانی

ہر اک بندہ بتوں کا ہے مگر اپنے کو کہتا ہے
کوئی آزاد سُبحانی، کوئی آزاد صمدانی

نہیں ہے کوئی مُسلم پاک میں ہندی نژاد اب کیا
کوئی غوری ہے کوئی غزنوی ہے کوئی زنجانی

بُخاری ہے کوئی قرنی کوئی اور مشہدی کوئی
سمرقندی کوئی ہے، کوئی بلخی کوئی قازانی

کوئی نامی ہے اور کوئی گرامی ہے کوئی علمی
بُخاری ہے کوئی اور کوئی ذوقی و یزدانی

کوئی رضوی ہے کوئی زینبی ہے کوئی عبّاسی
کوئی زیدی ہے کوئی ادھمی ہے کوئی ہمدانی

کوئی ہے ہاشمی کوئی قریشی کوئی ادریسی
کوئی صدیقی و فارُوقی و علوی و عُثمانی

خطابوں پر نہ دو جاں مُفت کے القاب بہتیرے
رضاخانی و چشتائی و انصاری و نعمانی

کہاں تک میں گناؤں نسبتیں مجھ کو ہے یہ کہنا
کہ سب دیکھے نہ دیکھا آدمی نہ انسانی

کرے منسوب یائے نسبتی کس کس سے کس کس کو
اکیلی یہ غریب اور نسبتوں کی وہ فراوانی

کہیں ان نسبتوں پر سٹروں کی ضدیں جھلا کر
کوئی منہ پھٹ حقیقت میں کہہ دے سب کو شیطانی

نئے مذہب نئے مسلک عجب اُلجھن عجب گنجلک
کرے کیا مُبتلائے شک بھلا تصدیق ایمانی

کوئی ہے وارثی کوئی رضائی کوئی مرزائی
کوئی ندوی کوئی اہلِ حدیث اور کوئی قرآنی

نئے ہادی نئے رہبر نئے نکلے ہیں پیغمبر
کوئی مہدیؔ ہندی ہے کوئی مہدیؔ سوڈانی

بنا ہے بے نیازِ حور و جنّت کوئی بے ہودہ
خدا کی شان میں باتیں بکا کرتا ہے ہذیانی
بدل ڈالے نسب بھی واہ جدّت ہو تو ایسی ہو
ہر اک بننے لگا سیّد شریف اور وہ بھی گرگانی
نئی تعلیم نے اب اجتہاد ایسا کیا سستا
ہر اک ہے فقہ میں ابو اللیث اور شیوگانی
کسی کو کیا کوئی سمجھے عجب کچھ خلط مبحث ہے
کہ سیّدانی تو شیخانی ہے شیخانی ہے سیّدانی
نہ اب سیّد رہے سیّد، نہ اب مرزا رہے مرزا
نہ شیخوں کی رہی شیخی، نہ خانوں کی رہی خانی
نئی تعلیم پائی ہے، نئی اردو بنا مسٹر
پرانی ہی روش پر بس چلے جاتا ہے نادانی
مکمل کردہ اردو نامکمل ہے کہیں جس میں
نہ چھوٹے پان کو پانی، نہ چھوٹے نان کو نانی
صفائی جیب کی جس سے ہو جیسی اسکو کہتے ہیں
تو پھر مسواک کی اردو بنا لے کیوں نہ دندانی
دہی کو کہہ دیا ہاتھی کو ہاتھا، فکر کو فکرا
مذکر اور مؤنث کا مٹے جھگڑا باآسانی
کہا مسٹر نے جب "دل مانگتا ہے بولنا تم کیا"
تو منہ تکنے لگا اس کا میں ہو کر محو حیرانی
کبھی دل میں کہا یہ کون سی بولی زباں اسکی
نہ اردو ہے نہ انگریزی، نہ پشتو ہے نہ ایرانی
نہ بنگلہ ہے نہ پنجابی، نہ سندھی ہے نہ گجراتی
کہیں یہ سیکھ تو آیا نہیں لندن سے عبرانی
کبھی سمجھا کہ یہ نقال ہے بھیس اس نے بدلا ہے
زباں بولی ہے ایسی جو سمجھ لی جائے سریانی

کبھی سوچا زباں اینٹھی ہوئی ہے کیوں تلفظ میں
گماں لقوے کا ہو کر ہو گئی لاحق پریشانی

عجب الٹی ہیں عقلیں اور عجب الٹا زمانہ ہے
کہ فوقانی تو تحتانی ہے، تحتانی ہے فوقانی

سفید اب کر لیا ہے عورتوں نے بھی لباس اپنا
سراپا اب ہے خرمہرہ جو تھی یاقوتِ رمّانی

یہی آخر میں بس طے ہے نئی دنیا کی ہر شے ہے
زباں کیوں اس کے درپے ہے کہ یہ قصہ ہے طولانی

ارادے ثابت نہ کر بے پردگی میں دل کے پردے کو
چھپے گا چادرِ مہتاب میں کیا ماہ نورانی

جو ہوتا دل کا پردہ کیوں نہ ہوتا ظاہری پردہ
کہ بے ظاہر ہوئے رہتے نہیں جذباتِ انسانی

لگی ہوتی جو آگ اندر دھوئیں سے گھر نہ جاتا گھر
مسز بے برقعہ کیوں رہتی جو ہوتی شرم نسوانی

اکڑتی پھرتی ہے سایہ پہن کر ہر چڑیل ایسی
کہ جیسے کوئی ہتھنی جھومتی ہو مستانی

چڑیلیں بھی تو باہر بن کے پریاں اب نکلتی ہیں
چھپر کھٹ کی جگہ اب ہوا نہیں تخت سلیمانی

مزہ دیتا ہے دن کو وصل کی شب کے مچلنے کا
چلانا ان کا رانوں کا بوقت سائیکل رانی

خدا جانے کہاں سے گوئے دل پہنچے کہاں میرا
کہ موٹر میں تو بھرتی ہے طرارے زلف چوگانی

جو آ دیکھا میاں نے پاؤں بھی خادم سے دلوانے
تو کیسی آج بیگم صاحبہ بیٹھی ہیں کھسیانی

ملی بے پردگی سے بیبیوں کی خاک میں عزت
لقب تھا جن کا بیگم اب انہیں کہتے ہیں سب جانی
ہوئیں مخلوط نسلیں مٹ گیا جوہر شرافت کا
نیام تیغ ہندی میں ہے اب تیغِ صفاہانی
بتوں کی بن پڑی ہے بچ رہے ہیں ان دنوں کیسے
کسی مذہب کا ہو آکر چڑھا جانا اُسے پانی
ہے اب تو سبزہ زارِ حسن کا کچھ اور ہی عالم
جو اب تک کشت چاہی تھی وہ اب ہے کشت بارانی
خفیف اکثر کیا مسٹر کو ان شوقین بڑھیوں نے
کہ لپکے مس سمجھ کر بارہا نکلی مگر نانی
جواں ہی سمجھے جاتے تھے ابھی تک مستحق تنہا
مگر بڈھوں کو بھی ملنے لگا اب گوشت حلوانی
نہ کھانا پردۂ دل سے بھولی بھالی بیبیو دھوکہ
کہ باتیں تو مہذب ہیں مگر نظریں ہیں شہوانی
نہ جانا مسٹروں کی ظاہری تہذیب پر ہرگز
ملے موقعہ تو پھر دیکھیں یہ اندھی نہ یہ کانی
حسینوں سے کلب میں کھیلئے شطرنج روزانہ
عجب تاثیر جب رکھتا ہے یہ نقشِ سلیمانی
جو تھا باہر اڑا آئے مسز مسٹر سے کیا پائے
بھلا بدھنی میں خاک آئے نہ ہو جب حوض میں پانی
مسز کے ہو پڑے بچہ، تو بننا ہی پڑے زچہ
مگر لیمنڈ کی گھٹی ہو، برانڈی کی ہو اچھانی
یہ سب سنوار رہا ہے جو یہی ہے پردہ در لوگو
اسی کو لو، اسی کو لو یہی بانی یہی بانی
یہ اک دنیا کا ہے قاتل کئے ہیں سینکڑوں بسمل
نہیں یہ رحم کے قابل کہ یہ مجرم ہے چالانی

نہیں یہ اہل باتوں کا کہ ہے یہ بھوت لاتوں کا
متانت کی کوئی بھی بات نہ مسٹر نے مری مانی

یہی ہے صورتِ تفہیم ایسے کوڑھ مغزوں کی
نہ ہو جب کچھ نتیجہ خیز قیل و قالِ برہانی

پڑھا جن ہے بھلا قابو میں آتا ہے کہیں مسٹر
جلانے کے سوا کوئی نہیں تدبیر امکانی

اشاروں میں سمجھ جاتا ہے اک حیوان لایعقل
مگر مشکل ہے کوئی بات مسٹر تجھ کو سمجھانی

شکاری بھی تو دانا ہو گئے تعلیم پا پا کر
مگر تعلیم نے تجھ میں بڑھائی اور نادانی

ہوا پہلے تو خود گمراہ اب اوروں کے درپے ہے
بنایا علم کو اک آلۂ مشقِ ستم رانی

بجا ہے[1] "دادن تیغ ست دست راہزن" کہنا
سکھانا بدگہر کو علم و فن ہے سخت نادانی

نہیں یہ قول میرا جس کو رد کر دے حقارت سے
ارے یہ "عارف رومی" کا ہے ارشادِ حقانی

تجھے جائز نہیں قرآں بھی پڑھنا تجھ میں جبتک ہے
یہ خود بینی، یہ خودرائی، یہ کج فہمی، غلط خوانی

نہیں ہے کچھ تعلق تجھ کو عقل و روح سے مسٹر
تیرا ہر قول نادانی، تیرا ہر فعل نفسانی

کسی عاقل سے اپنی عقل کے ناخن لو جاہل
کسی عارف سے کر تو جا کے حاصل فیضِ روحانی

---

[1] بقول حضرت مولانا رومی ؎ بدگہر را علم و فن آموختن ٭ دادن تیغ است دست راہزن

یہاں کیا؟ قدر قیمت دیکھنا بازار محشر میں
پڑا ہے چارہ کنعان میں، ابھی گو ماہ کنعانی

یہ سارے کشتنی ہیں شائقینِ حُسن بے پردہ
علاج ایسے رنگیلوں کا ہے نادر شاہِ دُرّانی

پڑے ہیں عاشقوں کے فوج ہے ہر سُو حسینوں کی
لڑائی حُسن کی اور عشق کی کیسی ہے گھمسانی

ارے توبہ وہ جلوہ حُسنِ بے غیرت میں تو دیکھے
ترستے ہی رہے جس کے لئے موسیٰ عمرانی

یہ حُسنِ بے حجاب اِک آتشی شیشہ کی عینک ہے
ترے سب جل چکے ہیں پردہ ہائے چشمِ عرفانی

حسینوں کو بٹھا پردے میں یا تکلوں سے پھوڑ آنکھیں
جنہیں سمجھا ہے عرفانی، نگاہیں وہ ہیں شہوانی

نہ بن ہمدردِ نسوانی، نہ بن اے پردہ در ہاں ہاں
سمجھتا ہوں سمجھتا ہوں تری شائستہ عنوانی

نہ دھوکے دے کہ ظاہر کر رہی ہیں خود تری نظریں
تری خوش نیتی، پاکیزہ قلبی، پاک دامانی

چھپا سودائے اُلفت کو نہ تو لٹکا کے نکٹائی
مجھے معلوم ہے مسٹر تری ثابت گریبانی

رَوا سمجھے نہ مردوں کے لئے بے موزہ رہنا بھی
مگر عورت کا فرضِ منصبی ٹھیرائے عریانی

بنانا ہے اک اپنا آلۂ تفریح عورت کو
غرض اپنی ہے اور کہنے کو ہے ہمدردِ نسوانی

ہوئے سب متحد لڑنا کا باہم عزیز دکا
گئے وہ دن ہوا رخصت وہ دورِ جہل و نادانی

سبھی شوہر ہیں سمدھی جیٹھ دیور کوئی ہو گھر میں
سبھی بیوی ہیں سمدھن ہو جٹھانی ہو کہ دیورانی

نہ ہو رنجیدہ ہرگز دیکھ کر اغیار کو شاداں
ہوا گم ان کی منزل، منزلِ مقصود اگر جانی

بہت ہی پست ہے پرواز مُرغِ فکر کی تیرے
رسائی سے ہے تیری دور اوجِ لطفِ روحانی

ابھی دوری کشِ بدمست کیا تو کیفِ مے سمجھے
کبھی کر سیرِ بزمِ سرخوشانِ راحِ ریحانی

یہ باغِ سبز ہے دنیا، یہ اک دھوکہ کی ٹٹی ہے
یہ اے کج بیں ارم ہے تُو نے فردوسِ بریں جانی

ابھی تصویر کا بس ایک ہی رُخ تُو نے دیکھا ہے
وہ ہے اک دیو خانہ جس کا منظر ہے پرستانی

یہ دُنیائے علائق دیکھ خارستاں ہے خارستاں
پھنسا اس میں تو بس پھر پا چکا تو باغِ رضوانی

ارے یہ چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا ہے
یہ سارے عیش ہیں فانی، یہ سارے لُطف ہیں آنی

نہ گل چھرّے اُڑا کھایا پیا نکلے گا سب تیرا
خبر بھی ہے کہ چڑھتا جا رہا ہے سُود تاوانی

یہ ہے جینے میں جینا ایسے جینے سے تو موت اچھی
وہ کوئی زندگی میں زندگی ہے ہو جو عصیانی

نہ عیشِ جاوداں کی فکر ہو عیشِ دو روزہ میں
بھلا اس سے بھی بڑھ کر کوئی ہو سکتی ہے نادانی

پڑھی ہیں خاک پھر پڑھ کے کر دور اب حرص کی عینک
کہ دُنیا کی مذمّت سے ہیں پُر آیاتِ قرآنی

نظر میں بچتے ہیں موٹے ہی موٹے لوگ دُنیا کے
تموّل کی ہے جن کے پاس ناجائز فراوانی

ترقّی کی ہوس سے چھا گئی آنکھوں میں جب چربی
وَرَم کو تُو نے سمجھا فربہی از راہِ نادانی

ترقّیٔ وَرَم سمجھی بہر صُورت اگر نافع
ترقّیٔ وَرَم بھی کیوں نہ تُو نے بے ضرر جانی

ترقّی کہئے اُسکو دین کا جس میں تنزل ہو
وہ ہے سُولی پہ چڑھنا رُوح کی کرنا ہے قُربانی

ارے بُھولا ہُوا مُردہ کہ زندہ ناتواں اچھّا
مرا افلاس بہتر یا تری فرعون سامانی

مرض افلاس کا مانا ترقّی نے کیا زائل
مگر صدہا جو پیدا کر دیئے امراض روحانی

جہاں میں ہر طرف ہے دور دورہ کبر و نخوت کا
دکھایا چرخ نے پھر دورِ فرعونی و ہامانی

کہاں اب حق پرستی نیچریت آگئی سب میں
کسی کا کُفر مخفی ہے کوئی کافر ہے اعلانی

کوئی قائل نہیں نازل ہوں رحمت کے فرشتے کیوں
جہاں پر اب مسلّط ہیں شیاطین انسی و جانی

تری دکان اُونچی ہے مگر پکوان پھیکا ہے
مرا سودا کھرا ہے گو نہیں ہے اوجِ دکانی

مرا مذہب ہے قرآن و حدیث اور تیرا خود رائی
تری ہے ناپ اٹکل کی مری ہے تول میزانی

ترا مذہب ہے دُنیا تو مقلد اہلِ یورپ کا
مرا مسلک ہے تقلیدِ رسولِ پاکِ عدنانی

نظر بر عاقبت یہ سب مرے سامانِ راحت ہیں
شکستہ خاطری، مُردہ دِلی، افسردہ ارمانی

وہاں اپنی حقیقت تجھ کو دکھلاؤں گا اے مسٹر
یہاں رکھتی ہے میری کامرانی شکلِ حرمانی

بصیرت تجھ کو حاصل ہو تو اے کج بیں نظر آئے
گرانجانی، سبکروحی، سبکروحی، گرانجانی

تری سطحی نظر ہے صرف موجوں کے حبابوں پر
مری گہری نظر غواص قعرِ بحرِ عمانی

یہیں سب چھُوٹ جائینگی یہ روزِ بد دکھائیں گی
تری خوش عیشیاں، خوش باشیاں، فرعون سامانی

نہ پھُول ان اپنی رنگا رنگ بزم آرائیوں پر تُو
یہ سب ہو جائیں گی نقش و نگارِ طاقِ نسیانی

نہ کچھ کام آئے گا اُس دن کہ تُو زیرِ زمیں ہو گا
یہ اے بالانشیں عالی مقامی عرش ایوانی

بھلا خانصاحبی تو کیا رہے گی خان صاحب کی
رہا جب خانِ خاناں اور نہ اُس کی خان خانانی

قناعت نے مجھے آسودہ قلبی بخش رکھی ہے
تجھی کو بوالہوس تیری مبارک حشر ارمانی

یہی دُھن ہے ترقّی کی تو پھر کیا ہے ڈکیتی کر
نہیں جب خوفِ ربّانی تو کیوں ہو خوفِ سُلطانی

ترقّی کی کھلیں راہیں ہو پھر بھرمار چندوں کی
چھڑے مسٹر کی قیمت سے کوئی پھر جنگ بلقانی

ترقّی کر ترقّی کر مگر حد سے نہ بڑھ مسٹر
نظر ہے صرف دُنیا پر تری اک آنکھ ہے کانی

ارے دیکھا بھی اے کج بیں ہوا ثابت سراب آخر
سمجھتا تھا جسے دھوکہ سے تو بہتا ہوا پانی

انہیں تنکوں نے دیکھا بھی لگا دی آگ پانی میں
خس و خاشاک تو نے جن کو سمجھا تھا بہ نادانی

ترے سارے دلائل قطع کر کے رکھ دیئے دم میں
مری تیغِ زباں کی دیکھ بھی لی تو نے برّانی

"بصیرت" کی "حقیقت" دیکھ بھی لی ناز ہے جس پر
یہ ہیں اُبلے ہوئے چاول نہیں خشکہ یہ گیلانی

رسا کہہ کہہ کے فکرِ دوں کو تو نے لاکھ اُکسایا
مگر ہرگز نہ ٹس سے مس ہوئی تھی محوِ حیرانی

چلا بھی تو تو حق نا آشنا اس راہ میں ناحق
ہوئی بس کرکری ہی خاک گو تو نے بہت چھانی

جو غیرت دار ہوتا ڈوب مرتا ایک چلّو میں
نہیں تجھ پر اثر گو سر سے اونچا ہو گیا پانی

اگر اب بھی نہ تو سمجھے تو اب تجھ سے خدا سمجھے
کہ میں سمجھا چکا مسٹر تجھے تا حدِّ امکانی

محقق بھی نہیں تقلید سے بھی عار مانع ہے
رہے گا عمر بھر تو مبتلائے جہل و نادانی

بحمد اللہ میں سختی سے ہوں قائم مرکزِ حق پر
مرے در پے ہیں ناحق مسٹروں کی ہے یہ نادانی

لگا لے زور جتنا جس میں ہو اور جس کا جی چاہے
"ز جا مُلّا نمی جنبد چہ سود از شانہ جنبانی"

ذرا میں بھی تو دیکھوں پہلوانی پہلوانوں کی
مجھے بھی دیکھنا ہے آج بلوانوں کی بلوانی

مثل مشہور ہے مسٹر "نہ ہرگز چپ شود مُلّا"
مجھے تو بند کر سکتا نہیں کر لاکھ لِسّانی

مری نظمِ ظرافت سے نہ تو لوگوں کو بدظن کر
متانت پر نہ اپنی ناز بے جا کر بہ نادانی

مری اس نورتن چٹنی کے آگے کون پُوچھے گا
مریضوں کو کھلا جا کر لعوق اپنا سپستانی

نصیحت میں بھی کچھ لازم ہے چٹخارہ ظرافت کا
مزہ دہ چند کر دیتا ہے بریانی کا بورانی

شکر لپٹی ہوئی کونین کی گولی کھلاتا ہوں
مری کڑوی سے کڑوی بات بھی کس نے بُری جانی

کریلا میں کھلاتا ہُوں مگر خوش ذائقہ کر کے
ہر اک نے شوق سے منظور کر لی میری مہمانی

نصیحت بھی فضیحت بھی سبھی کچھ میں نے کی لیکن
سُنی مسٹر نے باصد خوش دلی و خندہ پیشانی

خودی ہے تیری خودداری متانت کبر و نخوت ہے
ترا ہے نفس زندہ مُردہ ہے احساس روحانی

مری زندہ دلی کا راز تو بدذوق کیا جانے
مری ہے روح زندہ مُردہ ہیں جذبات نفسانی

الگ رہتا ہے مسٹر سب سے یوں اینٹھا ہوا جیسے
جُدا کر دے کسی جُملہ کو قوسِ خط وحدانی

"جوابِ جاہلاں باشد خموشی" سچ کہا تُو نے
ہوا جاتا ہوں لے خاموش تیری بات ہی مانی

اُڑا دیتی ہے دم میں کوہ کو بارود کی پُڑیا
مرے اس شعر نے رد کی ہر نظمِ طولانی

کوئی مضموں نہ کوئی قافیہ تیرے لیے چھوڑا
بنایا میں نے تجھ کو سر بسر اک نقشِ حیرانی

کیا ھے بند کیسا ناطقہ دیکھی سخن گوئی
کیا ہے تنگ کیسا قافیہ دیکھی قلمرانی

قیامت تک کو فارغ ہو گیا مُلّا بحمد اللہ
ہمیشہ کے لئے اب ختم ھے یہ بحث طولانی

انہیں اشعار میں پالے گا ہر مسٹر جواب اپنا
کرے کوئی بھی کتنی بھی مرے رد میں قلمرانی

کہے گا جو جسے جیسا سُنے گا اس سے وہ ویسا
مری یہ نظم اہل حق نے گنبد کی صدا جانی

سزا بھگتی نہ آخر کیوں کمر باندھی مرے رد پر
مرا زورِ سخن دیکھا نہ میری شان بتیانی

وہ دَم خَم کیا ہُوئے بیٹھا ھے مثلِ پیرزال اب کیوں
کہاں ھے اب وہ شانِ رستمی زور نریمانی

بعون اللہ باطل کے اُڑائے چیتھڑے مَیں نے
بحمد اللہ حق نے پالیا غلبہ بآسانی

مَیں ہوں اِک ذرّۂ ناچیز میں کیا میری ہستی کیا
یہ ھے سب شیر مردِ[۱] تھانوی کا فیض روحانی

حکیم الامّۃ ایسا اے مریضِ جان بلب وہ ہے
پکڑ لے اس کا دامن دیکھ پھر اعجوبہ درمانی

مطب میں اس کے تجھ جیسے ہوئے صدہا مریض اچھے
بلا محنت، بلا زحمت، بصد عجلت، بآسانی

اُدھر تشخیص بھی کامل، ادھر تجویز بھی نادر
ملا ہے پھر اسے دستِ شفا بھی حق سے لاثانی

کِسے سمجھانے بیٹھا ہے یہ مسٹر ھے یہ بے حس ہے
خلافِ عقل ہے مُلّا یہ تیری مُردہ درمانی

۱؎ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

"صُلح"

بڑا مزہ اُس ملاپ میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر

بڑھا جھگڑا اسی ضد پر کہ تیرے سخت تھے تیور
بس اب مل لیں گلے مسٹر ہم لڑنا ہے نادانی
بس اب لگ جائیں دونوں مل کے ذکر و شکر و طاعت میں
کہ دونوں ایک ہی مالک کے تو بندے ہیں احسانی
نہ تھی[1] اپنی برأت بھی حمایت حق کی تھی ورنہ
تری تشخیص سب سچ، مجھ میں سب امراض نفسانی
مَیں بدخُو اور بدطینت، سراپا حرص اور شہوت
مَیں بدبیں اور بدنیّت، مری تخیّل شیطانی
مَیں بداخلاق، بداحوال، بدکردار، بداعمال
سراپا مَیں گنہ ہوں، زندگی میری ہے عصیانی
خُدا توفیق دے مجھ کو، خُدا توفیق دے تجھ کو
خُدا توفیق دے سب کو کہ مانیں حکم ربّانی
ابھی اپنے کو کیا سمجھے کسی کو کیا کہے کوئی
کہ سب ہے خاتمہ پر منحصر انجام انسانی
کسی کو کیا خبر ہے کوئی قبل از وقت کیا جانے
کہ ہو کس پر گماں، ہو جائے کس پر فضل یزدانی
خُدا ہی شرم رکھ لے میری تیری سب کی اے مسٹر
چلیں سب لے کے اس ظلمت کدہ سے نُورِ ایمانی

---

[1] یہاں مُلّا صلح کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پردہ جو کہ شرعاً ضروری ہے اسکی حمایت مقصود تھی نہ کہ اپنی بڑائی بیان کرنا مقصود ہے۔ ۱۲

مکافاتِ خرافات

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

نہیں توبہ کا منہ بعد ازیں گفتارِ عصیانی
مگر کرتا ہوں میں جرأت نظر بر فضلِ ربانی

تری رحمت سے یا ربّ کفر ہے مایوس ہو جانا
کہ ہے لا تقنطوا خود ہی ترا ارشادِ حقّانی

ترے دریائے رحمت کے مقابل چیز ہی کیا ہے
مری ناپاک قلبی اور مری آلودہ دامانی

بہت دن سرکشی کی میں نے لیکن اب بصد خجلت
میں پھر رکھتا ہوں مولا تیرے در پر اپنی پیشانی

مدد یا ربّ مدد یا ربّ کہ میں نرغے میں ہوں بے ڈھب
اِدھر تسویلِ نفسانی، اُدھر اغوائے شیطانی

میں مغلوبِ طبیعت ہوں میں محتاجِ اعانت ہوں
بہت کوتاہ ہمت ہوں بہت ہے ضعفِ ایمانی

غریقِ بحرِ غفلت ہوں، اسیرِ حرص و شہوت ہوں
بہت محتاجِ رحمت ہوں دکھا دے شانِ ربانی

عنایت کر عنایت کر عطا اب استقامت کر
مرے دیں کی حفاظت کر مرے ایماں کی نگرانی

بس اب تو خوابِ غفلت سے الٰہی مجھ کو چونکا دے
رہوں تا عمر تیری راہ میں سرگرمِ جولانی

خدایا اپنی قدرت سے کرا دے طے کرا دے طے
مدارج ہائے ایمانی و عرفانی و ایقانی

مرے مولا مرے قادر مرے مالک مرے ناصر
مدد کرنا دمِ آخر، مروں با نورِ ایمانی

مرے خالق، مرے رہبر مرا کر خاتمہ حق پر
بحقِ شافعِ محشر، عطا کر باغِ رضوانی

محاکمہ

از حضرت خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمہ

یا بختِ من "طریقِ محبت" فروگذاشت
یا او بہ "شاہراہِ حقیقت" گذر نہ کرد۔

نوٹ از مؤلف: احقر ناظرین با تمکین سے اپنی محنت اور تلاش کی داد چاہتا ہے کہ اوّل قافیوں کو بہت استیعاب کے ساتھ فراہم کیا گیا پھر نہایت اہتمام کے ساتھ ہر قافیہ پر اپنے موضوع کے مناسب اشعار تصنیف کرائے گئے اور پھر سب اشعار کو اس حسن ترتیب سے مرتب کر دیا گیا کہ جس مقام پر ملاحظہ فرمایا جائے گا ان شاء اللہ مضامین میں دریا کی سی روانی نظر آئے گی اور کہیں ربط و تسلسل کا فقدان موجبِ خلجان یا مانعِ دلچسپی نہ ہو گا۔

فقط والسلام

مُسلم کی بیداری

مُسلم کی بیداری

از حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ انسپکٹر آف اسکولز (یو پی)
خلیفہ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم،

معرکہ آرا جہاں سارے کا سارا آج ہے
محوِ غفلت کون کم بختی کا مارا آج ہے
دہر میں کسی قوم کو پستی گوارا آج ہے
کوئی تو ہے چاند اور کوئی ستارا آج ہے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

یہ جو قوموں کی ترقی ہے یہ مکرِ زُور ہے
جو ہے جتنے اوج پر اتنا وہ حق سے دُور ہے
تیرگی ماہ و انجم کی چمک محصور ہے
جس کو گھیرے ہوا اندھیرا وہ بھی کوئی نور ہے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

آجکل ظلم و ستم اور شور و شر ہیں جزو دیں
داخلِ تہذیب ہیں مکر و فریب اور بُغض و کیں
آسماں پر اُڑ رہے ہیں یوں تو اب اہلِ زمیں
وہ مگر ان ظُلمتوں کو دُور کر سکتے نہیں
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

جس طرف دیکھو چھڑی ہے جنگ، قتلِ عام ہے
ہر جگہ محشر بپا ہے شور ہے کُہرام ہے
کیوں نہ ہو ناحق شناسی کا یہی انجام ہے
امن عالم کا جو ضامن ہے تو بس اسلام ہے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

لہ دھوکا ۱۲

پیٹ کی خاطر سے ہے جو بر سرِ پیکار ہے لقمۂ تر کے لئے بس ہاتھ میں تلوار ہے
اہلِ باطل سب ہیں تو حق کا علمبردار ہے تو ہی عالم کی خلافت کا بس اِک حقدار ہے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماندسب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

جس کو دیکھو لڑ رہا ہے یا دمن کے واسطے کر رہا ہے جان کو قربان تن کے واسطے
سب تو ہیں شمشیر زن قوم و وطن کے واسطے تو اُٹھا تلوار ربِّ ذوالمنن کے واسطے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماندسب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

مال و زر جاہ و حشم قوم و وطن رنگ و نسب آئے دن دنیا میں جھگڑے ہیں انہیں کے توسبب
پست ذہنیت سے ناشی ہیں نصب العین سب اوجِ اسلامی پہ لا معیارِ انسانی کو اَب
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماندسب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

اہلِ دُنیا ہو رہے ہیں سخت بیزارِ حیات اک نمونہ حشر کا ہے ان کا بازارِ حیات
ان کے آگے پیش کر تو اصل معیارِ حیات بہرِ خوشنودیٔ ربّ ہو تیرا ہر کارِ حیات
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماندسب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

اَب تو ہر صُورت قیامِ امن کی ناکام ہے آگ دُنیا میں لگی ہے فتنہ و شر عام ہے
چپہ چپہ پر زمیں کے جنگ خون آشام ہے گوشہ گوشہ اَب جہاں کا تشنۂ اسلام ہے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماندسب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

پھیلنا ہے چار سُو اک دن ضرور اسلام کو سچ سمجھ پیغمبرِ برحق کے اِس پیغام کو
تو کرے پُورے یقیں کے ساتھ گر اِس کام کو مہدی و عیسیٰ بھی پہنچیں نصرت و اتمام کو
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماندسب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

ساز و ساماں دشمنوں کا سا تو گو مفقود ہے
تیرے پاس ایماں سی انمول شے موجود ہے
پیشِ اعدا پھر جو ہر کوشش تری بے سود ہے
بے عمل یہ تیغِ جوہر دار زنگ آلود ہے

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

وعدۂ غلبہ ہے مومن کے لئے قرآن میں
پھر جو تو غالب نہیں کچھ ہے کسر ایمان میں
ہو جو ایماں کا اثر اعضا میں دل میں جان میں
حسبِ قرآں سب سے اعلیٰ تو ہی پھر ہو شان میں

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

کر اَوامر پر عمل مایوس تو ہاں ہاں نہ ہو
کب ہے ممکن غیب سے پھر فتح کا ساماں نہ ہو
کیا ہو تجھ پر فضل جب تو تابعِ فرماں نہ ہو
بن کے مومن بڑھ جو ہر مشکل تری آساں نہ ہو

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

مثلِ سابق مومنِ کامل اگر ہو جائے پھر
تابعِ فرمان تیرے بحر و بر ہو جائے پھر
قادرِ کل کی جو قدرت پر نظر ہو جائے پھر
تو جو اب روبہ صفت ہے شیرِ نر ہو جائے پھر

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

پھر وہی اخلاقِ اسلامی جو ہم میں عام ہوں
پھر ہے ناممکن ہم اپنے کام میں ناکام ہوں
جوق جوق آ آ کے خود سب داخلِ اسلام ہوں
اور جو مفسد ہیں وہ زیرِ تیغِ خون آشام ہوں

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

اب نہ وہ صورت نہ وہ سیرت نہ وہ اخلاق ہیں
شوقِ دنیا بھر کے ہیں احکامِ دیں پر شاق ہیں
تیرے اگلے کارنامے شہرۂ آفاق ہیں
اب سیہ کیوں تیری تاریخ کے اوراق ہیں

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

رُستمِ خفتہ ہے تو کس بل نہیں ہے کم تیرا   جاگنے کی دیر ہے پھر ہے وہی دم خم تیرا
یہ اگر ہو جائے زائل نیند کا عالم ترا   چار سُو دُنیا میں لہرانے لگے پرچم ترا

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

تیری بہبودی کی اِک شمشیر ہی تدبیر ہے   دولتِ دارین دلوائے یہ وہ اکسیر ہے
خود حضورِ مخبرِ صادق کی یہ تبشیر ہے   جنّتُ الفردوس زیرِ سایۂ شمشیر ہے

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

نفعِ دینی دیکھ تُو دُنیا کی بہبودی نہ دیکھ   مرضیٔ رَب دیکھ اپنی مصلحت کوئی نہ دیکھ
تُو اکیلا تیرے دُشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ   قُدرتِ حق پر نظر رکھ اپنی کمزوری نہ دیکھ

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

دُشمنانِ دیں ہیں گو اکثر اور اہلِ دیں اقل   "یَغلِبُوا اَلفَین" کے ہوتے جھجک ہے بے محل
ہو اگر کچھ بھی "اَعِدُّوا لَہُم مَا استَطَعتُم" پر عمل   پھر تو کافی ہو تجھے تیرا خُدائے عزّ و جل

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

اعتقادِ غیر کی تقلید کا دل سے نکال   اس نے پنہاں کر دیئے ہیں تیرے اصلی خدّ و خال
کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے تیرے ماضی و حال   سادگی میں رُو نما ہو پھر بصد جاہ و جلال

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

آب دوزی کوئی کرتا ہے ہوا بازی کوئی   اسلحہ سازی کوئی کرتا ہے بم سازی کوئی
بالشویک ہے کوئی فاشی کوئی نازی کوئی   اور سب کچھ ہیں نہیں ہیں شبلیؒ و رازیؒ کوئی

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

ہر طرف ہے اب جہاں میں ہے جفا تیرے لئے
دوست جو تھا وہ بھی دشمن بن گیا تیرے لئے
کوئی دنیا میں نہیں اب آسرا تیرے لئے
تو خدا کا ہو کہ ہو جائے خدا تیرے لئے
مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

ہر کس و ناکس کو فکر عزت و توقیر ہے
بہر تسخیر جہاں ہر کوشش و تدبیر ہے
ان دنوں سودا جہانگیری کا عالمگیر ہے
تیرے سرگرم عمل ہونے میں کیوں تاخیر ہے
مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

یہ نظام دہر اب تبدیل ہونا چاہیئے
اس کی اب توحید پر تشکیل ہونا چاہیئے
یہ ہے ناقص اسکی اب تکمیل ہونا چاہیئے
"جاھدوا فی اللہ" کی تعمیل ہونا چاہیئے
مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

امن عالم کا بس اب سامان ہونا چاہیئے
سب کا دستور العمل قرآن ہونا چاہیئے
بس یہی دھن تجھ کو اب ہر آن ہونا چاہیئے
حق کا جاری ہر جگہ فرمان ہونا چاہیئے
مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

حشر تک قانون اسلامی بدل سکتا نہیں
یہ اگر ہو کوئی ٹیڑھی چال چل سکتا نہیں
پھر حدود اللہ سے کوئی نکل سکتا نہیں
دہر بے بنیاد بے اسکے سنبھل سکتا نہیں
مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

ایک قانون خداوند دو عالم کے سوا
اور سب قانون ہیں مبنی بر اغراض و جفا
سب کو تو پابند قانون خداوندی بنا
بندگان حق کو بندوں کی غلامی سے چھڑا
مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

امن کا ہے جو علمبردار وہ تو ہی تو ہے
کجرووں کو جو کرے ہموار وہ تو ہی تو ہے

سب کا ہے جس پہ مدارِ کار وہ تُو ہی تو ہے　　　فیصلہ کُن ہے جس کی تلوار وہ تُو ہی تو ہے
مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

اپنی اپنی سعی میں ہو ہو کے اب ناکام سب　　　خُفیہ خُفیہ آ رہے ہیں جانبِ اسلام سب
تُو جو رہبر ہو تو پھر کُھل کر کریں اقدام سب　　　رہبری کر، چھوڑ اپنے عیش اور آرام سب
مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

نغمۂ رنگیں بنا ہنگامۂ خُونیں کو تُو　　　پارہ پارہ کر دے باطل کے بُتِ سنگیں کو تُو
چار سُو دُنیا میں پھیلا اپنے برحق دیں کو تُو　　　ہاتھ سے جانے نہ دے اِس موقعِ زرّیں کو تُو
مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

تیرے ہوتے بھی جہاں میں غلبۂ کفّار ہو　　　سرنگوں پیشِ بُتاں حق کا علمبردار ہو
تا بکے غفلت بس اب بیدار ہو بیدار ہو　　　لب پہ ہو اللہ اکبر، ہاتھ میں تلوار ہو
مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

کُود میدانِ عمل میں ہو کڑک کر نعرہ زن　　　از سرِ نو زندہ کر اپنی روایاتِ کہن
پھر دکھا اپنا وہ زورِ بازُوئے خیبر شکن　　　اور وہ اپنے خالدی تیور، حُسینی بانکپن
مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

رہ کے دُنیا میں بلند اپنے خُدا کا نام کر　　　جس لیے بھیجا گیا ہے تو یہاں وہ کام کر
ہے جو مُسلم، کام بھی تو درخورِ اسلام کر　　　چار سُو توحید پھیلا نورِ حق کو عام کر
مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا، تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

شرک سوز ایسی ہو توحید و خُدادانی تری　　　پُھونک ڈالے ماسوا کو شُعلہ سامانی تری
کر دے تابندہ جہاں کو روحِ نورانی تری　　　سربسر چھا جائے سب پہ ذاتِ لاثانی تری

مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

معرکوں میں جاہ ہو پیش عدو سرگرمِ ناز مسجدوں میں آہ ہو پیش خُدا محوِ نیاز
اپنی اپنی جگہ پر ہوں رزم و بزم و سوز و ساز ساری دُنیا کو دکھا دے اپنی شانِ امتیاز
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

سلطنت دُنیا پہ کر تُو اور کر اس شان سے ہو عیاں شانِ خلافت تیری ہر ہر آن سے
ہو سیاست بھی تری ماخوذ سب قُرآن سے ربط ادھر مخلوق سے ہو اور اُدھر رحمان سے
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

صدقِ صدیقؓ دکھا تو عدلِ فارُوقؓ دکھا عفت و حلم و حیا شرمِ عُثمانیؓ دکھا
حیدرِ کرارؓ کی شیری و شہ زوری دکھا اپنے سب جوہر دکھا کر اپنی یکتائی دکھا
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

ایک ہی پھر کُل جہاں کا ہو امیر المومنین جس سے ہر مومن ہو وابستہ وہ رہتا ہو کہیں
طرزِ اسلامی پہ ہو جائے جو نظمِ مُسلمیں کارگر پھر کچھ نہ ہو یہ کثرتِ اعدائے دیں
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

تُو سمجھ ان میری باتوں کو نہ باتیں خواب کی کیا نہیں پیش نظر تیرے مثال اصحاب کی
کر چکے ہیں وہ خلافت کیسی آب و تاب کی جن سے آگے آب تاروں کی نہ کچھ مہتاب کی
مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

ہے زمانہ بھر پہ حاصل حق فوقیت تجھے ہے خلیفہ حق کا تُو شایاں ہے یہ عزت تجھے
نشر حق کی چاہیئے رکھنی مگر نیت تجھے مالکِ ارض و سما بس اسکی دے ہمت تجھے
مُسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تُو بھی ہو

تجھ کو حق توفیق حق خدمتِ اسلام دے — صدق دے ایمان کامل دے خلوص تام دے
ساری دُنیا کی خلافت بھی بصد اکرام دے — تجھ کو دے وہ چیز جو دونوں جہاں میں کام دے

مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

حسنِ مطلق کا محب بھی تُو ہے اور محبوب بھی — اُسکے رستہ کا ہو تو سالک بھی اور مجذُوب بھی
دوست گرویدہ رہیں اعدا، رہیں مرعُوب بھی — ہو میسّر رُوئے پُر ہیبت بھی رُوئے خُوب بھی

مُسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

ہمارا جھنڈا

الٰہی جہاں میں ہیں جتنے بھی پرچم — ہمارے پھریرے کے آگے ہوں سب خم
ہمارے ہو زیرِ علم سارا عالم — نظر آئیں چاروں طرف بس ہمیں ہم

یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اُڑے چار سُو سبز جھنڈا ہمارا

فلک کی بلندی پہ پہنچے دوبارہ — ہمارا ہلال اور ہمارا ستارا
کسی سے ہمیں ہو نہ دبنا گوارا — وہ کوئی سکندر ہو یا کوئی دارا

یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اُڑے چار سُو سبز جھنڈا ہمارا

پھر اسلام کا ہم وہ جذبہ دکھا دیں — کہ اطرافِ عالم میں ڈنکا بجا دیں
دلوں پر وہ ہیبت کا سکہ بٹھا دیں — کہ جتنے بھی سرکش ہیں سب سر جھکا دیں

یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اُڑے چار سُو سبز جھنڈا ہمارا

کچھ اس رنگ سے نغمۂ حق سنائیں — کہ سب رنگِ توحید میں رنگ جائیں
کچھ اس کیف سے گیت وحدت کے گائیں — کہ کھنچ کھنچ کے سب ایک مرکز پہ آئیں

یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اُڑے چار سُو سبز جھنڈا ہمارا

ہے مسلم کی ہستی برائے عبادت — ہے اسلام گردن نہادن بطاعت
بدل دیں جو ہم سرکشی کی یہ عادت — تو ساری زمیں پر ہو اپنی خلافت

یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اُڑے چار سُو سبز جھنڈا ہمارا

بہ آں فخرِ کونین و شاہِ دو عالم　　بہ آں خیر خواہ و پناہِ دو عالم
بہ آں حضرتِ قبلہ گاہِ دو عالم　　عطا ہم کو ہو عزّ و جاہِ دو عالم
یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اڑے چار سو سبز جھنڈا ہمارا
ان آہوں میں مظلوم کی وہ اثر دے　　جو اک جوش کی آگ سینوں میں بھر دے
جو مسلم کو اس درجہ سرمست کر دے　　کہ وہ دین پر بے جھجک اپنا سر دے
یہ ہو سرخرو سبز جھنڈا ہمارا
اڑے چار سو سبز جھنڈا ہمارا

ترانۂ مُسلم

آثار سے ہے ماضی ہر سُو عیاں ہمارا
ہر خطّۂ زمیں ہے افسانہ خواں ہمارا

گُذرا ہے ایسا زرّیں عہدِ گذشتہ کس کا
ثانی کوئی بتائے تاریخ داں ہمارا

پرواز کی حدیں تھیں گھیرے ہوئے جہاں کو
چھوٹا سا تھا عرب میں گو آشیاں ہمارا

کس ملک و مملکت کے اِس صفحۂ زمیں پر
گونجا نہ زیرِ گردُوں شورِ اذاں ہمارا

ایمان کی تھی قوت، اخلاص کی تھی برکت
اِک اِک ھزار کا تھا اِک اِک جواں ہمارا

آتے تھے آسماں سے بہرِ مدد فرشتے
اللہ میاں کے ھم تھے اللہ میاں ہمارا

سالارِ کارواں کے نقشِ قدم کو چھوڑا
گُم ہے جو وادیوں میں اب کارواں ہمارا

قائم رہے ہیں حق پر ہم سر کٹا کٹا کر
چُپ ہے زبانِ خنجر لچ ہے بیاں ہمارا

مُسلم ہیں ھم غُلامی کرتے نہیں کسی کی
بس اِک خُدائے برتر ہے حکمراں ہمارا

کمزور ھم کو ہرگز نہ سمجھیں اھلِ باطل
اُٹھے نہیں کہ پھر ہے سارا جہاں ہمارا

ہو پھر نصیب یارب ھم کو عروجِ سابق
چھا جائے کُل جہاں پر قومی نشاں ہمارا

نفیرِ غیب

عرضِ ناشر

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ سیدنا ومولانا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہِ الطَّاهِرِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مدظلہٗ العالی کی فرمائش پر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے دوازدہ (بارہ۱۲) تسبیح کے ہر چہار اذکار کے متعلق دس دس بند تصنیف فرمائے تھے۔ چنانچہ یہ چالیس۴۰ بند کا مجموعہ بہ عنوان "چہل بند اذکارِ چشتیاں ملقب بہ تفریحِ بہشتیاں" مصداق شعر؎

یہ کیسے مزے کا چہل بند ہے ٭ کہ ہر بند اک کوزۂ قند ہے

ہدیۂ ذاکرین وطالبین کرتا ہوں اور اس تضمین دُوازدہ اذکار کا تاریخی نام "نفیرِ غیب" ہے

حق تعالےٰ شانہٗ اس کو مقبول ونافع فرماوے اور حضرت مصنفؒ اور مولانا ظہور الحسن صاحب اور اراکین ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بناوے۔ آمین یارب العالمین۔

فقط

محمد اسحاق عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابیات در تضمین ذکرِ نفی اثبات

یار ہے یارب تو میرا اور میں تیرا یار رہوں — مجھ کو فقط تجھ سے ہو محبت، خلق سے میں بیزار رہوں
ہر دم ذکر و فکر میں تیرے مست ہوں سرشار رہوں — ہوش رہے مجھ کو کسی کا تیرا اگر ہوشیار رہوں
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ

تیرے سوا معبودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں — تیرے سوا مقصودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں — تیرے سوا مشہودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ

دونوں جہاں میں جو کچھ بھی ہے سب ہے تیرے زیرِ نگیں — جن و انس و حور و ملائک عرش و کرسی چرخ و زمیں
کون و مکاں میں لائقِ سجدہ تیرے سوا اے نورِ مبیں — کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ

سب بندے ہیں کوئی نبی ہو یا ہو ولی یا شہنشاہ — باغِ دو عالم بھی ہے تری قدرت کے حضور اک برگِ کاہ
کیوں نہ میں قائل ہوں کہ ہزاروں تیری خدائی کے ہیں گواہ — خار و گل افلاک و کواکب کوہ و دریا مہر و ماہ ن
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ

تیرا گدا بن کر میں کسی کا دستِ نگر اے شاہ نہ ہوں — بندۂ مال و زر نہ بنوں میں طالبِ عز و جاہ نہ ہوں
راہ پہ تیری پڑ کے میں قیامت تک میں کبھی بے راہ نہ ہوں — چین نہ لوں میں جب تک رازِ وحدت سے آگاہ نہ ہوں

ن : جان ہُوئی جاتی ہے شیریں کیسے مزے کا ذکر ہے واہ

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے   تجھ پر سب گھربار لٹادوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے ترے دلشاد رہے   سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

سب سے میں ہوجاؤں مستغنی فضل ہو پیشِ نظر تیرا   اب تو رہوں میں اے میرے داتا بس اک دستِ نگر تیرا
توڑ کے پاؤں پڑجاؤں چھوڑوں نہ کبھی اب در تیرا   عشق سماجائے رگ رگ میں دل میں میرے گھر تیرا

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

نفس و شیطاں دونوں نے مکر سے کیا ہے مجھ کو تباہ ۔   اے مولا میری مدد کر چاہتا ہوں میں تیری پناہ
مجھ سا خلق میں کوئی نہیں گو بدکار و نامہ سیاہ   تو بھی مگر غفار ہے یارب بخش دے میرے سارے گناہ

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ . لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

مجھ کو سراپا ذکر بنادے ذکر ترا اے میرے خدا   نکلے میرے ہر بُنِ مُو سے ذکر ترا اے میرے خدا
اب تو کبھی چھوڑے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا   حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

جب تک قلب رہے پہلو میں جب تک تن میں جان رہے   لب پہ ترا نام رہے اور دل میں تیرا دھیان رہے
جذب میں پراں ہوش رہیں اور عقل مری حیران رہے   لیکن تجھ سے غافل ہرگز دل نہ مرا اک آن رہے

اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

ابیات در تضمین ذکرِ مجرّد و اثبات

اے میرے مولا میری نظر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو   سب تو ہوں باہر دل کے اندر تو ہی تو ہو تو ہی تو
قلبِ تپاں میں دیدۂ تر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو   میرے لئے تو بحر و بر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ

سوجھے مجھ کو دونوں جہاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو   سوجھے مجھ کو کون و مکاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
سوجھے مجھ کو قالب و جاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو   سوجھے مجھ کو سود و زیاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ

جان سے بھی جو مجھ کو ہے پیارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو   جس کے لئے سب کچھ ہے گوارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو
دونوں جہاں میں میرا سہارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو   میری ناؤ کا کھیون ہارا تو ہی تو ہاں تو ہی تو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ

جود و کرم کی شان گدا کو کھل کر اب اے شاہ دکھا   قربِ خاص عطا فرما ایوان کی اپنے راہ دکھا
جلوہ اب تو کھلے بندوں ہی بس اب میرے ماہ دکھا   پردہ (ف) اٹھا دے نور اپنا ہر وقت دکھا ہر گاہ دکھا

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ

آئے نظر ذرہ ذرہ میں صاف تری قدرت مجھ کو   عالمِ کثرت بھی ہو جائے آئینۂ وحدت مجھ کو
باغِ جہاں میں تو محسوس اب ہو مثلِ نکہت مجھ کو   مشقِ تصور اتنی بڑھی جلوت میں بھی خلوت مجھ کو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ

(ف) کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی اللہ

ایسا سما جا میری نظر جلوہ ترا دیکھوں ھر سُو — غیبت دم بھر کو بھی نہ ہو ہر وقت ہوں میں رُو در رُو
میرے لئے بازار جہاں سر بسر اک میدان ہو — تو ہی تو ہو تو ہی تو، تو ہی تو ہو تو ہی تو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہر گز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ

ذرّہ ذرّہ قطرہ قطرہ رطب و یابس بحر و بر — نُور و نار و اوج و پستی کفر و ایماں خیر و شر
ایک زباں ہو کر یہ سب کے سب دیتے ہیں تیری خبر — تیرے آگے ہیچ ہے ہر شئے تُو ہی ہے سب سے برتر

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہر گز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ

میری نظر میں سب یکساں ہوں کوئی گدا ہو یا ہو شاہ — ہو نہ ذرا مرعوب کسی سے کوئی ہو کتنا ہی ذی جاہ
رازِ وحدت سے تُو کر دے دل کو مرے یا رب آگاہ — میرے لئے ہو جائیں برابر باغ و صحرا کوہ و کاہ

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہر گز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ

بندۂ مقبول اپنا بنا اور کر نہ کبھی مَردُود مجھے — بخش خُدایا حُسنِ ختام و عاقبتِ محمود مجھے
جلوہ ترا اس طور سے ہر لحظہ اب مشہُود مجھے — تیرے سوا عالم میں نظر آئے نہ کوئی موجود مجھے

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہر گز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ
اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ ، اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ

(ن) کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی اِلٰہ

ابیات در تضمینِ ذکرِ دو ضربی

نوٹ : اِس ذکر کی اصل بحر یہ ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ لیکن یہ چونکہ غیر مانوس سی بحر ہے اسلئے متعارف بحر یعنی الٰہی توبہ الٰہی توبہ الٰہی توبہ الٰہی توبہ اختیار کی گئی ہے۔ ان دونوں بحروں میں بہت ہی کم فرق ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اسلئے پڑھنے میں کوئی تفاوت محسوس نہ ہوگا۔ تاہم ٹیپ کا بند ذکر ہی کے وزن پر رکھا گیا ہے۔ نیز چند بند پورے کے پورے اصل بحر میں بھی لکھ کر درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ اگر کسی کو اُسی وزن سے دلچسپی ہو تو وہ انھیں بندوں کو بار بار پڑھ کر لُطف اندوز ہو سکے۔ اور وہ یہ ہیں۔

میری کرے گا مقصد برآری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — بخشے گا مجھ کو پرہیزگاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
رکھے گا مشغولِ آہ و زاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — دل کی کرے گا یہ آبیاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

دل پر چلاتا ہے اُف کٹاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — اور نفس پر پھیرتا ہے آری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
دو دو لگاتا ہے ضرب کاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — تلوار ہے اور وہ بھی دودھاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

کیا ذکر ہے یہ اللہ اکبر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — دل پر چلاتا ہے تیر و خنجر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
یہ جان سے بھی ہے مجھ کو بڑھ کر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — چھوڑوں نہ میں گو بن جائے دم پر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

یہ ذکر ہے یا قندِ مکرر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — کہنے لگا میرا دل بھی سُن کر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
یہ جانِ شیریں سے بھی ہے خوشتر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ — یہ ذکرِ حق ہے یا شیر و شکر اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

گزری گناہوں میں عمر ساری اے میرے مولا اے میرے باری — کیا حشر ہو گا دہشت سے طاری اے میرے مولا اے میرے باری
کس کو پکارے تیرا بھکاری اے میرے مولا اے میرے باری — ہو جائے ناجی مجھ سا بھی ناری اے میرے مولا اے میرے باری

ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ذاکر ہے تیری مخلوق ساری اے میرے مولا اے میرے باری — آ جائے اب تو میری باری اے میرے مولا اے میرے باری
کب تک رہے گی غفلت یہ طاری اے میرے مولا اے میرے باری — دل پر لگے ہاں اک چوٹ کاری اے میرے مولا اے میرے باری

ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اف یہ دل بد احوال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ — یہ حال میرا یہ قال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ
یہ حال یہ سن و سال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ — بس اب کھچے بال بال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ

ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ہو جاوے حل اشکال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ — کام آئے یہ ریال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ
دے نفع کچھ یہ احوال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ — کیا ہو گا محشر میں حال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ

ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

دنیا میں دل منہمک ہے یا رب بیزار کر دے بیزار کر دے — کشتی بھنور میں ڈھب پھنسی ہے ہاں پار کر دے ہاں پار کر دے
بے طرح ہوں محوِ خوابِ غفلت بیدار کر دے بیدار کر دے — بیکار ہوں میں بیکار ہوں میں باکار کر دے باکار کر دے

ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

دنیا کی الفت دل سے مٹا کر دیندار کر دے دیندار کر دے — ہر کارِ دنیا مجھ سے چھڑا کر بیکار کر دے بیکار کر دے
جامِ محبت اپنا پلا کر سرشار کر دے سرشار کر دے — مجذوب اپنا مجھ کو بنا کر ہشیار کر دے ہشیار کر دے

ہر دم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اللہ سے دل میں نے لگایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ — مقصود میرا آخر بر آیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
یادِ خدا میں سب کو بھلایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ — دل سے نکالا اپنا پرایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

ہردم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

عہ آیا میں مرشد کے زیرِ سایہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ گم کردہ تھا منزل پہ آیا
اپنی ہی دُھن میں حق نے لگایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ دل کی پلٹ دی بالکل ہی کایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

ہردم کروں میں اے میرے باری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

اَبیاتِ شوقیہ

بناؤں گا اپنے نفسِ سرکش کو اب تو یا ربّ غلام تیرا ۔ میں چھوڑ کر کاروبار سارے کرونگا ہر وقت کام تیرا
کیا کرونگا بس اب الٰہی ذکر ہی صبح و شام تیرا ۔ جماؤنگا دل میں یاد تیری رٹوں گا دن رات نام تیرا

ہردم کروں گا اے میرے باری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

ہوں اے خدا دم بھروں گا تیرا بدن میں جبتک کہ جان رہیگی ۔ پڑھوں گا ہر وقت تیرا کلمہ دہن میں جبتک زباں رہے گی
کوئی رہے گا نہ ذکر لب پر تری ہی بس داستاں رہیگی ۔ نہ شکوہ دوستاں رہے گا نہ غیبتِ دشمناں رہے گی

ہردم کروں گا اے میرے باری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ
مثل نفس اب رکھوں گا جاری اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

عہ دو سال چار ماہ کی طویل رخصت لے کر حاضرِ خانقاہ ہُوا ہوں۔ **نکتہ** اس بحر میں محض بطور مثال چند بند لکھنے کا قصد تھا لیکن ہر ردیف اور قافیہ میں دو دو بند ہو کر بجائے چند کے چند در چند یعنی بارہ ہو گئے۔ خیر اس میں یہ نکتہ نکل آیا کہ دوازدہ تسبیح میں دراصل تیرہ تسبیح ہوتی ہیں۔ یہ تیرہ کا عدد تو تیرھویں صدی کو یاد دلادے گا اور چہل کے چالیس بند اور یہ نمونہ کے بارہ بند کل مل کر باون بند ہوئے۔ دونوں عددوں کا مجموعہ مل کر سنہ ۱۳۵۲ھ کو ظاہر کردے گا جو اس تضمین دوازدہ تسبیح کا سنہ تصنیف ہے۔ اللہ تعالےٰ مقبول و نافع فرمائے (آمین) ۱۲۔ منہ رح

رہا میں دن رات غفلتوں میں عبث یونہی زندگی گذاری
کیا نہ کچھ کام آخرت کا کٹی گناہوں میں عمر ساری
بہت دنوں میں نے سرکشی کی مگر ہے اب سخت شرمساری
میں سر جھکاتا ہوں میرے مولا میں توبہ کرتا ہوں میرے باری
ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثلِ نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

میں دین لوں گا، میں دین لوں گا، نہ لوں گا زنہار دنیا
دکھا کے نقش و نگار اپنے لبھائے مجھ کو ہزار دنیا
اسے میں خوب آزما چکا ہوں بہت ہے بے اعتبار دنیا
لگاؤں گا اس سے دل نہ ہرگز یہ چار دن کی ہے یار دنیا
ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثلِ نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

بتانِ دلبر تو سینکڑوں ہیں مگر کوئی باوفا نہیں ہے
ودود اور لائقِ محبت فقط ہے تو دوسرا نہیں ہے
کوئی ترے ذکر کے برابر مزے کی شے اے خدا نہیں ہے
مزے کی چیزیں ہیں گو ہزاروں کسی میں ایسا مزا نہیں ہے
ہر دم کروں گا اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
مثلِ نفس اب رکھوں گا جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

ابیاتِ مناجاتیہ

مجال ہے کچھ بھی کر سکوں میں جو تو نہ توفیق اے خدا دے
تری مشیت ہے سب پہ غالب ہیچ ہیں میرے سب ارادے
بہت دنوں رہ چکا نکما بس اب مجھے کام کا بنا دے
میں کب سے ہوں محوِ خوابِ غفلت بس اب جگا دے بس اب جگا دے
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

رہِ طلب میں سوار سب ہیں پیادہ مثلِ غبار میں ہوں !
ترے گلستاں میں سب گل ہیں بس اک اگر ہوں تو خار میں ہوں
مجھے بھی کچھ فکرِ آخرت ہو بہت ہی غفلت شعار ہوں میں
رہا میں بیکار زندگی بھر بس اب تو مشغولِ کار میں ہوں
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

تجھے تو معلوم ہے الٰہی بہت ہی گندہ ہے حال میرا
گناہ میں آلودہ ہو رہا ہے رواں رواں بال بال میرا
یہ آخری دن ہے زندگی کے درست کر دے آل میرا
تری محبت میں اب جیوں میں اسی میں ہو انتقال میرا
ہر دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ اللہ
جب سانس لوں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

کرم سے تیرے بعید کیا ہے جو فضل مجھ پر بھی میرے رب ہو
تری مدد ہو مری ہو کوشش تری کشش ہو مری طلب ہو
بدی میں گزری ہے عمر ساری نصیب توفیق نیک اب ہو
رہوں میں مشغول ذکر و طاعت بس اب یہی شغل روز و شب ہو
ھر دم کروں میں اے میرے باری اللہُ اللہُ اللہُ اللہُ
جب سانس تُوں میں ہو جائے جاری اللہُ اللہُ اللہُ اللہُ

عنایت خاص کو الٰہی میں تیرے قربان عام کر دے
اس اپنے ادنیٰ غلام کو بھی نصیب اب قرب تام کر دے
میں ہائے کب تک ہوں ادھورا بس اب تو پُر میرا جام کر دے
فنا کا وہ درجہ اب عطا ہو جو کام میرا تمام کر دے
ھر دم کروں میں اے میرے باری اللہُ اللہُ اللہُ اللہُ
جب سانس تُوں میں ہو جائے جاری اللہُ اللہُ اللہُ اللہُ

ابیاتِ در تضمین ذکر یک ضربی اسمِ ذات

اے میرے داتا، اے میرے مالک، اے میرے مولا، اے میرے والی
شہنشاہ دو عالم تو ہے سب سے تری سرکار ہے عالی
شان تری ہر آں نئی ہے، گاہ جمالی، گاہ جلالی
وہ بھی عجب خوش بخت ہے جس نے قلب میں تیری یاد بسالی

ع ہر ٹکڑے کو (مثلاً اے میرے داتا) الگ الگ اور ٹھیر ٹھیر کر پڑھا جائے تاکہ ذکر اسمِ ذات کے ٹکڑے اَللہ اَللہ کے وزن پر آجائیں۔ ۱۲

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

کسب میں دُنیا کے ہی رہا میں دین کی دولت کچھ نہ کمائی
وقت یُونہی بیکار گذارا عُمر یونہی غفلت میں گنوائی
خلق میں میں ہی سب سے بُرا ہوں کوئی نہیں ہے مجھ میں بھلائی
مُجھ سا کوئی بدکار نہ ہوگا کون سی میں نے کی نہ بُرائی

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

ذکر کی اب توفیق ہو یارب کام کا یہ ناکام ہو تیرا
قلب میں ہر دم یاد ہو تیری لب پہ ہمیشہ نام ہو تیرا
تجھ سے بہت رہتا ہے گریزاں اب دل وحشی رام ہو تیرا
مُجھ کو اب استقلال عطا کر پختہ بس اب خام ہو تیرا

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

ذکر تیرا کر کے الٰہی میں دُور کردوں دِل کی سیاہی!
چھوڑ کے حُبِّ مالی و جاہی اب تو کروں بس فقر میں شاہی
شام و سحر ہے شغل مناہی میرے گنہ میں لاتناہی
کس سے کہوں میں اپنی تباہی تو ہی مری کر پشت پناہی

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے ، بیٹھے ، چلتے ، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ

نفس کے شر سے مجھ کو بچا لے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ
پنجۂ غم سے مجھ کو چھڑا لے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ

سن مرے نالے سن مرے نالے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ
اپنا بنا لے، اپنا بنا لے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے آٹھ پہر ہو اللہ اللہ

اپنی رضا میں مجھ کو مٹا دے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ
کر دے فنا سب میرے ارادے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ

جامِ محبت اپنا پلا دے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ
دل میں مرے یاد اپنی رچا دے، اے میرے اللہ، اے میرے اللہ

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے آٹھ پہر ہو اللہ اللہ

دیدۂ دل میں تجھ کو بسا لوں سب سے ہٹا لوں اپنی نظر میں
تیرا ہی جلوہ پیشِ نظر ہو جاؤں کہیں میں دیکھوں جدھر میں
تیرا تصوّر ایسا جما لوں قلب میں مثلِ نقشِ حجر میں
بھول سکوں تا عمر نہ تجھ کو چاہوں بھلانا خود بھی اگر میں

شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے آٹھ پہر ہو اللہ اللہ

ذات ہے تیری سب سے نرالی شان ہے تیری فہم سے عالی
اسکو تری وحدت سے، مشاہد جس کا ہے دِل اغیار سے خالی
تیرے شواہد بحر و بر، گردون و زمیں ایام و لیالی
ذرّہ، ذرّہ، قطرہ، قطرہ، پتہ پتہ، ڈالی ڈالی
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ
کُنہ تری ہے فہم سے عالی وصف ہے تیرا عقل سے بالا
تیرے ہیں لاکھوں ماننے والے کوئی نہیں ہے جاننے والا
تیری محبت رُوح کی لذّت تیرا تصوّر دِل کا اُجالا
نطق نے میرے چوم لئے لب نام تیرا جب مُنہ سے نکالا
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ
اپنا مجھے مجذوب بنالے تیرا ہی سودا ہو میرے سر میں
تیری محبت ہو رگ و پے میں جان میں تن میں دل میں جگر میں
شاد رہوں میں رنج و خوشی میں سود و زیاں میں نفع و ضرر میں
فرق نہ دیکھوں شاہ و گدا میں دُر و صدف میں لعل و گہر میں
شغل میرا بس اب تو الٰہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اُٹھ پہر ہو اللہ اللہ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

الله
کشکول مجذوب
۴۰۱

انتخاب از فریادِ مجذوبؒ دریادِ محبوب

اے خدا اے میرے ستّار العیوب
میرے مولا میرے غفّار الذنوبؒ

تجھ پہ روشن ہے میرا حالِ زبوں
پارسا میں لاکھ ظاہر میں بنوں

سچ ہے مجھ سا کوئی ناکارہ نہیں
جز بہ اقرار خطا چارہ نہیں

سخت بدکردار و بداطوار ہوں
سخت نالائق ناہنجار ہوں

سر بسر عصیاں سراپا عیب ہوں
بدترین خلق میں لاریب ہوں

مجھ سا کوئی نفس کا بندہ نہیں
مجھ سا کوئی قلب کا گندہ نہیں

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال
بدعمل، بدنفس، بدخو، بدخصال

رات دن ہوں نشۂ غفلت میں چور
شغل ہے لہو و لعب، فسق و فجور

ہوں ترا بندہ مگر بس نام کا !
بندہ ہوں میں نفسِ نافرجام کا

زیر ہوتا ہی نہیں نفسِ شریر
دست گیری کر میری اے دستگیر

تھک چکا اصلاح سے میں ناتواں
کاہ سے کیا ہٹ سکے کوہِ گراں

میری ہر کوشش ہوئی ناکامیاب
دے چکی ہے میری اب ہمت جواب

حال ابتر ہے دلِ برباد کا
ہاں مدد کر وقت ہے امداد کا

غلبہ دے دے نفس اور شیطان پر
آبنی ہے اب تو بس ایمان پر

سن مرے مولا مری فریاد کو
آمرے مالک میری امداد کو

اب تو ہوجائے کرم مجھ پر شتاب
اس سے بھی اب حال کیا ہوگا خراب

سخت طغیانی پہ ہے بحرِ ذنوب
اے خبر کشتی مری جائے نہ ڈوب

بے ترے دل کیا ہے بس اک خول ہے
جلد آ، یہ ناؤ ڈانوا ڈول ہے

یاس نے بس اب تو ہمت توڑ دی — اب تو یہ کشتی تجھی پہ چھوڑ دی
لاکھ ٹوٹی ناؤ ہے منجدھار میں — ناخدا تو ہے تو بیڑا پار ہے
غرق بحرِ معصیت ہوں سربسر — رحم کر مجھ پر الٰہی رحم کر!
تا بکے بھٹکا پھروں میں اے خدا — اب تو دِکھلا دے مجھے راہِ ھُدیٰ
تو جو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید — فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید
قلب سے دھو دے مرے ہر گندگی — ہو عطا پاکیزہ اب تو زندگی!
روک لایعنی سے اب میری زباں — ذکر میں تیرے رہوں رطب اللساں
چھوڑ دوں میں اب سخن آرائیاں — اب کروں دِل کی چمن آرائیاں
اب نہ ناجنسوں سے میں یاری کروں — تیرے پاس آنے کی تیاری کروں
دل میں تیری یاد لب پہ نام ہو — عمر بھر اب تو یہی بس کام ہو
مجھ گدا کو بھی بحقِ شاہِ دین — بخش یارب دولتِ صدقِ یقیں
بہرِ فیضِ شیرِ مَردِ تھانویؒ — کر مرے ایمان کو یارب قوی
تجھ پہ روشن ہیں مرے سارے عیوب — جانتا ہے تو میری حالت کو خوب
گو ترے آگے ذلیل و خوار ہوں — حشر میں رسوا نہ اے ستار ہوں
عبد ہوں ہیں بخشش عبدیت مجھے — وجہ صد عزت ہے یہ ذلت مجھے
ہوں تو میں مجذوب لیکن نام کا! — کر مجھے مجذوب یارب کام کا
یاد میں رکھ اپنی مستغرق مجھے — ہو نہ ہوش ماسوا مطلق مجھے
دِل میرا ہو جائے اک میدانِ ہُو — تو ہی تو ہو، تو ہی تو ہو، تو ہی تو!

اور مرے تن میں بجائے آب و گل — دردِ دل ہو، دردِ دل ہو، دردِ دل

غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر — تو ہی تو آئے نظر دیکھوں جدھر

کچھ نہ سوجھے تیری ہستی کے سوا — تیرے اَوج اور اپنی پستی کے سوا

تجھ سے دم بھر بھی مجھے غفلت نہ ہو — تیرے ذکر و فکر سے فرصت نہ ہو

آخری عرضِ گدا ہے شاہ سے — تا دمِ آخر نہ بھٹکوں راہ سے

بحقِ سیّدِ خیر البشر — خاتمہ کر دے مرا ایمان پر

جس گھڑی نکلے بدن سے میری جاں — کلمۂ توحید ہو وردِ زباں !

سینکڑوں کو تو کرے گا جنّتی
ایک یہ نا اہل بھی اُن میں سہی

آمِین ثُمَّ آمِین یَا رَبَّ الْعَالَمِین بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِین
وَشَفِیعِ الْمُذْنِبِین صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَتْبَاعِهِ اَجْمَعِین
اِلٰی یَوْمِ الدِّین

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت

مکاتیب

مجذوب و جمیل

منظوم

از مخدومی و محترمی جناب خواجہ عزیز الحسن مجذوب نور اللہ مرقدہ

بنام

عالم باعمل حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب

مدظلہ العالی

مکتوباتِ اوّل از جمیل

خواجہ صاحب رئیسِ اہلِ سلوک　　دین کی مملکت میں رشکِ ملوک
پیش ہے یہ ہدیۂ اسلام　　السلام علیکم اے علّام
مدّتیں ہو گئیں زیارت کو　　ایک عرصہ ہوا عنایت کو
آپ جب گاہ گاہ آتے تھے　　ملنے والے سکون پاتے تھے
نہیں معلوم اب ہوا کیا ہے　　نہ یہ مجلس نہ بر سر راہ ہے
اب وہ پہلا سا التفات نہیں　　بلکہ پہلی سی کوئی بات نہیں
مل کے کچھ دل گفتگو ہوتی　　اور بس ایک آرزو ہوتی
کچھ جو جاتی بھڑاس دل کی نکل　　تو طبیعت بھی اپنی جاتی سنبھل
الاماں سے ناامیدیوں کا ہجوم　　اور اسباب سر بسر معدوم
اس طرف زندگی حباب کی مثل　　اُس طرف آرزو سراب کی مثل
دل میں رہتا ہے کیسا پیچ و تاب　　کیا کہوں کس قدر ہے حال خراب
قلب کی بے کلی کو کس سے کہوں　　آپ کی بے رُخی کو کس سے کہوں
سامنے آتے ہیں جو ماضی و حال　　نظر آتا ہے خطرۂ استقبال
فکر رہتی ہے رات دن دل کو　　حل کرے کون میری مشکل کو
ہائے ایسا بھی ہے کوئی محروم　　ہوں سب اسباب اور کالمعدوم
لوگ آئے اور آتے رہتے ہیں　　اپنا مقسوم پاتے رہتے ہیں
جو تہی دستِ میکدہ آیا　　اُس نے آتے ہی جامِ مے پایا
مجھ سا شاید ہی کوئی آتا ہو　　خالی آتا ہو خالی جاتا ہو
مَیں تو کم بخت بے نصیب رہا　　اور ہر اک وہاں قریب رہا
اور سب مکرم و مخدوم　　ایک مَیں ہوں کہ رہ گیا محروم
ہوں میں محروم اور پھر مشتاق　　مجھ کو تھانہ بھون ہے جانا شاق
لوگ آتے ہیں ہوتے ہیں سیراب　　اور میں ہوں کہ تشنہ بر لبِ آب

یوں اگر دیکھو میری نسبت کو — پاؤ ہر طرح سے قرابت کو
اور جو پوچھو مناسبت کا حال — تو ملے گا یہاں پر اس کا کال
سوچتا ہوں جو دل میں کر کے غور — نہیں پاتا ہوں اپنے جیسا اور
کوئی فاسق ہو کوئی فاجر ہو — کوئی مشرک ہو، کوئی کافر ہو
کچھ نہ کچھ اس میں بھی تو ہے جوہر — ہے نکما اگر تو یہ احقر
نہ تلاوت نہ ہے رکوع و سجود — ننگِ عالم ہوا ہے میرا وجود
راہ سے قلب ایسا بھٹکا ہے — مجھ کو ایمان تک کا کھٹکا ہے
نہ تو دنیا کا جزو کارآمد — اور نہ کچھ دین میں لائقِ ابجد
میری ہستی ہے نیستی سے فزوں — پھر بھی خوش ہوں کہ میں بھی تو کچھ ہوں
دل میں ہر وقت اضطراب سا ہے — ایک الجھن ہے پیچ و تاب سا ہے
کہوں کس سے یہ ماجرائے دل — کہوں کس سے جو پیش ہے مشکل
ایک لے دے کے تھا مشیر ملا — اس سے ہی خالقِ قدیر ملا
کاش کچھ اس کو رحم آجائے — سن کے سب حال راہ بتلائے
ورنہ پھر میں ہوں اور رنج و ملال — تا بہ کنجِ لحد رہے گا یہ حال
دل پہ بنتی ہے بے طرح جس دم — اور محرومیوں سے ہوں پُرغم
دیکھ پاؤں کسی کو پھر مسرور — کامیابی پہ شاد اور مغرور
بس چھری سی جگر پہ چلتی ہے — رنج سے جان سی نکلتی ہے
جی میں آتا ہے خودکشی کر لوں — ہند سے یا کہیں چلا جاؤں
پھر کسی غار میں رہوں جا کر — نہ ملے پھر کسی کو میری خبر
زندگی زندہ دل کی ہوتی ہے — ورنہ اک بے کلی سی ہوتی ہے
جانور کی سی زندگی معیوب — ایسے جینے سے ہے نہ جینا خوب
خون کے آنسوؤں سے روتا ہوں — ہائے یوں زندگی کو کھوتا ہوں

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

جوابِ اَز مجذُوب

اَلسّلام علیکم اُے مخدُوم
پہنچا پُرسوز نامۂ منظُوم
فرصتِ فکرِ شعر ہے معدُوم
مختصر سی یہ عرض ہے مرقوم

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

آرزُو بے عمل ہے لا حاصل
اِس تمنّا کا مَیں نہیں قائل
طلب اُس کو سمجھنا ہے باطِل
کیا میں سمجھاؤں تم ہو خود عاقل

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

اُس کو شکوہ کسی سے ہے بیکار
اپنے ہاتھوں جو لے کلہاڑی مار
اُسکی اِصلاح سخت ہے دشوار
نفس پر جو ذرا نہ ڈالے بار

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

تم کو برداشت جور کچھ بھی نہیں
کرتے تم غور بھائی کچھ بھی نہیں
عاشقی کا یہ طور کچھ بھی نہیں
شاعری ہے بس اور کچھ بھی نہیں

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

کیا قدر اسکی کوئی پیر کرے
جو ہر اک بات پر نکیر کرے
مشورہ دے کے کیا مشیر کرے
پیر ہی جب نہ مستشیر کرے

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

غائبانہ مُشیر حاضر ہے — گو ملاقات سے وہ قاصر ہے
نفس لیکن تمہارا شاطر ہے — خط کا لکھنا بھی بار خاطر ہے

کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

فیضِ پیرِ مغاں ہے سب کو عام — ہو بشرطیکہ دل سے کوئی غلام
جو ہے محروم خود کو دے الزام — کہ وہ بیشک ہے آپ طالبِ خام

کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

درِ میخانہ وا ہے سب کے لئے — بابِ رحمت کھُلا ہے سب کیلئے
خوانِ نعمت بچھا ہے سب کے لئے — شرط لیکن وفا ہے سب کے لئے

کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

خودکشی کے لئے تو ہو تیار — نفس کا مارنا ہے کیوں دشوار
پیر کے اطباع میں بھی ہے عار — تف بریں خودسری واستکبار

کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

تم کرو عذر پیش بھائی ہزار — لاکھ لکھ لکھ کے بھیجو تم اشعار
چاہے جتنے ہو مجھ سے تم بیزار — میں کہوں گا مگر یہی ہر بار

کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

پیشِ رہبر ذلیل ہو جاؤ — متبعِ بے دلیل ہو جاؤ
پھر تو سچ مچ جمیل ہو جاؤ — یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

کار کن بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

مکتوبِ دوم از جمیلؔ

بعد از سلام مسنون یہ حال ہمارا — اللہ کے کرم کا بس اب تو ہے سہارا
یورش سے حسرتوں کی ہے قلب پارہ پارہ — اور ضبط و صبر کی ہے طاقت نہ کوئی چارہ

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

ناصح ہو کیا نصیحت جب اتنی بے کلی ہو — دنیائے دل میں ہر دم ہلچل ہو کھلبلی ہو
کیا لطف زندگی کا جب آس سے بیدلی ہو — بس ختم زندگی ہو یا روح منجلی ہو

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

اے کامیاب مقصد خود غرضیاں نہیں ٹھیک — خود سیر ہو کے یہ بے پروائیاں نہیں ٹھیک
یہ طرز سر گروہ عرفانیاں نہیں ٹھیک — محروم فضل کی دل آزاریاں نہیں ٹھیک

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

ایثار کیا یہی ہے پی پی گئے اکیلے — اور منہ سے یہ نکلا اک جام تو بھی لے لے
خود تو منائیں فرطِ فرحت سے روز میلے — اور دوسروں کو کہہ دیں جس پر پڑے وہ جھیلے

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

اے چارہ گر نصیحت بازم مگو کہ من ہم — دل دارم و جگر ہم نازک ز رنج پیہم
گر غمگساریٔ من خواہی رہانم از غم — چوں دعوئے محبت گر ایں چنیں بمانم

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

تا کہ جفائے لومت روزے مگر چنیں کن — تسکین و تسلیہ را وقتے بدل قریں کن
آں کردی سالہا سال ہم گاہ گاہ ایں کن — اے خواجہ باز روزے دلدار فاخریں کن

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

جوابِ از مجذوب

السلام علیکم اے بھائی — کی عبث پھر یہ خامہ فرسائی
کام آئے گی اور نہ کام آئی — شاعری و عبارت آرائی
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

کامیابی تو کام سے ہوگی — نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی — ذکر کے التزام سے ہوگی
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

اَیرُوں غیروں کو تم سناتے ہو — شیخ سے حال دل چھپاتے ہو
راہ پر کیوں نہیں آتے ہو — عمر کیوں مفت میں گنواتے ہو
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

نفس کو اپنے پائمال کرو — ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو
شیخ سے کھل کر عرض حال کرو — امر کا اس سے امتثال کرو
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

سچ تو یہ ہے طلب جو کامل ہو — ملتفت جو نہیں وہ مائل ہو
چاہتے ہو جو تم وہ حاصل ہو — رازداروں میں تم بھی داخل ہو
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

رات دن اس سے ہمکناری ہے   چشمۂ فیض جس سے جاری ہے
تم پہ خاص فضلِ باری ہے   نہ پیو کو تہی تمہاری ہے
کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

العطش العطش ہے برلب آب   اور زباں پہ ہے شکوۂ احباب
حبٔ کہ بیٹھے رہو بنے نواب   کیسے ہو جاؤ بے پیئے سیراب
کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

نہ تو ہاتھ اپنا خود بڑھاتے ہو   نہ بُلانے سے پاس آتے ہو
کھانے والوں پہ خار کھاتے ہو   دُور بیٹھے نظر لگاتے ہو
کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

گڑگڑا کر جو مانگتا ہے جام   اس کو دیتا ہے ساقیٔ گُلفام
ناز نخرے کرے جو مے آشام   رکھا جاتا ہے اُس کو تشنہ کام
کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

ذکر منزل ہی بس ہے شام و پگاہ   یا کبھی بیٹھے بیٹھے کھینچ لی آہ
یہ تمہاری طلب بھی خُوب ہے واہ   بے چلے بھی ہوئی ہے طے کوئی راہ
کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

چھوڑ کر یہ فضول قیل و قال   چھوڑ کر یہ فضول بحث و جدال
چھوڑ کر یہ فضول وہم و خیال   کرو اعمال ہاں کرو اعمال
کار کن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

نہیں اچھا یہ وقت کا کھونا   سر پکڑ کر پڑے نہ پھر رونا
نیند غفلت کی اس طرح سونا   کانٹے رستے میں اپنے ہے بونا
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

چرخ گردوں ہے گرم جولانی   ہے یہاں فرصت عمل آنی
وقت فانی ہے زندگی فانی   دیر کرنا ہے سخت نادانی
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

ابر رحمت ہے ظلِ پیرِ مُغاں   رہے قائم یہ ذات پیرِ مُغاں
چاہیئے تم کو بھائی قدرِ زماں   پھر یہ موقع کہاں یہ وقت کہاں
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

ظلِ ساقی ہے فیض بار ابھی   پاتے ہیں جام بادہ خوار ابھی
دُور کر سکتے ہو خمار ابھی   کہ زمانہ ہے سازگار ابھی
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

فیض پیرِ مغاں ہے عام ہنوز   ہے بدستور دَورِ جام ہنوز
تم جو ہو پھر بھی تشنہ کام ہنوز   یہ تمہاری طلب ہے خام ہنوز
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

رات دن تو ہے گردشِ دوراں   کیا رہے گی یہ فصل گُل یکساں
تا بکے آئے گا نہ دَورِ خزاں   پھول چُن لو کہ پھر بہار کہاں
کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

کشکول مجذوب

عُمر یونہی گذار دی ساری   کی نہ کچھ آخرت کی تیّاری
خوابِ غفلت بلا کا ہے طاری   اُٹھو اُٹھو ہے وقت بیداری

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

ذِکر اور فکر میں رہو ہر آن   رات دن بس یہی دُھن یہی کام
طاعت و ذکرِ حق میں نکلے جان   سچے مومن کی بس یہی ہے شان

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

ہر نفس گھٹ رہی ہے عمرِ رواں   چاہیئے قدرِ وقت و قدرِ زماں
جسم فانی نہ ہے جب نکل گئی جاں   پھر یہ دار العمل ملے گا کہاں

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

جس کو سمجھے ہو تم دل آزاری   درحقیقت وہی ہے دلداری
ہو نصیحت سے جس کو بیزاری   وہ طلب سے ہے سر بسر عاری

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

خُوب جب تم کو بے کلی ہوگی   خُوب جب دل میں کھلبلی ہوگی
خُوب جب نفس سے جلی ہوگی   جب کہیں رُوح منجلی ہوگی

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

قلب جب اور پارہ پارہ ہو   خُوب جب نفس یہ تمہارا ہو
راز کھلنا بھی جب گوارا ہو   نُور جب دل میں آشکارا ہو

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

مار واژدر ہیں نفس اور شیطاں　　دفع کرنا ہے ان کا کیا آساں
صرف باتوں سے پاؤ گے نہ میاں　　دولت باطنی کا گنج نہاں

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

کام دے گی نہ محفل آرائی　　چھوڑو سب دوستوں کو اے بھائی
یاد دلبر ہو اور تنہائی　　گریہ وزاری و جبیں سائی

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

رکھو دُنیا میں دین سے بس کام　　ورنہ سمجھو بس اپنا کام تمام
یہ ہے دار العمل نہ جائے کلام　　چپکے چپکے چڑھائے جاؤ جام

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

ہوئے سمجھاتے تم کو کتنے برس　　پھر بھی لیکن ہوئے نہ ٹس سے مَس
بے عمل یہ طلب ہوس ہے ہوس　　بر رسولاں بلاغ باشد و بس

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

اب تو اصلاح اپنی کر ڈالو　　نفس کو اپنے اب تو سمجھا لو
صاف کہتا ہوں اب میں اچھا لو　　نہیں سُنتے تو اپنا رستہ لو

کارکن کار بگذر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

اِسلامی سہرا

بتقریب شادی

عزیزی مولانا قاری مولوی حافظ قاضی سید **شمس الحسن تھانوی** صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

با دخترِ نیک اختر مکرمی مشفقی عالیجناب مولانا مولوی شبیر علی تھانوی صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

بمقام تھانہ بھون مورخہ ۲ شعبان ۱۳۵۴ھ و یکم نومبر ۱۹۳۵ء یوم جمعہ

اشعار متعلقہ حسن معنوی

تجھے ہرگز نہیں درکار اے شمس الحسن سہرا
تجھے ہے خود ترا فضل و ہنر اور علم و فن سہرا

یہ وہ سہرا نہیں جو بعد شادی کے اُتر جائے
رہے گا پاس تا عمر مثلِ جان و تن سہرا

وہ ہے تو مخزنِ حسن و جمالِ ظاہر و باطن
کہ ہے اے نور کے پتلے ترا ہر موئے تن سہرا

اُدھر ہے جامۂ تقویٰ ترا ملبوس شاہانہ
ادھر ہے تیرا پاسِ مستحبات و سنن سہرا

یہ اک انوارِ عرفاں کا ہے سہرا تیری پیشانی
دلوں پر دیکھنے والوں کے ہے یہ ضوفگن سہرا

فضیلت کا عمامہ تجھ سے کرتا ہے یہ سرگوشی
کہ میں ہوں تاج سر میں ہوں ترا اے جانِ من سہرا

کلام اللہ جب پڑھتا ہے منہ سے پھول جھڑتے ہیں
خوش الحانی کا ترے سر پہ ہے اے شیریں دہن سہرا

جھلکتا ہے ترے خطِ سیہ سے نورِ ایمانی
تجھے گویا ہے خود تیری یہ ریشِ ضوفگن سہرا

تجھے اے پاک باطن ظاہری سہرے کی کیا حاجت
تجھے ہے تیری خو تیری روش تیرا چلن سہرا

تری نیچی نگاہیں کیا ہیں یہ سہرے کی لڑیاں ہیں
مجھے تو زیب دیتا ہے یہی اے جانِ من سہرا

یہ زیرِ لب تبسم کی کوئی گلریزیاں دیکھے
لبِ خاموش بھی تیرا ہے اے غنچہ دہن سہرا

دکھاتی ہے غضب کا بانکپن یہ سادگی تیری
بھلا کوئی دکھا سکتا تھا ایسا بانکپن سہرا

برت سکتا ہے رسمِ کفر کیونکر مولوی ہو کر
مرا نوشاہ کیوں باندھے ترا اے برہمن سہرا
یہ کیا سہرا ہے سہرا دہ سراپا دیں ہے آپ اپنا
کہاں سرو سمن سہرا کہاں دار و رسن سہرا
رسوم شرک و بدعت کیوں ہو دولہا تیری شادی میں
نہیں دُنیا پرستوں کا سا تیرا پُرفتن سہرا
خلافِ شرع کوئی بات اس شادی میں کہیں ہوتی
تیرا ہے مولوی سہرا دلہن کا مولون سہرا
تیرا جامہ شاہانہ تیری صُورت بھی شاہانہ
تیرا سہرا بھی مردانہ کہ ہے یہ بُت شکن سہرا
تیرا اے سیّدِ عالی نسب وصف سہرا ہے
مگر ہے سب سے بڑھ کر انتسابِ پنجتن سہرا
مُبارک ہو تجھے نوشاہ سہرا علم و تقوے کا
سرِ مجذوبِ دیوانہ کو ہے دیوانہ پن سہرا

اشعار متعلقہ حسن ظاہری

تجھے ہرگز نہیں درکار اے رشکِ چمن سہرا
کہ تو وہ گُل بدن ہے جس کا ہے سارا بدن سہرا
تیرے روئے درخشاں کی شعاعیں تارِ زریں ہیں
تجھے تیرا رُخ روشن ہے خود اے سیم تن سہرا
یہ اُف تیری جوانی یہ رُخ رنگیں کی شادابی
غضب کا ہے یہ تیرے پاس رشکِ صد چمن سہرا
یہ رخسارِ گلابی ہائے کیا جوبن برستا ہے
دکھا سکتا تھا پھولوں کا بھلا ایسی پھبن سہرا
سمایا جاتا ہے دل میں کھُبا جاتا ہے نظروں میں
یہ لطف آتا کہاں رُخ پر جو ہوتا جانِ من سہرا

بہت اچھا کیا سہرا نہ باندھا تو نے اَے نوشہ
تیرے اس چاند سے مکھڑے کو ہو جاتا گہن سہرا

کوئی سہرا نہیں ہے پھر بھی ڈھکا بیٹھا ہے سہرے سے
کہ شمس حسن تو ہے تیری ہے ہر ہر کرن سہرا

کوئی دیکھے تو تیرے جامۂ شاہی کے گُل بُوٹے
سراپا تُو بنا بیٹھا ہے اَے گُل پیرہن سہرا

ہر اک جانب سے ہے اک بارشِ تارِ نظر تجھ پر
تیرے سر باندھتی ہے انجمن کی انجمن سہرا

سجے بیٹھے ہیں دونوں پھر ضرورت کیا ہے سہرے کی
دُلہن کو خود ہے دُولہا اور دُولہا کو دُلہن سہرا

اُدھر رُخ پر دُلہن کے ڈالے بیٹھی ہے حیا گھونگھٹ
اُدھر دولہا کے سر پہ باندھتا ہے بانکپن سہرا

کہا سب عورتوں نے دیکھ کر موباف زرّیں کو
دُلہن کے سر پہ ہے آج اسکی زلفِ پُرشکن سہرا

ادھر گویا ہے سر پر دشت کے سر اگولے کا
ادھر دریا کے پھاٹ اور موج ہیں گویا لگن سہرا

خوشی پھیلی ہے کیسی رچ رہی ہیں شادیاں تیری
سبھی باندھے ہوئے ہیں زشتِ در باغ بن سہرا

ادھر گویا گلستاں کا ہے سہرا سنبل پیچاں
ادھر دیکھو تو غارستان کا بھی ہے ناگ پھن سہرا

براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو اسکو کہتے ہیں
کہ اپنے خوش نما سینگوں کو سمجھا ہے ہرن سہرا

خوشی ہے ہر کہ و مہ کو خوش ہو ہو کے گاتے ہیں
ادھر تو بلبل و قمری ادھر زاغ و زغن سہرا

چراغاں ہو رہا ہے عالم بالا میں تاروں کا
لئے ہے کہکشاں کا طشت میں چرخ کہن سہرا

تری شادی میں بھی ہے محفلِ رقص و سرود اے گُل
کہ رقصاں ہے صبا گاتے ہیں مُرغانِ چمن سہرا

بجائے باغباں تیرے لئے تیار کرنا ہے
مرا حُسنِ نظر حُسنِ تخیل حُسنِ ظن سہرا

مرا سہرا یہ کیا ہے گلزارِ معانی ہے
بنا تو لائے کوئی ایسا گُل چینِ چمن سہرا

نئے انداز کا سہرا کہا میں نے یہ اسلامی
خلافِ شرع کیوں کہتا باندازِ کہن سہرا

بفیضِ مولویِ معنویِ تھانوی میں نے
بحمداللہ کہا ہے درخورِ تھانہ بھون سہرا

ابھی تک سب سے تھے ممتاز سہرے ذوق و غالب کے
مگر آج اُن پہ بھی مجذوبؔ کا ہے خندہ زن سہرا

کہوں کیا تجھ سے اے نوشاہ قیمت اپنے سہرے کی
خزانہ بخش دیں سُن لیں جو یہ شاہِ دکن سہرا

یہ سہرا کیا لکھا اک روح تازہ پھونک دی سب میں
ہر اک پیر و جواں گاتا ہے ہو ہو کر مگن سہرا

جو ہیں افسردہ دل آجائیں تری بزمِ شادی میں
مٹا دے گا یہ سب اُن کے غم و رنج و مِحَن سہرا

یہ پیدا کر رہا ہے جامعِ اضداد ہو ہو کر
محبت کے دل میں ٹھنڈک دل میں دشمن کے جلن سہرا

صدی بھی چودھویں اور چودھویں کا چاند ہے تو بھی
اُدھر اِس صدی کا ہے شہِ تھانہ بھون سہرا

صدی بتلا چکا اب شعر بھی سارے اگر گن لے
تو پھر تجھ کو بتادے یہ تیری شادیؔ کا سن سہرا

ع یعنی ۱۳۵۴ھ نیز حُسنِ اتفاق سے اشعار متعلقہ حسنِ معنوی ۱۹ ہیں جو عیسوی سن کا سینکڑہ ظاہر کرتے ہیں اور اشعار متعلقہ حُسنِ ظاہری ۳۵ ہیں جو اس سن کی دہائی ظاہر کرتے ہیں اس طرح مجموعہ ۱۹۳۵ء ہوگا

محبت قلب میں دولہا دلہن دونوں کے پیدا ہو
بجائیں قیس و لیلیٰ دف تو گائیں نل دمن سہرا
وہ یوم کامرانی ہے کہ ہوتا آج اگر تو بھی
بجائے تیشہ تیرے سر پہ ہوتا کوہ کن سہرا
محبت اس قدر ہو جائے تجھ سے تیرے دولہا کو
کہ لیلیٰ باندھنے آئے ترے سر اے دلہن سہرا
رہیں دولہا دلہن خوش اور سارے اُنکے گھر والے
مبارک ہو یہ سب کو اے خدائے ذو المنن سہرا
کہا ہے واہ کیا سہرا تیرے مجذوب کیا کہنے
تیرے سر ہے سخن گوئی کا اے شیریں سخن سہرا

بارك الله لك وبارك الله عليك وجمع بينكما في خير
آمين يا رب العالمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله
عليه وعلى آله وصحبه اجمعين

مبارکبادی مظہر تاریخ شادی

نوٹ: ان اشعار میں دو مطلع ہیں جو تاریخ شادی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ تاریخ شادی بھی ۲ شعبان ہے

اے نوشہ تجھے شادی مبارک ہو مبارک ہو
یہ قیدِ غم سے آزادی مبارک ہو مبارک ہو

بہت ارماں تھے ہی شادی مبارک ہو مبارک ہو
یہ دل اور گھر کی آبادی مبارک ہو مبارک ہو

غم دوری نے ڈورے بیچ میں ڈالے بہت لیکن
بالآخر ہو گئی شادی مبارک ہو مبارک ہو

بہت ڈپلے رہا پیرِ فلک لیکن بعون اللہ
چلی اُسکی نہ اُٹھ شادی مبارک ہو مبارک ہو

ازل سے جو تری قسمت میں لکھی تھی وہ خالق نے
امانت تیری دلوا دی مبارک ہو مبارک ہو

جو ماں بھی خسر بھی باپ بھی مشفق بھی محسن بھی
تجھے ایسے کی دامادی مبارک ہو مبارک ہو

دلہن لائی ہے کتنا ساز و ساماں شکر کر نوشہ
ترے گھر آئی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو

وہ جب ڈولے سے اُتری گھر کا گھر جگمگا اُٹھا
تری تقدیر چمکا دی مبارک ہو مبارک ہو

وہ جب اُتری تو گھر میں حق نے کر دیں برکتیں نازل
گھٹا رحمت کی برسا دی مبارک ہو مبارک ہو

دلہن ایسی ملی ہے جس کی صورت اور سیرت پر
پری کیا حور شرما دی مبارک ہو مبارک ہو

بہت موزوں رشتہ ہے وہ حور اور تو فرشتہ ہے
رچی کیا جوڑ کی شادی مبارک ہو مبارک ہو

ہوا بھی جس حیا والی کی پانا غیر ممکن تھا
وہ حق نے گھر میں پہنچا دی مبارک ہو مبارک ہو

جو سو پردوں میں پنہاں تھی ترستی تھیں جسے آنکھیں
وہ صورت حق نے دکھلا دی مبارک ہو مبارک ہو

تصور میں جو تیرے نہ آتی تھی وہ خالق نے
ترے پہلو میں بٹھلا دی مبارک ہو مبارک ہو

بنی وہ مونس و ہمدم غلط تیرے کئے سب غم
طبیعت تیری بہلا دی مبارک ہو مبارک ہو

ترے پاس آئی ہے نوشہ وہ بنکر رات کی رانی
حویلی تیری مہکا دی مبارک ہو مبارک ہو

ہوا کیا عقد باہم اُٹھ گئیں قیدیں ہی اب ساری
یہ پابندی میں آزادی مبارک ہو مبارک ہو

مرغن کھا کے کھانے کہہ رہی ہے یک زباں ہو کر
سب اس قصبہ کی آبادی مبارک ہو مبارک ہو

مکرم تھیں بنیں گی اب معظم تیری ساس اور ماں
بنیں گی نانی اور دادی مبارک ہو مبارک ہو

خدا وہ دن کرے اولاد سے بھر جائے گھر تیرا
تجھے یہ خانہ آبادی مبارک ہو مبارک ہو

ہمیشہ بزمِ عشرت ہی رہے بزمِ جہاں تجھ کو — تجھے یہ محفلِ شادی مبارک ہو مبارک ہو
تری قسمت سے مجذوبِ بھی جذبے میں آج ایسا — کہ محفل اس نے گرمادی مبارک ہو مبارک ہو

بارک اللہ لک اللہ علیک وجمع بینکما فی خیر
آمین یا رب العٰلمین بحرمۃ سید
المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

شکریہ مٹھائی

سینی بھری جو گھر مرے بھیجی امرتیاں — اتنی خوشی ہوئی کہ کروں اس کا کیا بیاں
میرے حقیر سہرے کی یہ قدردانیاں — کہتا ہوا میں پھرتا ہوں گھر گھر یہاں وہاں
مجھ کو صلے میں سونے کے کنگن عطا ہوئے — اور ایک دو نہیں کئی درجن عطا ہوئے

شکریۂ ناشتہ

دلہن کے در پہ سہرا میں نے اس انداز سے گایا — کہ فوراً مجھ کو پُرتکلف ناشتہ آیا
مزے لے لے کے کھاتا ہوں دعائیں دیتا جاتا ہوں — خدا کا شکر ہے محنت کا ثمرہ میں نے بھر پایا

شکریۂ مجمر بمعنی انگیٹھی ۱۴

انگیٹھی تم نے انگاروں بھری کیوں ہائے بھجوادی — دہکتی آگ سینے کی مرے اُف اور بھڑکا دی
کیا تھا کم بڑی مشکل سے جوشِ اشعار پڑھنے کا — میں ٹھنڈا پڑ گیا تھا پھر طبیعت میری گرما دی

شکریہ تنبول بمعنی پان

یہ چاندی کا ورق لپٹا ہوا مجھ کو جو پان آیا / تو گویا پاس اس بڈھے کے بن ٹھن کر جوان آیا
دیا دستِ حنائی سے جو تجھ نے تو میں سمجھا / کہ مجھ کو نقرئی پان اور زریں پان دان آیا

تعریف مولانا سید نجم الحسن تھانوی

کچھ اس انداز سے گاتا ہے تو نجم الحسن سہرا / کہ گانے لگتا ہے سن کر مرا ہر موئے تن سہرا

تعریف پیالی چائے

پیالی چائے کی اُف اُف یہ کیسی حسین دیکھو / حسیں ہیں اور پھر اُس پر ہیں کیسی نازنیں دیکھو
بہت مجذوب کی ہیں جاذبِ حسن و جمال آنکھیں / نہ رکھ لے جائے آنکھوں ہی انکو کہیں دیکھو

غیر مکمل

کیسے کیسے رنج اٹھائے تب کہیں تر لقمے ہاتھ آئے / ایسا کھانا چولہے میں جائے ہم اسے کھائیں وہ ہمیں کھائے
پیٹ میں روٹی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موٹر ہو کہ چھکڑا

رنج میں عیش کہاں ہے بھائی غم کی گھٹا دل پر ہے چھائی / انڈا کھایا مرغی کھائی وہ بھی نہ بھایا یہ بھی نہ بھائی
پیٹ میں روٹی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موٹر ہو کہ چھکڑا

روکھی سوکھی موٹی جھوٹی جیسی ہو بے فکری کی روٹی / حرص نہ ہو نیت نہ ہو کھوٹی ہو نہ پھر شوربا بوٹی
پیٹ میں روٹی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موٹر ہو کہ چھکڑا

خوش ہو لیسی دنیا پاکر جس کو کمایا دین گنوا کر / پچھتائے گا پھر قبر میں جا کر خوفِ خدا کر خوفِ خدا کر
پیٹ میں روٹی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موٹر ہو کہ چھکڑا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فغانِ بیوہ

بیادگار

خان صاحب خواجہ عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم

دیوان ریاست سیکس

نتیجہ فکر محزوں

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ بی اے اسسٹنٹ انسپکٹر

سررشتہ تعلیم برادر خورد خواجہ صاحب مرحوم ۔ بہ تقریب عقد نکاح

حافظ فیض الحسن سلّمہٗ پسر مجذوبؔ با صبیہ خواجہ صاحب مرحوم

فغانِ بیوہ بہ یادِ شوہر ۔ بوقت تقریب عقد دُختر

جو اس کو سُن لے وہی ہو مضطر کسی کا کتنا ہی دل ہو پتھر

اس قدر کیوں آج خوش تو اے دلِ ناشاد ہے   لب پہ کیوں نغمہ بجائے نالۂ و فریاد ہے
دائمی قیدی بھی غم کا آج کیوں آزاد ہے   آج اسیرِ دام پر کیوں مہرباں صیاد ہے
باز کیوں بیداد سے چرخِ ستم ایجاد ہے

آج مجھ بیوہ کا گھر اُجڑا ہوا آباد ہے   شادیٔ دختر رچی ہے جس کو دیکھو شاد ہے
نت نئے ہی رنگ پر یہ گلشنِ ایجاد ہے   قادرِ مطلق بھی ۔ سچ ہے ۔ جامعِ اضداد ہے
تھا جہاں ماتم وہیں شورِ مبارک باد ہے

لاڈلی بیٹی مری پیارا مرا داماد ہے   اُس سے بھی آنکھیں ہیں روشن اس سے بھی دل شاد ہے
گلشنِ بے باغباں میں سرو ہے شمشاد ہے   آج کے دن شاد یہ بھی بلبلِ ناشاد ہے
کچھ خزاں کا غم نہ کچھ اندیشۂ صیاد ہے

کس کی یاد آئی کہ دم میں لطف سب برباد ہے   پھر وہی نالے ہیں دل کے پھر وہی فریاد ہے
یہ نہیں رونے کا دن ۔ ناصح بجا ارشاد ہے   پوچھتی ہوں ۹ بحث کی تو کس کو استعداد ہے
شیشۂ دل آپ کے نزدیک کیا فولاد ہے ۔

بر سرِ کیں رات دن چرخِ ستم ایجاد ہے   ہر طرح کا ظلم ہے ہر قسم کی بیداد ہے
ہائے بے وارث ہے دکھیا خانماں برباد ہے   ہاں یہی وقتِ مدد ہے موقعِ امداد ہے
اے مرے فریاد رس فریاد ہے فریاد ہے ۔

گو مرے گھر شکر ہے آیا ہوا داماد ہے   مجمعِ احباب و اعزہ کا بھی بے تعداد ہے
کچھ تو پوچھو پھر بھی کیوں یہ دل مرا ناشاد ہے   ہائے اس گھر کا مجھے پچھلا زمانہ یاد ہے
لاکھ ہو آباد بے مالک کے کیا آباد ہے

تو تو پہنچا خلد میں جنت میں ہر دم شاد ہے   کچھ خبر ہے تیری دُکھیاری پہ کیا افتاد ہے
اس کے سر سب تیرا گھر کنبہ تری اولاد ہے   بیڑیاں اپنی اُسے سونپی ہیں خود آزاد ہے
کیا یہی اے بے وفا میری وفا کی داد ہے

اور نہ ہے حسرت فزا یہ جشن کا عالم مجھے   محفلِ شادی ہے گویا مجلسِ ماتم مجھے
کوئی بھی موقع ہو کرنا نالۂ پیہم مجھے   کچھ ہو دُہرانے وہی افسانہائے غم مجھے
اب تو ایک یہ ہی سبق دنیا میں مجھ کو یاد ہے

کون اعزہ میں سے ہے آج جو مہماں نہیں   سب ہیں لیکن وہ عزیزِ دل وہ جانِ جاں نہیں

کارواں تو ہے مگر وہ یوسفِ کنعاں نہیں　　کیا کہوں شادی میں بھی کیوں دل مرا شاداں نہیں
فصلِ گل میں ہائے خارِ دل کسی کی یاد ہے۔

غیر ممکن ہے خیالِ دوست جا سکتا نہیں　　نقش یہ وہ ہے جسے کوئی مٹا سکتا نہیں
وہ ہے دل میں جواب اس دنیا میں آ سکتا نہیں　　وہ ہے آنکھوں میں جسے کوئی دکھا سکتا نہیں
اے تصور تو بھی رشکِ مانی و بہزاد ہے۔

اے مرے سرتاج اے میرے عزیزِ بے بدل　　تو رہا راحت رسانی ہی میں میری تا اجل
چین اب لینے نہیں دیتا مجھے کیوں ایک پل　　تیری نیکی تو جہاں میں ہائے تھی ضرب المثل۔
تیری یاد اے مہرباں کیوں اس قدر جلاد ہے۔

بے ترے گھر ہو رہا ہے قبر سے بدتر مجھے　　آنے والوں پر ترا دھوکہ ہوا اکثر مجھے
پھاڑے کھاتا ہے مرا مسکن بھاڑ کر یہ در مجھے　　میں نہیں رہتی یہاں بلوا لے اپنے گھر مجھے
کیا جدا رکھنا ہی دستورِ عدم آباد ہے

داغ تیری موت نے کیا کیا نہ اے دلبر دیئے　　پھول جنت کے دیئے تجھ کو مجھے اخگر دیئے
تجھ کو حوریں مجھ کو گننے کے لیے اختر دیئے　　تیری خاطر دن مرے جینے کے دوبھر کر دیئے
ایک پر ہے مہربانی ایک پر بیداد ہے

کوہ آ بو پر گیا مرنے تو کیا وہ طور تھا　　دور رکھنا مجھ کو دیدِ نزع سے منظور تھا
مرتے مرتے بھی مجھے پاسِ دلِ رنجور تھا　　سچ ہے لیکن دور رکھنا بھی کرم سے دور تھا
تیری مرگِ کوہ مجھ کو تیشۂ فرہاد ہے

شکل بھی کب دیکھنے پائی دمِ رخصت تری　　پھرتی ہے آنکھوں میں ہر دم چاند سی صورت تری
آفتِ جاں ہے ہزاروں رنگ سے فرقت تری　　ہائے وہ سیرت تری خصلت تری عادت تری
تیری اک اک بات سو سو طرح مجھ کو یاد ہے

اے عزیز جان و دل گھر گھر ترا ماتم ہوا　　روتے روتے کون تھا ایسا نہ جو بے دم ہوا
سب کو بے حد غم ہوا بیوہ سے پھر بھی کم ہوا　　کارخانہ ہی سب اس کا درہم و برہم ہوا۔
شاد و آباد اس قدر یا خانماں برباد ہے۔

اک جہاں شیدا تھا اک دنیا تھی متوالی تری　　فرد تھی جود و سخا میں ہمتِ عالی تری

خوشہ چیں سب تھے جھکی ہی رہتی تھی ڈالی تری سب نے دامن بھر لئے مٹھی رہی خالی تری
قرض کا بھی غم نہ تھا جب تجھ کو دیکھا شاد ہے

جو کوئی ناکام پہنچا کام اُس کا کر دیا دامنِ مقصود اِک دنیا کا تو نے بھر دیا
بے زوروں کو زر دیا اور بے گھروں کو گھر دیا دل تجھے اللہ نے بہتر سے بھی بہتر دیا
تو نہیں زندہ مگر زندہ تری امداد ہے

دل ہی کیا شاہانہ۔ صورت بھی تری شاہانہ تھی ہائے شمعِ حُسن تھا تو۔ میں تری پروانہ تھی
محو تھی ایسی کہ ہیں دُنیا میں تھی بھی یا نہ تھی۔ غم کسے کہتے ہیں مجھ کو یہ خبر اصلاً نہ تھی
دل مسرت خانہ تھا یا اب اَلَم آباد ہے

فضل تھا مولیٰ کا تیرے پاس نعمت کیا نہ تھی دین کی دولت بھی وافر تھی۔ فقط دنیا نہ تھی
مرتے دم بھی واہ ری کیا ہمت مردانہ تھی لب پہ تھا نامِ خدا مرنے کی کچھ پرواہ نہ تھی
تیرے غم میں ہم تو کیا ہیں مجمع ناشاد ہے

کیا غضب ہے تو تو مر جائے۔ جیوں میں ہائے ہائے تو رہے جنت میں دنیا میں رہوں میں ہائے ہائے
مرگئی تھی تیرے مرتے ہی نہ کیوں میں ہائے ہائے کس بلا کی سخت جاں بیدرد ہوں میں ہائے ہائے
یہ جگر ہے یا ہے پتھر۔ دل ہے یا فولاد ہے

میرا مالک ہائے میرا حکمراں جاتا رہا وہ زمیں ہوں ہائے جس کا آسمان جاتا رہا
کوئی کیا جاتا رہا لطفِ جہاں جاتا رہا وہ چمن ہوں ہائے جس کا باغباں جاتا رہا
جس جگہ گلزار تھا اب ہائے گرد و باد ہے

ع؎ مرحوم ہمیشہ اپنی شاہ خرچی اور مہمان نوازی کی بدولت باوجود ہزار ہا روپیہ کمانے کے مقروض رہے ۱۲

ع؎ سینکڑوں بے روزگاروں کو ملازمتیں دلوادیں۔ اس کا خاص شوق تھا۔ ۱۲

ع؎ وجاہت مشہور تھی جہاں جاتے تھے سب کی بے اختیار نظریں اُٹھ جاتی تھیں۔

ع؎ نہایت اطمینان سے وصیت کی۔ بالخصوص یہ کہ میری لاش کو سیکر ہرگز ہرگز نہ لیجانا اور سب حاضرین سے کہا کہ سب صاحب گواہ رہیں کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان مرتا ہوں۔ پھر زور سے اور نہایت جوش کے ساتھ کلمہ شریف باوجود نہایت نقاہت کے بار بار پڑھتے رہے

اپنوں بیگانوں میں تھی مشہور خوشحالی مری　　مانگی جاتی تھی دعاؤں میں خوش اقبالی مری
اک ہجومِ خادماں تھا شان تھی عالی مری　　اُٹھ گیا وہ شمع رُو۔ اب بزم ہے خالی مری
اب تو میں ہوں غمکدہ ہے اور دل ناشاد ہے

رہنا سہنا میرا تیرے عہد میں شاہانہ تھا　　اِک دنیا کے لئے گھر میرا لنگر خانہ تھا
میں تو تھی بزمِ طرب کی شمع تو پروانہ تھا　　تیرے مرتے ہی وہ سارا عیش اک افسانہ تھا
کیا خبر تھی ہائے اسکی ریت پر بنیاد ہے

ہائے میری زندگی بھی کیسی آزادانہ تھی　　فکر سے میں بے تعلق رنج سے بیگانہ تھی
تیری نگرانی میں کُل کُنبہ تھا میں تنہا نہ تھی　　بوجھ سب کا تھا تجھی پر مجھ کو کچھ پرواہ نہ تھی
اب تو میں پابندِ غم ہوں اور تو آزاد ہے

ناسمجھ بچوں کو بھی ہے شاق مرجانا ترا　　جب گزرنا پاس ہو کر پیار کر جانا ترا
کوئی جھولوں کو بھی گر دیا تو ڈر جانا ترا　　جب سفر کرنا کہیں باچشمِ تر جانا ترا
کوئی اب پُرساں نہیں بیکس تری اولاد ہے

اپنے بچوں سے محبت کوئی یوں کرتا نہ تھا　　ان کی ضد پر تو بجز ہاں ہاں کے ہوں کرتا نہ تھا
کب مرض میں انکے حال اپنا زبوں کرتا نہ تھا　　موت پر کب ان کی جاری اشک خوں کرتا نہ تھا
یا تو غمخوار اس قدر یا اس قدر آزاد ہے

اپنی بیوی پر بھی کوئی اس قدر مرتا نہ تھا　　ساتھ رکھتا۔ مجھ کو رخصت میرے گھر کرتا نہ تھا
پاس رہنے سے مرا پھر بھی تو جی بھرتا نہ تھا　　دور ایسی کو کیا۔ کیا حق سے تو ڈرتا نہ تھا
مہربانی اسقدر یا اسقدر بیداد ہے

کوہ پر ہے۔ ہو زیارت قبر کی کیونکر مجھے　　روز ہو آیا کروں اے شوق دیدے پر مجھے
اُس طرف لے چل بہا کر تو ہی چشمِ تر مجھے　　کیا خدا کی شان ہے آیا خیال اکثر مجھے
ہائے شیریں کوہ پر خانہ نشیں فرہاد ہے

غم مرا وہ ہے جسے کوئی مٹا سکتا نہیں　　روز افزوں ہے اسے کوئی گھٹا سکتا نہیں
جم گیا دل میں اسے کوئی ہٹا سکتا نہیں　　ایسے روٹھے ہو کوئی جھگڑا ہٹا سکتا نہیں
ہم میں تم میں میل کتنا تھا تمہیں کچھ یاد ہے

وہ تمہاری نرمیاں وہ میری نافرمانیاں / وہ تمہاری چشم پوشی وہ مری نادانیاں
وہ تمھاری درگذر وہ میری بے عنوانیاں / سختیاں اپنے لیے میرے لیے آسانیاں
ورنہ شوہر کوئی بے پرواہ کوئی جلاّد ہے

سونپ رکھا تھا جو تو نے اپنا سارا گھر بار مجھے / سب سمجھتے تھے غضب ہے، تجھ سے بڑھکر مجھے
خادمہ تھی میں مگر کہتے تھے سب افسر مجھے / جو کمایا دیدیا وہ سب کا سب لاکر مجھے
تیرے احسانوں کی کیا گنتی ہے کیا تعداد ہے

دولت و اقبال کی حاصل جسے معراج ہو / بخت و عزت کا میسر جسکو تخت و تاج ہو
ہائے اُسکی یہ بھی حالت یہ بھی نوبت آج ہو / جو تھے خود محتاج اسکے اُن کی وہ محتاج ہو
اے خدا فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے

اے مرے داتا مرے مولا مرے ربِّ قدیر / تو ہے قادر میں ہوں عاجز تو غنی ہے میں فقیر
بادشاہِ دوجہاں تو ہے میں ناچیز و حقیر / پا رہے ہیں پرورش بچے کہ تو ہے دستگیر
ورنہ اس بندی کی کیا ہستی ہے کیا بنیاد ہے

سب تھے بس مطلب کے ساتھی اب جدا اب یار ہیں / مہرباں اب بھی مگر باقی مرے دو چار ہیں
سب سے بڑھکر تو ہیں وہ سیکر کے جو سرکار ہیںع / میری ٹوٹی ناؤ کے اب وہی کھیون ہار ہیں
کیسی کیسی پرورش کیا کیا مری امداد ہے

بھول سکتی میں نہیں احسان اُن کا عمر بھر / گیت گائے گی یہ میری جان اُن کا عمر بھر
کیوں نہ ہو کھاؤں گی بھی میں دان اُنکا عمر بھر / اے خدا جاری رہے فرمان اُن کا عمر بھر
اب اُنھیں کے آسرے یہ خانماں برباد ہے

اور ہیں اک مہرباں جو شہرۂ آفاق ہیں / سر بسر الطاف ہیں سرتا بپا اشفاق ہیں
میری ہر مشکل میں حامی وہ بصد اخلاق ہیں / جمع اُن سے اس دلِ صدچاک کے اوراق ہیں
اُن کی ہمدردی بھی یارب مستحقِ داد ہے

غم سے گو مانا کہ تم آزاد اے مجذوبؔ ہو / جان اگر پیاری ہو تم کو .... دل اگر محبوب ہو
تم کو دنیا میں اگر اب عافیت مطلوب ہو / بس یہیں رہنے دو افسانہ مرا تو خوب ہو

ع دربار سیکر نے بیوہ کا دائمی وظیفہ مقرر کر رکھا ہے۔

ہائے مجھ دُکھیا کے غم کی دُکھ بھری روداد ہے

داستانِ غم کو کرتی ہوں بس اب میں مختصر　　پڑگئی خوشیوں میں کھنڈت رو رہا ہے گھر کا گھر
میرا دُکھڑا تو نہ ہرگز ختم ہوگا عمر بھر　　پھر کہوں گی میں وہی جو کہہ چکی ہوں پیشتر
اُس کی اک اک بات سو سو طرح مجھ کو یاد ہے۔

ہے یہ اے دل امتحاں کا وقت رہ ثابت قدم　　صبر کر حق کی مشیّت پر نہ ہرگز مار دم
سہہ خوشی سے جو بھی پیش آئے تجھے رنج و الم　　یہ نہیں رنج و الم اسکو سمجھ فضل و کرم
شکر کر یہ خارِ غم بھی نشترِ فصّاد ہے

عیشِ دنیا ہیچ ہے دنیائے فانی ہیچ ہے　　ہیچ ہے وہ چیز جو ہو آنی جانی ہیچ ہے
ذکرِ فانی بھی عبث ہے یہ کہانی ہیچ ہے　　جس کا ہو انجام غم وہ شادمانی ہیچ ہے
عیش میں ہے بس وُہی۔ دنیا سے جو آزاد ہے

اے خدا باقی ہے تُو۔ اپنی محبّت دے مجھے　　دیکھ لی فانی ہے دنیا اس سے نفرت دے مجھے
تیرے دَر کی ہو رہوں اب ایسی قسمت دے مجھے　　چھوڑ دوں دنیا کو بالکل ایسی ہمت دے مجھے
دیکھ لی بس دیکھ لی یہ سخت بے بنیاد ہے

تم سے اے مجذوب نوحہ بے محل بے ربط تھا ؞ صبر کی تلقین کا تم کو تو گویا خبط تھا
روکتے تھے بین سے یوں جیسے ایماں حبط تھا ؞ خود سے بے خود کیوں ہوئے تم کو تو نازِ ضبط تھا
میں نہ کہتی تھی کہ میری دُکھ بھری رُوداد ہے